عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا
فتاویٰ محمودیہ
جلد ۱
از
فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ
مفتی اعظم ہند دار العلوم دیوبند
ترتیب جدید
محمد فاروق غفرلہ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ الہند
مکتبہ محمودیہ
جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) الہند 245206
Design by: M.Rahman Qaasmi 9758814654

مقدمہ فتاوی محمودیہ

از

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

مفتی اعظم ھند و دار العلوم دیوبند

ترتیب جدید

محمد فاروق غفرلہٗ

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ، یوپی ۲۴۵۲۰۶

انتباہ

تفصیلات

نام کتاب	:	مقدمہ فتاویٰ محمودیہ......۱
صاحب فتاویٰ	:	فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہ (مفتی اعظم ہند و دار العلوم دیوبند)
مرتب	:	محمد فاروق غفرلہٗ
کمپوزنگ	:	مجیب الرحمٰن قاسمی جامعہ محمودیہ علی پور 7895786325
سن اشاعت	:	۱۴۳۰ھ-۲۰۰۹ء
صفحات	:	۵۱۱
قیمت	:	

ناشر

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) پن کوڈ:۲۴۵۲۰۶

تقریظ

حضرت الحاج مولانا مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہٗ

صدر مفتی دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
ومجاز بیعت حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحبؒ

باسمہٖ سبحانہ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین الذی لا نبی بعدہ لا اصلا ولا تبعا ولا ظلا ولا بروزا ولا بای سبیل ظھر احد بعدہ واظھرو علی الہ وصحبہ الذین ھم علم الھدیٰ وظھر التقی وعلی من بعدھم من التابعین الابرار والماحین الی یوم القرار للبدع والاھواء من الذائغین الضالین والمضلین۔

وبعد: پیش نظر فتاویٰ جن بزرگ کے ہیں ان کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں بلکہ مغتنمات روزگار میں سے ہے، ان کے علم کی جامعیت وافادیت میں بھی کلام نہیں۔

احقر کو موصوف کے ساتھ بیس سالہ رفاقت ومصاحبت سے اس رائے پر پورا وثوق ویقین ہے بلکہ پیش نظر مضامین میں سے بعض کے پڑھنے اور سننے کی سعادت بھی حاصل ہے اس لئے اس رائے میں اور بھی پختگی ہے اور یقین ہے کہ یہ کتاب عوام وخواص دونوں صنف کے منصفین کے لئے نافع اور بصیرت افروز ہوگی۔

موصوف کے ساتھ حضرت مرتب وناشر عزیزم مولانا مفتی محمد فاروق سلمہ بھی لائق شکریہ اور مستحق دعا ہیں کہ ان فتاویٰ کی ترتیب واشاعت کر کے افادہ واستفادہ کا ایک باب کھولدیا۔ اللّٰھم آمین برحمتک یا رب العالمین.

کتبہ: العبد نظام الدین

تقریظ

صاحب فتاویٰ رحیمیہ حضرت مولانا الحاج

مفتی سید عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ مفتی اعظم راندیر گجرات

باسمہٖ سبحانہ

فتاویٰ محمودیہ کی پہلی دوسری جلد پہنچیں، دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم ومدت فیوضہم کے فتاویٰ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی جامع اور محقق ومدلل ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کے فتاویٰ جس وقت ماہنامہ نظام کانپور میں شائع ہوتے تھے اسی وقت سے عوام وخواص میں بے حد مقبول اور مستند سمجھے جاتے تھے کسی تحریر کا حضرت اقدس مفتی صاحب زیدمجدہ کی طرف انتساب ہی اس کے مستند ہونے کے لئے کافی ہے۔

حضرت کی ذات گرامی ہندو بیرون ہند میں محتاج تعارف نہیں۔ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کے ہزاروں شاگرد اور بے شمار مریدین ومتعلقین ہند وبیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔

بہت ضرورت تھی کہ حضرتِ اقدس مفتی صاحب کے فتاوی کو شائع کیا جائے۔ ان شاء اللہ خواص وعوام دونوں کے لئے بہت مفید ہوں گے اور ایک مستند ذخیرہ جمع ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔ اور حضرت اقدس مفتی صاحب زیدمجدہ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور صحت وعافیت عطا فرمائے کہ اس مفید سلسلہ کی جلد تکمیل ہو سکے۔ والسلام

سید عبدالرحیم لاجپوری ثم راندیری

تقریظ

حضرت الحاج مولانا مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہٗ
ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
وخلیفہ ومجاز حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ

باسمہٖ سبحانہ

مکرم ومحترم حضرت الاستاذ الحاج الحافظ مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی زید مجدہم کے فتاوی کا زیرنظر مجموعہ ''فتاویٰ محمودیہ'' بصارت نواز وبصیرت افروز ہے، اوراس پر کچھ لکھنے کے لئے حضرت موصوف کا ارشادگرامی ہے۔ کسی خرد کا اپنے کسی بزرگ کی تصنیف وتالیف پر کچھ عرض کرنا اصولی طور پر تو کوئی درجہ رکھتا ہے نہیں ادب کے بھی منافی ہے۔ یہاں بھی اگر چہ یہی صورت ہے۔ لیکن ایک چیز اس سے بڑھ کر ''الامر فوق الادب'' ہے۔ اس لئے امتثالاً للارشاد یہ معروضات پیش ہیں۔

حضرت موصوف کو علمی طور پر جو جامعیت حاصل ہے اور فتاویٰ کے لئے وہ جس ہمہ گیر رسوخ فی العلم، مخصوص دقت نظر وفکر، ذہن رسا اور فقہی تعمق کے حامل ہیں اس کے ہر طبقہ علم کے افراد معترف ومداح ہیں اور ان کی فضائل مآب شخصیت ان اوصاف کے لئے مستغنی عن التعارف ہے۔

ان فتاوی کا ان کی ذات سامی سے انتساب ہی ان کی اہمیت اور وقیع حیثیت کا ضامن اور شاہد عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے ان کمالات علمیہ وفقہیہ سے اہل علم اور خواص کو زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

مظفر حسین المظاہری

ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

تقریظ

حضرت الحاج مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب قدس سرہٗ

مہتمم مدرسہ جامعہ رحمانیہ ہتورا (باندہ)

وخلیفہ ومجاز حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ ناظم مظاہر علوم سہارنپور

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حضرت استاذی مفتی الحاج محمود حسن صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت، ملک اور بیرون ملک میں محتاج تعارف نہیں، حضرت والا کو عوام وخواص میں جو عظمت اور مقبولیت حاصل ہے وہ اللہ پاک کا ایک خصوصی عطیہ ہے۔

حضرت اقدس کو تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ میں دستگاہ اور عبور حاصل ہے۔

اکثر کتابوں کی پوری پوری عبارتیں محفوظ اور ازبر ہیں۔

آپ نے شروع میں مظاہر علوم سہارنپور میں عرصہ تک درس دیا اس کے بعد کانپور کے قدیم مدرسہ جامع العلوم میں ایک طویل عرصہ تک قیام فرما کر اس کی نشاۃ ثانیہ کا باعث بنے، اس کے بعد برصغیر کا وہ واحد ادارہ جو ایک صدی سے حق کا مینارہ اور علمائے حق کے مسلک کا علمبردار ہے یعنی دارالعلوم دیوبند کے شایان شان دارالافتاء کی مسند صدارت پر پندرہ سال سے زائد عرصہ تک فائز ہونے کے ساتھ بخاری شریف کا بے مثال درس دیا۔

اب بھی باجود پیرانہ سالی کے مظاہر علوم اور دارالعلوم دونوں مرکزی اداروں کے دارالافتاء کی سرپرستی فرمارہے ہیں اور دونوں جگہ وقت دیتے ہیں دنیا کے مختلف ممالک میں آپ کے شاگرد اور متوسلین ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ وعظ ونصیحت کے ذریعہ بے شمار

مخلوق کو فیض پہونچایا خدا کرے یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے ضرورت ہے کہ حضرت موصوف کی ہر تحریر وتقریر کی اشاعت کی جائے۔

اس وقت حضرت والا کے فتاویٰ کی پہلی جلد شائع ہو رہی ہے جس میں قدیم مسائل کے تشفی بخش جوابات کے ساتھ ساتھ عصری اور جدید مسائل پر سیر حاصل کلام ہے۔ تفسیر وحدیث کی بابت اشکالات اور اعتقادیات میں پیدا ہونے والے شبہات اور خرافات سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے، بدعات، مودودیت، شیعیت کا مدلل، مفصل طریقہ پر رد کیا گیا ہے، تقلید کی حیثیت اور دیگر اہم مباحث پر محققانہ کلام کیا گیا ہے۔

حق تعالیٰ اس مجموعہ کو نفع عام کا ذریعہ بناوے اور حضرت کے فیوض وبرکات سے تادیر سب کو مستفید فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہٗ
خادم جامعہ عربیہ ہتھورا ضلع باندہ (یوپی)

پیش لفظ

حضرت الحاج مولانا مفتی منظور احمد صاحب مدظلہ

مفتی وقاضی شہر کانپور

باسمہٖ سبحانہ

علم والے ہی جانتے ہیں کہ فتویٰ نویسی کس قدر مشکل فن ہے۔ مفتی کامل کیلئے علم حدیث، اصول حدیث وفقہ، اصول فقہ، علم تفسیر، اور علم کلام پر کامل دسترس درکار ہے اور اس کیلئے کلیات وفقہی جزئیات کا استحضار ازبس ضروری ہے اس کے ساتھ یہ بھی امر لازم ہے کہ اسکا مطالعہ گہرا اور وسیع ہو حالات زمانہ پر اسکی پوری نظر ہو عرف عام اور عادات الناس پورے طور پر اس کے علم میں ہوں اور پھر ذہن ثاقب اور مجتہدانہ بصیرت بھی رکھتا ہو، حرص وآز اور حب مال وجاہ سے پاک ہو خدا کے سوا ہر خوف سے فارغ ہوتا کہ مسائل حاضرہ پر وہ بے لاگ تبصرہ کر سکے اور ہر موقع پر بلا خوف لومۃ لائم احکام شرع بیان کر سکے۔

دور حاضر کی علمی شخصیتوں میں میرے علم کی حد تک مذکورہ بالا صفات صرف حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے اندر بکمال وجوہ پائی جاتی ہیں اور اپنے گونا گوں اوصاف کی بناء پر یقیناً وہ عصر حاضر کے مفتی اعظم ہیں جو اپنے ستہتر (۷۷) سالہ زمانۂ عمر کا بیشتر حصہ خدمت افتاء میں گذار چکے ہیں مظاہر علوم سہارنپور کا دور شباب تھا جب کہ وہ نابغہ روزگار ہستیوں کا مرکز تھا اس وقت حضرت مفتی صاحب وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر طلب مزید کے لئے دو سال دار العلوم دیوبند میں گذارے اور کاملین وماہرین زمانہ کے ظل عاطفت میں رہ کر جملہ علوم وفنون میں کمال پیدا کیا۔ دور طالب علمی سے ہی ذکاوت

وسعادت کے آثار ظاہر تھے۔ارباب مظاہر نے اسی وقت اس درنایاب کوتاڑ لیا تھا چنانچہ تحصیل علوم کے بعد ہی حضرت مفتی صاحب مظاہر علوم سہارنپور میں معین مفتی ومدرس ہوگئے۔اور پچیس سال تک بخیر وخوبی خدمات مفوضہ انجام دیتے رہے اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مفتیٔ اعظم مظاہر علوم اور قطب وقت اور شیخ الحدیث زمانہ حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے زیر تربیت منازل کمال طے فرماتے رہے۔بالآخر اپنے وقت کے ماہر فن اور فقیہ العصر ہوگئے۔ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ.

مظاہر علوم کے بعد جامع العلوم کانپور کی صدارت درس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے اور ۱۴ر سال تک کانپور اور اطراف حضرت مفتی صاحب کے دریائے فیض سے سیراب ہوتے رہے۔جامع العلوم جو گوشۂ خمول میں پہونچ گیا تھا وہ مفتی صاحب کی بدولت گمنامی سے نکل کر شہرت وترقی کے بام عروج پر پہونچ گیا۔ارباب جامع العلوم واہالیان کانپور نے بہت چاہا اور بہت کوشش بھی کی کہ مفتی صاحب کے فیوض وبرکات سے سلسلۂ استفادہ ٹوٹنے نہ پائے مگر ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے سامنے کسی کی نہ چلی۔یہ وہ دور تھا کہ دارالعلوم کا دارالافتاء حضرت فقیہ زمن مولانا مفتی مہدی حسنؒ کے جانشین کا بے چینی سے انتظار کررہا تھا یہ وہ پریشان کن گھڑی تھی کہ بعض مخالفین نے حضرت نانوتویؒ کی بعض عبارات کو غلط انداز سے پیش کرکے غلط فتویٰ حاسل کرلیا اور اسے ''دعوت اخبار'' میں چھاپ کر خوب پروپیگنڈہ کیا جس کا جواب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے تحریر فرمایا اور جواب بھی ایسا مسکت اور بصیرت افروز تھا کہ مخالفین کی تمام تر دسیسہ کاریاں انہیں پر پلٹ گئیں۔ان حالات میں سخت ضرورت تھی کہ دارالعلوم کے دارالافتاء کا صدر ایسا جامع شخص ہو جو فقہی کمال کے ساتھ حالات زمانہ پر بھی نظر رکھتا ہو اس کا مطالعہ اتنا وسیع ہو کہ کوئی فریبی

من مانی فتویٰ حاصل نہ کرسکے اکابر دارالعلوم کی نگاہیں حضرت مفتی صاحب مدظلہ پر پڑیں حضرت قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ نے بہت اصرار کے ساتھ طلب فرمایا۔ مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا محمد اسعد صاحب مدنی نے پورا زور لگادیا بالآخر حضرت شیخ الحدیثؒ کی اجازت پر مفتی صاحب دارالعلوم تشریف لے گئے، اور ١٨ر سال تک دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی سرپرستی فرما کر اس کی عظمت رفتہ کو بحال کردیا۔ دس بارہ سال تک مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف جلد ثانی کا درس بھی دیتے رہے ہیں دوسال قبل انتظامیہ کے اختلافات سے حضرت مفتی صاحب بہت ہی کبیدہ خاطر ہوکر صحبت بھی کمزور ہوگئی اس لئے سابقہ نظام تبدیل کردیا اب ہفتہ میں دو یوم دارالعلوم میں اور چار یوم مظاہر علوم میں گذارنے لگے، اس طرح حضرت والا کی ذات گرامی مرکزین کیلئے رونق بنی ہوئی ہے اور دونوں جگہ کے اکابر واصاغر کیلئے لاینحل مسائل میں حضرت والا ہی مرجع ہیں۔

جامع العلوم کے چند ابتدائی سالوں کو چھوڑ کر اب تک تمام خدمات جلیلہ فی سبیل اللہ انجام دیتے رہے مشاہرہ لیا بھی تو فوراً دفتر میں جمع کردیا۔

فرق باطلہ کی تردید میں بھی حضرت مفتی صاحب ید طولی رکھتے ہیں قادیانی ورضاخانی مفتی صاحب کے نام سے کانپتے ہیں جماعت اسلامی کے لٹریچر کا گہرا مطالعہ فرمایا اور اس جماعت پر ایسا تبصرہ فرمایا کہ اس کا زیغ وضلال واضح ہوگیا جماعت اسلامی کے افراد جواب دینے کی سکت نہیں رکھتے ہاں کیچڑ اچھالنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی فقیہانہ بصیرت کو علماء زمانہ تسلیم کرتے ہیں قطب عالم حضرت شیخ الحدیث صاحب نوراللہ مرقدہ کو ان آنکھوں نے بارہا دیکھا کہ درجنوں علماء فقہاء موجود ہیں لیکن جب کوئی ضرورت پیش آتی حضرت شیخ فرماتے کہ ہمارے مفتی صاحب کو بلاؤ کمال مہارت کی اس سے بڑھ کر کیا سند ہوسکتی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ

سے نظام قدیم ونظام جدید کانپور کے ذریعہ ایک کثیر خلقت فائدہ اٹھا رہی ہے لیکن شدید ضرورت تھی کہ مفتی صاحب کے فتاویٰ کتابی شکل میں امت کے سامنے آئیں تا کہ افادہ عام وتام ہوسکے مرحوم مولوی قمرالدین کانپوری نے کام شروع کیا تھا مگر کتابت تک رہ گئے۔اب حضرت مفتی صاحب کے تلمیذ راشد مولانا مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی نے حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کی ترتیب کا کام شروع کردیا ہےاورموصوف کی ہی فرمائش پران سطور کے لکھنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں اللہ تعالیٰ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب کی کوششوں کومشکور فرمائے اوران کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے وہ کام کردکھایا جو بہتوں کی تمنا ہی بن کر رہ گیا تھا۔ان سطور کواگر راقم الحروف کا تعارف کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ مفتی صاحب اورفن افتا کا پورا تعارف اس ناکارہ کے بس میں نہیں۔

یہاں تو حال یہ ہے کہ گوناں گوں صفات عالیہ جب دماغ کے پردے پرا بھرکرآتی ہیں تو قلم حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ ضبط کرے تو کیسے کرے کس کو لکھے کس کو نہ لکھے اس لئے صرف چند باتیں لکھ کر قلم کوروکتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب موصوف کوخوش طبعی اور بذلہ سنجی سے بھی حصہ وافر دیا ہے جو اکثر ناواقفوں کے لئے حجاب بن جاتا ہے لیکن مستفیدین کے لئے نعمت کبریٰ ثابت ہوتا ہے اگر شگفتگی اورخوش مزاجی نہ ہوتی تو رعب خداداد کی وجہ سے استفادہ کرنا دشوار ہوجاتا۔

خدا نے موصوف کوایسی حکمت وبصیرت عطا فرمائی ہے کہ لاینحل مسائل منٹوں میں حل ہوجاتے ہیں۔انداز تکلم ایسا کہ مشکل سے مشکل بات بھی مخاطب کے دلنشین ہوجائے بطورنمونہ کےخود اپنا حال عرض کرتا ہوں یہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا ہی صدقہ ہے کہ مجھ جیسا ناکارہ درس حدیث اور خدمت افتاء کی سعادت سے نواز دیا گیا ورنہ خدا

جانے اس وقت کس وادی میں بھٹکتا ہوتا۔ ہوا یہ کہ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد میں نے طبیہ کالج سہارنپور میں داخلہ لے لیا تھا اور خبط یہ سوار تھا کہ ذریعۂ معاش اختیار کر کے پھر دین کی خدمت کرونگا میرے والد مرحوم طبیب ہونے کے باوجود میرے طب پڑھنے کے سخت مخالف تھے۔ استاذ محترم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب علیہ الرحمہ نے مختلف انداز سے سمجھایا اور بارہا فرمایا کہ شاخ مظاہر میں مدرسی کی جگہ خالی ہے۔ درخواست دیدو مگر یہاں تو ایک دھن تھی ایک نشہ سوار تھا جسے حضرت مفتی صاحب کے ایک جملہ نے اتار دیا کہ ''کسی طبیب نے آج تک تدریسی خدمت انجام دی ہے جو تو انجام دے گا'' بس سارے شبہات کافور ہو گئے اور حضرت مفتی صاحب نے جامع العلوم کانپور میں بلا کر کتب افتاء پڑھائی طریقہ سکھایا، اور برسوں ایسی تربیت فرمائی کہ اپنی جہالت محسوس ہونے لگی اور معلوم ہونے لگا کہ علم کیا چیز ہے اور فتویٰ کیا چیز ہے افسوس کہ جامع العلوم میں بارہ سال کی صحبت خلاف توقع ختم ہو گئی اور ہم کف افسوس ملتے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ استاذ محترم حضرت مفتی صاحب کو جزائے خیر دے اور بعافیت تادیر ان کا سایہ قائم رکھے۔ اور اہل علم کو اس عظیم نعمت کی قدر دانی کی توفیق مزید بخشے۔

حضرت مفتی صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کے تلمیذ ارشد بھی ہیں اور خلیفۂ اکبر بھی۔ مجھ جیسے کور باطن اور ظاہر بیں حضرت مفتی صاحب کے علوم ظاہرہ سے حسب طلب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور اہل بصیرت واہل باطن حضرت کے فیوض باطنی اور برکات معنوی سے مالا مال ہوتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

منظور احمد مظاہری

خادم مدرسہ جامع العلوم کانپور و قاضی شہر کانپور

تفصیلی فہرست مضامین

مقدمہ فتاویٰ محمودیہ جلد ۱

E:\f.m.Final \ Jild-1\ Fahrist Muqaddama

E:\f.m.Final \ Jild-1\ Fahrist Muqaddama

E:\f.m.Final \ Jild-1\ Fahrist Muqaddama

E:\f.m.Final \ Jild-1\ Fahrist Muqaddama

E:\f.m.Final \ Jild-1\ Fahrist Muqaddama

تَمَّتْ وَبِالْفَضْلِ عَمَّتْ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) 245206

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد:۔

اصالۃً ہدایت کا سرچشمہ قرآن پاک ہے، ھُدًی لِلنَّاس لیکن اس میں عموماً بنیادی اصول اور مسائل بطور ضابطہ کلیہ بیان کئے گئے ہیں، تفصیلات اور فروع کا بیان کرنا حضرت نبی کریم ﷺ کے سپرد ہے "لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ" تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں، ان کو آپ ان سے ظاہر کردیں۔(بیان القرآن)

مثال نمبر۱ :۔ قرآن پاک میں ہے " اَقِیْمُوْا الصَّلٰوۃَ "نماز قائم کرو، اسکی پوری تفصیل کہ کس نماز میں کتنی رکعت ہیں، کس رکعت کے بعد قعدہ ہے، کونسی رکعت میں صرف اَلْحَمْد پڑھی جاتی ہے، کونسی میں سورت بھی ملائی جاتی ہے، کس نماز میں قراءت آواز سے پڑھی جاتی ہے کس میں آہستہ وغیرہ وغیرہ حضور ﷺ نے بیان فرمائی ہے، قرآن شریف سے براہِ راست اس کا سمجھنا دشوار ہے۔

مثال نمبر۲:۔ وَاٰتُوْا الزَّکٰوۃ زکوٰۃ ادا کرو۔

اس کی تفصیل کہ چاندی کی زکوٰۃ کس حساب سے ہے سونے کی کس حساب سے

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

بکری گائے، اونٹ کی کس حساب سے احادیث سے معلوم ہوئی، جسکا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔

مثال نمبر۳:۔ "وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ" لوگوں کے ذمہ اللہ کے گھر کا حج لازم ہے اسکی تفصیل کہ طواف کا کیا طریقہ ہے کتنے چکر ہیں، عرفات، منیٰ، مزدلفہ، رمی جمار، وغیرہ کے مسائل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے حدیث شریف کی روشنی کا حاصل کرنا ضروری ہے، حدیث سے بے نیاز ہوکر قرآن شریف کو سمجھنا ناممکن ہے، امت کو حکم ہے کہ حضور ﷺ کی بیان فرمودہ تفصیلات کے ماتحت قرآن شریف سے ہدایت حاصل کرے، اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ کی اطاعت اللہ پاک ہی کی اطاعت ہے "مَنْ یُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ"[۱] اس لئے حدیث میں ارشاد ہے "صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ"
(بخاری شریف ج۱ص۱۷۶)
جس طرح تم نے مجھ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے تم بھی اسی طرح پڑھو، یہ نہیں فرمایا کہ جس طرح قرآن شریف سے تمہاری سمجھ میں آئے اس طرح پڑھو۔

حدیث کی قسمیں:۔ بعض چیزیں خود زبان مبارک سے ارشاد فرمائیں ہیں، انکو حدیث قولی کہتے ہیں، بعض چیزیں عملاً کی ہیں، ان کو حدیث فعلی کہتے ہیں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ آپ کے سامنے کی گئی ہیں، یا آپ کے علم میں لائی گئی ہیں، اور ان پر آپ ﷺ نے تردید ی انکار نہیں فرمایا بلکہ خاموشی اختیار فرمائی ہے، جو کہ تائید وتصدیق کے حکم میں ہے اس کو تقریر کہتے ہیں، اور اسی حدیث کو حدیث تقریری

---

۱ جس شخص نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی (بیان القرآن)

کہتے ہیں یہ تینوں قسم کی حدیثیں امت کے لئے ذریعۂ ہدایت ہیں۔

قیاس:۔بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی گئیں اور آپ ﷺ نے ان کا جواب دیا اور سائل سے خود بھی ایک مسئلہ دریافت فرمالیا۔ جس کا حکم ظاہر اور سائل کو معلوم تھا، جب سائل نے بتادیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز تم نے دریافت کی ہے اس کا حکم بھی اسی کے موافق ہے۔

مثال:۔کسی نے دریافت کیا کہ میری والدہ کے ذمہ حج ہے اس کو اس کی طرف سے ادا کرلوں تو ادا ہوجائیگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ادا ہوجائے گا، اگر اس کے ذمہ قرض ہو اور تم ادا کردو تو ادا ہوجائیگا؟ اس نے کہا ہاں ادا ہوجائیگا، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کا قرض بطور اولیٰ ادا ہوجائے گا۔
جیسا کہ بخاری شریف ج ۲/ص ۱۰۸۸) میں یہ حدیث مذکور ہے:۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ اَنّ اِمْرأۃً جاءَ تْ اِلَی النَّبِی صلّٰی اللّٰہ علیہ وسلّم اِنَّ اُمِّی نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ قَبْلَ اَنْ تَحُجّ اَنَا اَحُجُ عَنْهَا قَالَ نَعَم حُجِّیْ عَنْهَا رَائیتِ لَوْکَانَ عَلٰی اُمِّکِ دَیْنٌ اَکُنْتِ قَاضِیَۃً قَالَتْ نَعَم قَالَ اقْضُوْا الَّذِی لَهٗ فَاِنَّ اللّٰہ اَحَقُّ بِالْوَفَاءِ.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئی (اور عرض کیا) میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، اور حج کرنے سے قبل مرگئی تو کیا میں اسکی طرف سے حج کروں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں اس کی طرف سے حج کردے، بتا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تو ادا کرتی اس نے کہا ہاں، ارشاد فرمایا جو اس کیلئے ہے اسے ادا کردے بیشک اللہ تعالیٰ کا حق پورا کرنے کے زیادہ لائق ہے۔

اس کو شریعت میں قیاس، اجتہاد، استنباط، اعتبار کہتے ہیں، اس کی تعلیم بھی حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے، اس کے شرائط اور تفصیلات کتب اصول میں مذکور ہیں اس کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے کہ قرآن وحدیث سے مسئلہ صاف صاف سمجھ میں نہ آتا ہو۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو بہت سی ہدایتیں دیں اور دور تک رخصت کرنے کیلئے تشریف لے گئے، یہ بھی دریافت فرمایا کہ تم کس قانون کے ماتحت فیصلے کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا قرآن پاک کے تحت، ارشاد فرمایا کہ اگر اسمیں تم کو نہ ملے، عرض کیا کہ سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلے کرونگا، فرمایا کہ اگر تمہیں اس میں بھی نہ ملے تو، عرض کیا کہ اجتہاد کرونگا اس پر مسرت کا اظہار کرکے پوری تائید فرمائی، اور اس انتخاب پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (ابوداؤد شریف ج ۲ رص ۱۴۹ رکتاب القضاء میں یہ واقعہ مذکور ہے)

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰه صَلّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّم لَمَّااَرَادَ اَنْ یَبْعَثَ مَعَاذاً اِلَی الْیَمنِ قَالَ کَیْفَ تَقْضِی اِذَاعَرضَ لَکَ قَضَاءٌ قَالَ اَقْضِیْ بِکَتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِی کِتَابِ اللّٰه قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِیْ سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰه صلّی اللّٰه عَلَیْهِ وسلّم وَلا فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ قَالَ اَجْتَهِدُ بِرَائِی وَلا اٰلُوْفَضربَ رَسُول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم صَدْرَهٗ ......

حضرت رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو جب یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے یہ دریافت فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئیگا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا اللہ کی کتاب کے ذریعہ فیصلہ کرونگا، آپ ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ ملے، انہوں نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ذریعہ آپؐ نے فرمایا اگر سنت رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ میں نہ ملے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا، اور کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کرونگا، اس پر نبی علیہ السلام نے انکے سینہ پر ہاتھ مارا،

فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَفَّقَ رسولَ، رَسُولِ اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم لِمَا یَرْضٰی رَسُولُ اللّٰه.

اور فرمایا تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے رسول اللہ ﷺ کے رسول کو اس بات کی توفیق مرحمت فرمائی جس سے اللہ کا رسول خوش ہے۔

اجتہاد:۔ جو مسئلہ قرآن وحدیث میں صاف صاف نہ ملتا ہو اس کا حکم نظائر ودلائل میں غور کر کے نکالنا اجتہاد ہے، اسی کو قیاس بھی کہتے ہیں، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اگر اس پر اتفاق ہو جائے، تو وہ اجماع کہلاتا ہے، اسی لئے علمائے اصول نے لکھا ہے کہ قیاس حکم کو ثابت نہیں کرتا بلکہ ظاہر کرتا ہے، جو حکم قرآن یا حدیث میں موجود تو تھا لیکن مخفی تھا، عامۃً لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے تھے، مجتہد نے اس کو اس کے نظائر پر قیاس کر کے یا دلالۃً، اشارۃً، اقتضاء وغیرہ سے استنباط کر کے ظاہر کر دیا امام بخاری نے اس کے لئے مستقل باب منعقد کیا ہے۔

تقلید:۔ جس شخص میں اجتہاد کی قوت نہ ہو اسکو مجتہد کا اتباع لازم ہے، اسی کا نام تقلید ہے۔ حضرت معاذؓ کو اسی لئے قاضی بنا کر بھیجا تھا کہ ان کے بتائے ہوئے مسائل واحکام پر عمل کیا جائے، جن کے ماخذ تین ہیں، قرآن پاک، حدیث شریف، اجتہاد، اور تینوں کو تسلیم کرنا حضور ﷺ ہی کی اطاعت ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه وَمَنْ عَصَانِی فَقَدْ عَصَی اللّٰه وَمَنْ یُطِعِ الْاَمِيْر فَقَدْ اَطَاعَنِی وَمَنْ يَعْصِی الا مِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ اَلْحدِيْثُ مُتَّفَقٌ عَلِیْه. (مشکوٰۃ شریف ص۳۱۰)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

مسائل کی قسمیں:۔ مسائل دو قسم کے ہیں، ایک وہ جنکا تذکرہ نص (قرآن یا حدیث) میں موجود ہے، دوسرے وہ جن کا تذکرہ قرآن یا حدیث میں موجود نہیں، قسم اول (جس کا تذکرہ نص میں موجود ہے) کی دو صورتیں ہیں، اول یہ کہ نص ایک ہی طرح کی ہے جس سے ایک ہی طرح کا مثبت یا منفی حکم صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نص دو طرح کی ہے کسی سے مثبت حکم معلوم ہوتا ہے، کسی سے منفی مثلاً کسی سے آمین بالجہر معلوم ہوتا ہے کسی سے آمین بالسر، کسی سے رفع یدین معلوم ہوتا ہے، کسی سے ترک رفع، پھر ایسے مسائل میں بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ تاریخی شواہد، یا دیگر قرائن سے نص کا مقدم مؤخر ہونا معلوم ہو کہ فلاں نص مقدم ہے اور فلاں مؤخر دوسری صورت یہ ہے کہ نص کا مقدم ومؤخر ہونا معلوم نہ ہو یہ پتہ نہ چلے کہ کونسی نص پہلے کی ہے، کونسی نص بعد کی کل چار قسمیں ہوئیں۔

پہلی قسم:۔ وہ مسائل جن میں نص ایک ہی طرح کی ہے، ایسے مسائل میں قیاس واجتہاد نہیں کیا جاتا، نہ کسی کی تقلید کی جاتی ہے، بلکہ نص پر عمل کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم:۔ وہ مسائل جن میں نص دو طرح کی ہے، اور مقدم ومؤخر کا بھی علم ہے، ایسے مسائل میں عموماً مقدم کو منسوخ مان کر مؤخر پر عمل کیا جاتا ہے، ان میں بھی نہ قیاس واجتہاد کی حاجت ہے نہ تقلید کی۔

تیسری قسم:۔ وہ مسائل جن میں نص دو طرح کی ہے، اور مقدم ومؤخر کا علم نہیں۔

چوتھی قسم:۔ وہ مسائل جن میں نص موجود نہیں۔

ان اخیر کی دونوں قسم کے مسائل، دو حال سے خالی نہیں، آدمی کچھ عمل کرتا ہے یا نہیں اگر عمل نہیں کرتا اور آزاد پھرتا ہے، تو اس کی اجازت نہیں۔

"اَ یَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُتْرَکَ سُدًی" کیا انسان سمجھتا ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاکُمْ عَبَثًا" کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا۔

یعنی ایسا نہیں بلکہ تمہیں ہر موقعہ پر ہمارے حکم کی تعمیل کرنی ہے، اور اگر کچھ عمل کرنا ہے تو کیا عمل کرے، تیسری قسم کے مسائل میں کونسی نص کو اختیار کرے؟ ایک نص کو اختیار کرنے سے دوسری نص چھوٹتی ہے، اپنی طرف سے عمل کے لئے کسی نص کی تعیین کرنہیں سکتا، تقدم وتاخیر کا علم نہیں کہ ایک کو ناسخ دوسری کو منسوخ قرار دیکر ناسخ پر عمل کرلے اور چوتھی قسم کے مسائل میں نص موجود ہی نہیں، تو بلا علم کے کس چیز پر عمل کریگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَاتَقْفُ مَالَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ" اس کا حاصل یہ کہ بلا تحقیق وعلم کے کسی بات پر عمل مت کرو، تو لامحالہ ان دونوں قسم کے مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہوگی، تیسری قسم میں تو اس لئے کہ عمل کے واسطے نص کو متعین کیا جائے، چوتھی قسم میں اس لئے کہ حکم معلوم کیا جائے، اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص میں اجتہاد واستنباط کی قوت واہلیت نہیں ہوتی یہ آیت بھی اسی بات کو واضح کر رہی ہے۔

وَلَوْرُدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰی اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ.

اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے ہیں (بیان القرآن)

یوں تو ہر شخص کوئی نہ کوئی صحیح یا غلط رائے قائم کرنیکا دعویٰ کرہی سکتا ہے، لیکن جس کا

استنباط شرعاً معتبر ہو اس کو مستنبط اور مجتہد کہتے ہیں جس کا معتبر نہ ہو اس کو مقلد کہتے ہیں، پس ان دونوں قسم کے مسائل میں مجتہد کو اجتہاد ضروری ہے اور مقلد کو اس کی تقلید ضروری ہے، اجتہاد میں اگر خطا ہو جائے، تب بھی مجتہد اجر سے محروم نہیں، اگر اجتہاد صحیح ہو تو دوہرے اجر کا مستحق ہے جیسا کہ بخاری شریف ج ۲/۱۰۹۲ میں ہے، اس سب کے لئے فقہ کی ضرورت ہے کہ ان سب چیزوں کا علم، علم فقہ کے ذریعہ ہی حاصل ہوتا ہے۔

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

فقہ کے لغوی معنی

لغت میں فقہ ''فہم، سمجھداری اور ذہانت'' کو کہتے ہیں اور فقیہ ذہین اور سمجھدار شخص کو کہا جاتا ہے[۱]، اور تفقہ فقیہ[۲] ہونے، فقہ حاصل کرنے اور اس میں غور خوض[۳] کرنے کا نام ہے۔

فقہ کے قدیم اصطلاحی معنی

اسلام کے قرون[۴] اولی کی اصطلاح میں فقہ سے مراد ''پورے دین کی گہری سمجھ'' ہے یعنی دین کی تمام تعلیمات خواہ ان کا تعلق کسی بھی شعبۂ زندگی سے ہو ان کی گہری بصیرت ومہارت کو ''فقہ'' کہا جاتا تھا، اور فقیہ اس شخص کو کہتے تھے۔
جو پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت رکھتا ہو، اور اپنی پوری زندگی کو دین کے سانچہ میں ڈھال چکا ہو۔

---

۱ الصحاح للجوہری، ص ۲۲۴۳، ج ۶۔

۲ ردالمختار، ص ۳۸ ج ۱۔

۳ الصحاح۔

۴ قرونِ اولی سے مراد عہد رسالت اور اس کے بعد تابعین تک کا زمانہ ہے۔

''فقہ'' امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک

اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے جو[1] تابعین کے آخری دور سے تعلق رکھتے ہیں، فقہ کی تعریف یہ کی ہے کہ:۔

هُوَ[1] مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَاوَمَاعَلَيْهَا.. یعنی فقہ ان امور کی بصیرت کا نام ہے جو بندے کے لئے جائز یا ناجائز ہیں۔

یہ تعریف علم دین کی تینوں اقسام کو شامل ہے، چنانچہ امام صاحب موصوفؒ نے جو کتاب عقائد پر تصنیف فرمائی تھی، اسکا نام ''الفقہ الاکبر'' رکھا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک علم عقائد بھی فقہ ہی کا ایک اہم ترین شعبہ تھا، خلاصہ یہ کہ متقدمین کی اصطلاح میں پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت کو ''فقہ'' کہا جاتا تھا اور ''فقیہ'' اس شخص کو کہتے تھے، جو پورے دین کی گہری بصیرت ومہارت رکھتا ہو، اور اپنی پوری زندگی اس کے سانچہ میں ڈھال چکا ہو۔

''فقیہ'' حضرت حسن بصریؒ کے نزدیک

مشہور تابعی اور فقیہ حضرت حسن بصریؒ سے ایک صاحب نے کہا کہ فلاں مسئلہ میں فقہاء آپ کے خلاف کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا:[2]

---

[1] جامع بیان العلم لابن عبدالبر المالکیؒ۔

[2] ردالمختار، ص ۳۵، ج ۱، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ص ۲۶۷/ ج ۱۔

وَهَلْ رَأَيْتَ فَقِيهًا بِعَيْنِكَ ؟اِنَّمَا الْفَقِيهُ الزَاهِدُ فِي الدُّنْيَا اَلرَّاغِبُ فِي الاٰخِرَةِ اَلْبَصِيْرُ بِدَيْنِهِ الْمُداوِمُ عَلٰى عِبَادَةِ رَبِّهٖ الْوَرَعُ الْكَافُّ عَنْ اَعْرَاضِ الْمُسْلِمِيْنَ الْعَفِيْفُ عَنْ اَمْوَالِهِمْ النَّاصِحُ لِجَمَاعَتِهِمْ.

تم نے آنکھ سے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے؟ فقیہ تو وہ ہوتا ہے جو دنیا سے بے رغبت ہو، آخرت کا طلبگار ہو، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہو، اپنے رب کی عبادت میں لگا رہے، متقی ہو مسلمانوں کی عزت وآبرو (کونقصان پہنچانے) سے پرہیز کرتا ہو، ان کے مال ودولت سے بےتعلق ہو، اور جماعت مسلمین کا خیرخواہ ہو۔

معلوم ہوا کہ ''فقیہ'' ہونے کیلئے تمام دینی احکام کا محض علم بمعنی ''دانستن'' کافی نہ تھا بلکہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنا بھی فقیہ کی تعریف میں شامل تھا، جس کے بغیر کوئی خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو ''فقیہ'' کہلانے کا مستحق نہ سمجھا جاتا تھا۔

تفقہ فی الدین فرض کفایہ ہے

جسے قرآن حکیم نے ''**تفقه فى الدين** '' (پورے دین کی سمجھ بوجھ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اور فرض کفایہ[1] قرار دیا ہے، ارشاد ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ...

ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ مسلمانوں کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت (جہاد) میں جایا کرے، تاکہ باقی ماندہ لوگ ''دین کی سمجھ'' حاصل کرتے رہیں۔

---

[1] تفسیر معارف القرآن، ص ۴۸۹، ج ۴۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے جس فقہ کی دعاء رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی کہ:۔

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ[۱] ''اے اللہ ان کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرما''

وہ یہی فقہ ہے۔

اسلام میں عظمت فقہاء

حافظ ذہبیؒ ''تذہیب التہذیب کے مقدمہ میں امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) سے نقل کرتے ہیں:۔

اَلْفِقَهُ فِی الْحَدِیْثِ نِصْفُ الْعِلْمِ وَمَعْرِفَةُ الرِّجَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ[۲]۔

حدیث کے معانی میں غور وفکر کرنا، اس موضوع کا نصف علم ہے، اور نصف ثانی حدیث کے رجال کی معرفت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہ حدیث کے معانی کو سمجھنے کا ہی نام ہے، یہ حدیث کے متبادل کسی اور ماخذ کا نام نہیں، بلکہ حق یہ ہے کہ فقہاء دین ہی علم حدیث کے صحیح وارث ہیں۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) جنائز کی ایک بحث میں لکھتے ہیں۔

وَكَذَالِكَ قَالَ الْفُقَهَاءُ وَهُمْ اَعْلَمُ بِمَعَانِی الْحَدِیْثِ.[۳]

اور فقہاء نے ایسا ہی کہا ہے اور یہی لوگ حدیث کے معانی کو اچھی طرح سمجھنے والے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری شریف، ص ۲۶ ج ۱، باب وضع الماء عند الخلاء ''کتاب الوضوء''

۲۔ مقدمہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال، للحافظ صفی الدین الخزرجی (المتوفی ۹۲۳ھ) مطبع کبریٰ بولاق طبع ۱۳۰۱ھ

۳۔ ترمذی: ۱/۱۱۸، باب ماجاء فی غسل المیت.

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

فقہاء کرام صرف حدیث کو سمجھتے ہی نہیں بلکہ اس سے احکام غیر منصوصہ (وہ احکام جن کے بارے میں نص موجود نہ ہوان کا استنباط بھی کرتے ہیں، اجتہادی امور میں یہی حضرات اولی امر ہیں، فہم حدیث میں انہی کی طرف، رجوع کیا جاتا ہے، اور حلم کی دنیا میں انہی کا فیصلہ چلتا ہے، قرآن کریم میں ہے:۔

وَلَوْرُدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰىٓ اُوْلِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ.[۱]

اور اگر وہ پہنچادیتے اُسے رسول تک اور اپنے اولی الامر تک تو اسے وہ لوگ جو ان میں تحقیق استنباط کرنے والے ہیں معلوم کرلیتے۔

امام ابوبکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں حضرت جابرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حسن بصریؒ، حضرت عطاءؒ، اور مجاہدؒ اولی الامر کی تفسیر اولوالفقہ والعلم[۲] سے کرتے ہیں، امام تفسیر حضرت قتادہؒ کہتے ہیں، ہم اولوا العلم والفقہ[۳] حضرت ابوہریرہؓ اس سے حکام مراد لیتے ہیں، الفاظ فقہاء اور امراء دونوں کو شامل ہیں، امراء تدبیر جیوش کرتے ہیں، علماء حفظ شریعت کرتے ہیں، اور جائز وناجائز بتلاتے ہیں، سو لوگ ان کی اطاعت پر مامور ہوں گے، اور انہیں ان کی پیروی کا حکم ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اولی الامر حکام کو کہتے ہیں، جس دائرہ کار میں جس کا حکم چلے وہی اس دائرہ میں اولی الامر میں سے ہے، حافظ جصاص رازی لکھتے ہیں:۔

جَائِزٌ اَنْ يُسَمَّى الْفُقَهَاءُ اُوْلِي الْاَمْرِ لِاَنَّهُمْ يَعْرِفُوْنَ أوامرَ اللّٰهِ وَنَوَاهِيهِ وَيَلْزِمُ غَيْرَهُمْ قُبُوْلُ قَوْلِهِمْ فَجَائِزٌ اَنْ

صحیح تفسیر یہی ہے کہ اولی الامر سے مراد فقہاء حدیث ہی ہیں علماء کے ہی حکم کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں، اور از روئے شرع ان پر ان کے احکام کی

[۱] پارہ ۵/سورۃ النساء، ع ۱۱۔

[۲] احکام القرآن جلد ۲۔

[۳] ایضاً

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

يُسَمُّوْا اُوْلِىْ الْاَمْرِ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ كَمَاقَالَ فِى آيَةِ اُخْرىٰ (لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَارَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْن) فَاَوْجَبَ الْحَذَرَ بِاِنْذَارِهِمْ وَالْزَمُ الْمُنْذِرِيْنَ قُبُوْلُ قَوْلِهِمْ۔[1]

اطاعت واجب ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے ان پر بھی اولی الامر کا اطلاق[1] درست ہے، اولی الامر حکام کو کہتے ہیں جس دائرہ کار میں جن کا حکم چلے وہی اس دائرہ عمل کے اولی الامر ہوں گے، یہ الفاظ اپنے عموم میں ان فقہاء کو یقیناً شامل ہیں جن کا فیصلہ مسلمانوں میں عملاً چلتا ہے، گو وہ اسے اپنے اختیار سے اوپر نافذ ٹھہراتے ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:۔

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْداً سَمِعَ مَقَالَتِىْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَادَّا هَافَرُبَّ حَامِل فِقْهٍ غَيْرِفَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلىٰ مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ.[2]

اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جس نے میری بات سنی اسے یاد کیا، اور محفوظ رکھا، اور اسے آگے پہنچایا، کیوں کہ کئی ایسے بھی حاملین علم ہوتے ہیں۔

جوخود عالم Scholar (فقیہ) نہیں ہوتے اور ایسے بھی حامل علم ہوتے ہیں جو اپنے سے زیادہ سمجھنے والے کو بات پہنچادیتے ہیں، (یہاں تک کہ وہ بات کی حقیقت کو پالیں)۔

اسلام میں علم وحکمت کا مرتبہ

قرآن کریم میں علم کے اس اونچے درجے کو جس میں گہرائی اور گیرائی دونوں درکار ہوں، حکمت Jurisprudence کہا گیا ہے، اور یہی وہ خیر کثیر ہے، جو اس امت میں نبوت کے قائم مقام رکھی گئی تھی، قرآن کریم میں ہے:۔

---

[1] ایضاً۔

[2] احکام القرآن جلد۲، ص۲۱۰۔

مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْراً كَثِيْراً. پارہ۳/البقرہ ع ۳۷۔
جسے حکمت و دانائی ملی پس تحقیق اسے بہت بڑی چیز ملی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیر کے حامل کو فقیہ ارشاد فرمایا ہے، اور حق یہ ہے کہ فقہاء ہی شریعت کے حکماء ہیں، آپ فرماتے ہیں:۔

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.. مشکوٰۃ شریف ص۳۲۔ متفق علیہ
اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین میں فقہ عطا فرمادیتا ہے۔

فقیہ فی الدین کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

فَقِيْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ. (مشکوٰۃ شریف ص ۳۴)
ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

نِعَمَ الرَّجُلُ اَلْفَقِيْهُ فِي الدِّيْنِ اِنْ اُحْتِيْجَ اِلَيْهِ نَفَعَ وَاِنْ اِسْتَغْنَى عَنْهُ اَغْنىٰ نَفْسَهٗ. (رواہُ رَزِیْن مشکوٰۃ شریف ص۳۶)
بہترین مرد ہے فقیہ فی الدین کہ اگر اسکی طرف ضرورت لائی جائے نفع پہنچائے اور اگر اس سے بے پروائی کی جائے اپنے آپ کو مستغنی بنالے۔

جو حضرات تفقہ فی الدین حاصل کرتے ہیں، ان کی فضیلت بیان فرمائی، اور انکے ساتھ خیر کا سلوک کرنے کی وصیت و تاکید فرمائی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ النَّاسَ لَكُمْ تَبَعٌ وَاِنَّ رِجَالًا يَاتُوْنَكُمْ مِنْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ يَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ فَاِذَا اَتَوْكُمْ فَاسْتَوْصَوْا بِهِمْ خَيْرًا
(رواهُ الترمذی مشکوۃ شریف ص ۳۴)

بیشک لوگ تمہارے تابع ہونگے، اور بیشک کچھ لوگ تمہارے پاس اطراف ارض سے آئیں گے جو فقہ فی الدین حاصل کریں گے، پس جب وہ تمہارے پاس آئیں ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنے کی وصیت قبول کرو۔

او رشریعت اسلامی آنے والی ہر ضرورت پر قابو پا سکے، اور حق یہ ہے کہ اسی سے اسلام کی شان جامعیت ہر دور میں اپنی وسعت سے نکھرتی رہی ہے، ظاہر ہے کہ ان حضرات کو دن رات حدیث سے واسطہ پڑتا تھا، اوراس کے رد و قبول اور تحقیق و تنقیح میں انہیں پوری گہرائی میں جانا ہوتا تھا، اس سے انہیں اس فن کی پوری بصیرت حاصل ہوجاتی تھی، اوروہ اسکے درجات اوراحکام سے پوری طرح باخبر ہوتے تھے تاہم یہ صحیح ہے کہ ان کی محنتیں زیادہ تر حدیث کی روایت پرنہیں اس کے فہم ودرایت پر صرف ہوتی تھیں، حدیث ان کے پاس آکر اس بحر بے کراں کی طرح اُچھلتی تھی جس کے نیچے بے شمار موتی دبے ہوں، یہ فقہاء حدیث کبھی اپنے تلامذہ واحباب میں حدیث کی سند بھی روایت کردیتے، لیکن تحدیث زیادہ تر ان کا موضوع نہ تھا، وہ احادیث کے معانی میں غوطے لگاتے تھے، اورفہم حدیث کے پہلو سے ائمہ حدیث اورحفاظ حدیث میں شمار ہوتے تھے، یہ بات اپنی جگہ محتاج دلیل نہیں کہ حدیث میں کامل دست گاہ کے بغیر کوئی شخص مجتہد نہ ہوسکتا تھا، البتہ یہ صحیح ہے کہ نادان لوگ ان کی مرویات کوکم دیکھ کران کی صحیح قدر کرنے سے محروم رہے، اورخود اپنے آپ کو ہی کاٹتے رہے۔

فقہ کا ماٗ خذ یعنی احکام شرعیہ کے دلائل
(پہلا ماٗ خذ قرآن حکیم دوسرا ماٗ خذ سنت
سنت کو خود قرآن نے حجت قرار دیا)

آپ ﷺ کے تمام ارشادات کے وحی ہونے اور افعال کے ہر غلطی سے بچنے کی شہادت قرآن پاک نے قسم کھا کر دی ہے کہ:۔

وَالنَّجْمُ اِذَاھوٰی مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَاغَویٰ وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَاِلاوَحْیٌ یُّوْحیٰ..

قسم ہے ستارہ کی جب وہ غروب ہونے لگے، یہ تمہارے ساتھ رہنے والے (پیغمبر) نہ راہِ حق سے بھٹکے اور نہ غلط راستہ ہوئے، اور نہ آپ ﷺ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد نبوی وحی ہے، جو ان پر وحی بھیجی جاتی ہے (خواہ الفاظ کی وحی ہو جو ''قرآن'' کہلاتی ہے، خواہ صرف معانی کی ہو جو سنت کہلاتی ہے، اور خواہ وحی جزئی ہو یا کسی قاعدۂ کلیہ کی ہو جس سے اجتہاد فرماتے ہوں)

سورۂ قلم میں بھی آپ ﷺ کی عادات کی عظمت کا اعلان قسم کھا کر کیا گیا ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم.(القلم. ۴) اور بیشک آپ ﷺ اخلاق کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں

قرآن ہی نے آپ ﷺ کے پورے طرزِ زندگی کو سب مسلمانوں کے لئے اللہ کا پسندیدہ نمونہ بنا کر پیش کیا۔

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (احزاب آیت۲۱)

تم لوگوں کے لئے رسول اللہ (ﷺ) میں ایک عمدہ نمونہ تھا۔

اسی نمونہ کو اللہ کی محبت کا معیار ٹھہرا کر مسلمانوں کو یہ مژدہ سنایا کہ:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ.(آل عمران ت۳۱)

آپ ﷺ فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے، اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دیں گے۔ اور صاف الفاظ میں حکم دیا کہ:۔

يَااَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ.(نساء ت ۵۹)

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانو۔

اور بتایا کہ آپ ﷺ کی اطاعت بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. (نساء ،ت ۸۰)

جس شخص نے رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی۔

غرض وحی ہونے کے اعتبار سے قرآن وسنت میں کوئی فرق نہیں، دونوں کی اطاعت واجب ہے، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔

آثارصحابہ کی فقہی حیثیت

یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، اور وہ یہ کہ بعض شرائط کے ساتھ صحابۂ کرامؓ کے آثار یعنی اقوال وافعال سے بھی شرعی احکام ثابت کرنے میں ایک حدتک استدلال کیا جاتا ہے، مگر ان کے سب اقوال وافعال مکمل دلیل فقہ کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ان میں کچھ تفصیل ہے، جواصولِ فقہ اور اصولِ حدیث کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے، چونکہ یہ کوئی مستقل دلیل نہیں بلکہ سنت ہی کے تابع ہے لہٰذا اس دلیل کو الگ شمار نہیں کیا جاتا۔

فقہ کا تیسرا مأخذ ''اجماع''

لغت میں اجماع متفق ہونے کو کہتے ہیں، لغوی معنی کے اعتبار سے اتفاق اور اجماع ایک ہی چیز ہے، مگر اصطلاح شریعت میں ایک خاص قسم کے اتفاق کو اجماع کہا جاتا ہے، جس کی تعریف یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء مجتہدین کا کسی حکم شرعی پر متفق ہو جانا ''اجماع'' ہے[1]۔

یہ ''اجماع'' فقہ کا تیسرا مأخذ اور احکامِ شرعیہ کے چار دلائل میں سے ایک ہے، جس مسئلہ کے شرعی حکم پر اجماع منعقد ہو گیا ہے، اسے ''اجماعی فیصلہ'' یا ''مسئلہ اجماعیہ'' یا ''مسئلہ مجمع علیہا'' کہا جاتا ہے، اس کی حیثیت احکامِ شرعیہ کی دلیل اور فقہ کا مأخذ

[1] الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی، ص ۱۰۱، ج ۱، مطبوعہ مصر۔

ہونے کے اعتبار سے وہی ہے جو آنحضرت ﷺ کی سنت کی ہے، جس طرح سنت متواترہ دلیلِ قطعی ہے اور سنت غیر متواترہ دلیل ظنی، اسی طرح جو اجماعی فیصلہ ہم تک تواتر سے پہنچا ہو وہ فقہی احکام کے لئے دلیل قطعی ہے اور جو تواتر کے بغیر قابل اعتماد روایت سے پہنچا ہو وہ دلیل ظنی ہے۔

اجماع کو خود قرآن وسنت نے حجت قرار دیا ہے

قرآن وسنت نے مسلمانوں پر اجماع کی پیروی ایسی ہی لازمی قرار دی ہے، جیسی وحی سے ثابت شدہ احکام کی پیروی لازم ہے، اور وجہ اسکی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات پر شریعت کے احکام بذریعہ وحی آنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجانے والا تھا، اِدھر یہ شریعت قیامت تک نافذ رہنے والی اور طرح طرح کے نت نئے مسائل امت کو قیامت تک پیش آنے والے تھے، لہٰذا آئندہ کے مسائل شرعی اصول پر حل کرنے کا انتظام اللہ جل شانہٗ نے یہ فرمایا دیا کہ خود قرآن وسنت میں ایسے اصول اور نظائر رکھ دیئے جن کی روشنی میں غور وفکر کر کے ہر زمانہ کے مجتہدین اس وقت کے پیدا شدہ مسائل کا شرعی حکم معلوم کرسکیں، اور جو فیصلہ قرآن وسنت کی روشنی میں میں وہ اپنے متفقہ اقوال یا افعال سے کردیں، اسکی پیروی بعد کے تمام مسلمانوں پر خود قرآن وسنت کے ذریعہ لازم اور اس کی خلاف ورزی حرام قرار دیدی گئی۔
قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ اعزاز صرف آنحضرت ﷺ ہی کی امت کو ملا ہے، کہ اس کے مجموعہ کو اللہ تعالیٰ نے دینی امور میں ہر خطاء ولغزش سے معصوم اور محفوظ فرمادیا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اس امت کے کسی فرد سے دینی امور میں غلطی نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ بات تو ہر وقت مشاہدہ میں آتی ہے کہ اس امت میں بھی

ہر قسم کے لوگ ہیں، نیکو کار متقی بھی ہے، فاسق وفاجر بھی، ہر مسلمان سے بلکہ علماء وصلحاء سے بھی فرداً فرداً بہت سے دینی امور میں غلطی ہوجاتی ہے، لہٰذا امت کا ہر فرد تو خطاء ولغزش سے معصوم نہیں مگر امت کا مجموعہ معصوم ہے، یعنی پوری امت بحیثیت مجموعی متفقہ طور پر کوئی ایسا فیصلہ یا عمل نہیں کرسکتی جو قرآن وسنت اور اللہ کی مرضی کے خلاف ہو، جس طرح قرآن وسنت کا کوئی فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا اسی طرح کسی زمانہ کے تمام مسلمانوں کا متفقہ فیصلہ جو کسی دینی مسئلہ میں ہوا ہو غلط نہیں ہوسکتا، بعد کے تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی لازم ہے۔

اس سلسلہ میں چند آیاتِ قرآنیہ

چنانچہ قرآن کریم نے بتایا کہ آخرت میں جو سزا آنحضرت ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو ملے گی وہی سزا ان لوگوں کو دی جائے گی جو مسلمانوں کا متفقہ دینی طریقہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں گے، ارشاد ہے[1]:۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَ تْ مَصِيْرًا.. (نساء آیت ۱۱۵)

اور جو شخص رسول اللہ (ﷺ) کی مخالفت کریگا، بعد اس کے حق راستہ اس پر ظاہر ہوچکا ہو اور سب مسلمانوں کے (دینی) راستہ کے خلاف چلے گا تو ہم اس کو (دنیا میں) جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے، اور آخرت میں اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ آمدی کی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام، ص۱۰۳ تا ۱۰۷ / ج ۱۔ وتفسیر معارف القرآن، ص ۵۲۶ تا ۵۴۷ / ج دوم۔

معلوم ہوا کہ امت کے متفقہ فیصلے (اجماع) کی مخالفت گناہ عظیم ہے۔
قرآن کریم نے اس امت کے مجموعہ کو یہ مژدہ سنایا ہے کہ:۔

وَكَذَالِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (بقرہ آیت ۲۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے، تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور تمہارے (قابلِ شہادت اور معتبر ہونے کے) لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ بنیں

معلوم ہوا کہ اس امت کے جو اقوال و اعمال متفقہ طور پر ہوں وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک درست اور حق ہیں، کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو اس ارشاد کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ ''یہ امت نہایت اعتدال پر ہے'' نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گواہ قرار دے کر دوسرے لوگوں پر اس کی بات کو حجت قرار دیا ہے، اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اس امت کا اجماع حجت ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجماع کا حجت ہونا صرف صحابہؓ یا تابعین کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ہر زمانہ کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت صرف صحابہ و تابعین نہ تھے، بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ کی امت ہیں تو ہر زمانہ کے مسلمان اللہ کے گواہ ہو گئے، جن کا قول حجت ہے، وہ سب کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے [۱]

قرآن حکیم ہی نے اس امت کو ''خیر الامم'' قرار دے کر اس کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اچھے کاموں کا حکم دیتی اور برے کاموں سے منع کرتی ہے، ارشاد ہے:۔

---

[۱] تفصیل کیلئے دیکھئے احکام القرآن للجصاص، ص ۱۰۱ تا ۱۰۴ ارج ا مطبوعہ مصر ۱۳۴۷ھ و تفسیر معارف القرآن، ص ۳۷۲ تا ۳۷۳ ر ج ار

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ...

تم سب سے بہتر ہو جو لوگوں کے (نفع ہدایت پہنچانے کے) لئے ظاہر کئے گئے ہو، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو، اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

پچھلی آیت کی طرح اس آیت میں بھی پوری امت سے بحیثیت مجموعی خطاب ہے اور اس میں تین طریقوں سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اس امت کا اجماع شرعی حجت اور فقہی دلیل ہے۔

اول یہ کہ اس امت کو ظاہر ہے کہ بہترین امت اس لئے کہا گیا ہے کہ اس امت کا مجموعہ دین کی صحیح تعلیمات پر قائم رہے گا، اگر چہ اس کے بہت سے افراد الگ الگ دین میں کمزور بلکہ بہت کمزور ہوں، مگر ہر زمانہ میں اس امت کا مجموعہ مل کر اللہ کے دین کو مکمل طور پر تھامے رہے گا، پورا مجموعہ کبھی گمراہ نہ ہوگا، لہٰذا ان کا اجماع بھی لامحالہ حجت ہوگا، اس لئے کہ اگر ان سب کا اتفاق کسی غلط بات پر تسلیم کیا جائے تو وہ اتفاق گمراہی پر ہوگا، پھر ایک گمراہ امت بہترین امت کیسے ہوسکتی ہے؟[۱]

دوسرے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے متعلق یہ تصدیق فرمادی ہے کہ ''یہ نیک کاموں کا حکم دیتی ہے، معلوم ہوا کہ جس کام کا یہ حکم دے گی وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور نیک کام ہوگا، اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ یہ امت متفقہ طور پر جس کام کا حکم دے گی چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہے، لہٰذا اس کی پابندی سب پر لازم ہوگی۔

---

۱ دیکھئے شیخ ابوبکر جصاص رازیؒ کی مشہور کتاب ''احکام القرآن''، ص ۴۱، ج ۲، طبع مصر، اور تسہیل الوصول ص ۴۷-۳، طبع ملتان۔

تیسرے اس امت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''یہ امت برے کاموں سے منع کرتی ہے'' معلوم ہوا کہ جس کام سے یہ امت متفقہ طور پر منع کر دے تو وہ کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ اور برا ہے اور اس سے اجتناب لازم ہے۔

الحاصل اس امت کا اجماعی فیصلہ خواہ کسی کام کے کرنے کا ہو یا کسی کام سے باز رہنے کا ہر صورت میں وہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ ورنہ اگر ان کے فیصلے کو غلط قرار دیا جائے، یعنی جس کام کا اس نے حکم دیا اسے برا سمجھا جائے اور جس کام سے منع کیا اسے اچھا سمجھا جائے، تو لازم آئے گا کہ یہ امت برائی کا حکم دینے والی اور اچھائی سے منع کرنے والی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ بات اس آیت کے صریح خلاف ہے۔[1]
نیز قرآن کریم کا حکم ہے کہ:۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوْا (اٰل عمران آیت ۱۰۳)
اور اللہ کی رسی (دین) کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑے رہو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

اور ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں کے متفقہ دینی فیصلے (اجماع) کی مخالفت امت میں پھوٹ ہی ڈالنا ہے، جس سے قرآن کریم نے واضح طور پر ممانعت فرمائی ہے۔[2]

رہا یہ سوال کہ فقہ کے بیشمار مسائل میں فقہاء کا آپس میں اختلاف ہوا ہے، لہٰذا وہ بھی اس آیت کی رو سے ناجائز ہونا چاہئے؟ جواب یہ ہے کہ فقہاء کا اختلاف جن

---

[1] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ آمدیؒ کی ''الاحکام فی اصول الاحکام، ص ۱۰۹ تا ص ۱۱۱/ ۱، مطبوعہ مصر۔
[2] حوالہ بالا، ص ۱۱۱/ ۱، تفسیر قرطبی، ص ۱۶۴/ ج ۴/ مطبوعہ

مسائل میں ہوا ہے، ان میں سے کوئی بھی مسئلہ ایسا نہیں ہے، جس کا صریح فیصلہ قطعی طور پر قرآن وسنت سے یا اجماع امت سے ثابت ہو چکا ہو، فقہاء کا اختلاف صرف ان فروعی مسائل میں ہوا ہے، جن میں قرآن وسنت کا کوئی صریح اور قطعی فیصلہ موجود نہیں تھا، یا جن کے متعلق خود احادیث میں اختلاف پایا جاتا تھا، اور ان پر امت کا اجماع بھی منعقد نہیں ہوا تھا، لہٰذا فقہاء کا یہ اختلاف اس آیت کی ممانعت میں داخل نہیں، بلکہ ان کا اختلاف فروعی مسائل میں اجتہادی نوعیت کا ہے، جو صحابہؓ کرام کے زمانہ سے چلا آرہا ہے، خود عہد رسالت ﷺ میں بھی فروعی مسائل صحابہؓ کا اختلاف ہوا ہے، جس کی بہت سی مثالیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں، اور آنحضرت ﷺ نے اس کی کبھی مذمت نہیں فرمائی، بلکہ ایسے اختلاف کو امت کے لئے رحمت قرار دیا ہے، اور جس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہو وہ مسئلہ ظنی یا اجتہادی نہیں رہتا، بلکہ قطعی ہو جاتا ہے اس سے اختلاف کرنا فقہاءِ مجتہدین کو بھی جائز نہیں کیونکہ اس کی مخالفت درحقیقت امت میں پھوٹ ڈالنا ہے، جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰه وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ. (توبہ آیت ١١٩)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

اس آیت میں ہر زمانہ کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے، کہ سچے لوگوں "الصادقین" کے ساتھ رہیں، جس کا مقصد ظاہر ہے کہ اعمال میں ان کی پیروی کی جائے، رہا یہ سوال کہ صادقین سے کیسے لوگ مراد ہیں؟ تو اس کا جواب خود قرآن کریم ہی نے سورۂ بقرہ کی (آیت ١٧٧) لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَکُمْ......تا......اُوْلٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا، وَاُوْلٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ، میں دیا ہے، وہاں صادقین کی صفات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، جن کا حاصل یہ ہیکہ صادقین وہ حضرات ہیں جو

اعتقاد کے بھی سچے ہوں، قول وعمل کے بھی سچے ہوں اور ظاہر وباطن کے بھی سچے ہوں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس[1] آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے، کہ صادقین کا وجود ہر زمانہ میں باقی رہے گا، ورنہ انکے ساتھ رہنے کا حکم ہر زمانہ کے تمام مسلمانوں کو نہ دیا جاتا، کیونکہ اسلام نے کسی کو ایسا حکم نہیں دیا، جس پر عمل کرنا اس کی قدرت سے باہر ہو، تو اس آیت سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ صادقین ہر زمانہ میں موجود رہیں گے تو یہ خود بخود ثابت ہو گیا کہ کسی زمانہ کے سب مسلمان کسی غلط کاری یا گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ کچھ لوگ بلکہ اکثر لوگ بھی کوئی غلط کام یا فیصلہ کرنا چاہیں گے تو اس زمانہ کے صادقین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے، معلوم ہوا کہ امت کا اجماعی فیصلہ کبھی گمراہی اور بے دینی کی بات پر یا حق کے خلاف نہیں ہو سکتا

چند احادیث

آنحضرت ﷺ نے احادیث میں اجماع کی حقانیت کو اور زیادہ صراحت اور تاکید سے بیان فرمایا، اس سلسلہ کی احادیث اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا مجموعہ حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے، فقہاء ومحدثین نے آنحضرت ﷺ کی جن احادیث سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے، ان میں سے صرف چند حدیثیں پیش کی جارہی ہیں:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جسکے متعلق کوئی صریح حکم یا ممانعت (قرآن وسنت میں)

[1] تفسیر کبیر، ص ۵۱۳، ج ۲۔

موجود نہ ہوتو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

شَاوِرُوْافِیْہِ اَلْفُقَہَاءَ وَالْعَابِدِیْنَ وَلاتَمْضَوْا فِیْہِ رَأیَ خَاصَّۃٍ۔۔ (الطبرانی فی الاوسط ورجالہ موثقون من اھل الصحیح کذا فی مجمع الزوائد)[۱]

کہ اس معاملہ میں تم فقہاء اورعابدین سے مشورہ کرواورکسی شخصی رائے کونافذ نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ کسی زمانہ کے فقہاء وعابدین متفقہ طور پر جس چیز کا حکم دیں یاممانعت کریں،اس کی مخالفت جائزنہیں، کیونکہ ان کا متفقہ فیصلہ غلط نہیں ہوسکتا۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا[۲] ہے کہ:۔

لَاتَـزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلی الْحَقِّ ظَاھِرِیْنَ اِلیٰ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔۔

میری امت میں ایک جماعت (قرب) قیامت تک حق کیلئے سربلندی کیساتھ برسرِ پیکاررہیگی

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ مزید آٹھ صحابہ کرامؓ نے بھی تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ (جس سے معنیٰ نہیں بدلتے) روایت کیاہے، ان حضرات کی روایتیں صحیح اورقوی سندوں کے ساتھ مستند کتب حدیث میں مذکور ہیں۔

---

۱ مجمع الزوائد باب فی الاجماع،ص ۱۷۸ج اول،طبع بیروت۔
۲ مسلم شریف، کتاب الایمان ''باب نزولِ عیسی ابن مریم علیہ السلام'' ص ۸۷ج اول،طبع کراچی۔

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد خطبہ دیتے ہوئے مجمع عام میں سنایا کہ:۔

لَنْ یَزَالَ اَمْرُ هٰذِهِ الاُمَّةِ مُسْتَقِیْماً حَتّٰی تَقُوْمُ السَّاعَةُ.. 　　اس امت کی حالت قیامت تک سیدھی اور درست رہے گی۔

معلوم ہوا کہ پوری امت کا مجموعہ کبھی کسی غلط بات پر متفق نہیں ہوسکتا۔
آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد اجماع کے حجت ہونے پر سب سے زیادہ صریح ہے کہ:

اِنَّ اللّٰه لایَجْمَعُ اُمَّتِی اَوْقَالَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلالَةٍ وَیَدُاللّٰهِ عَلیٰ الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ شُذَّ عَلی النَّارِ.. 　　اللہ میری امت کو کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت (مسلمین) پر ہے اور جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائیگا۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد آٹھ صحابہ کرامؓ نے تھوڑے تھوڑے لفظی فرق کے ساتھ نقل کیا ہے، کسی نے تفصیل سے کام لیا ہے، کسی نے اختصار سے، مگر اتنا جملہ سب صحابہ کرامؓ نے نقل فرمایا ہے کہ امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ گمراہی پر متفق نہیں کریگا۔
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حاضرین کے سامنے خطبہ دیا، اور فرمایا کہ آج تمہارے سامنے اس طرح خطبہ دینے کے لئے کھڑا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے، اور آپ ﷺ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ[۱]:۔

[۱] جامع الترمذی، ص ۴۸/۴۹، ج ۲، مطبوعہ قرآن محل کراچی، ومستدرک حاکم، ص ۱۱۴، ج ۱۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو ''حسن صحیح غریب من ہذا الوجہ'' کہا ہے، اور حاکم اور حافظ ذہبی دونوں نے اسے صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔

اُوْصِیْکُمْ بِاَصْحَابِی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ، ثُمَّ یَفْشُوْ الْکَذِبَ حَتّٰی یَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا یَسْتَحْلِفُ وَیَشْهَدُ وَلَا یَسْتَشْهَدُ. فَمَنْ اَرَادَهٗ مِنْکُمْ بَحْبُوْحَةَ الْجَنَّةِ فَلْیَلْزِمُ الْجَمَاعَةَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الاثْنَیْنِ اَبْعَدُ، (رواهُ الترمذی فِیْ الْجَامع وَالْحَاکِمُ فِی الْمُستدرک وَاللفظ لهٗ قَالَ الْحَاکِمُ هَذا حَدیثٌ صَحِیحٌ عَلیٰ شَرط الشَّیْخین وَلَمْ یخرجَاه وافترهُ الذَّهبِیُ).

''میں تم کو اپنے صحابہؓ (کی پیروی) کی وصیت کرتا ہوں، پھران لوگوں (کی پیروی) کی جوان کے بعد ہوں گے (یعنی تابعین) پھران لوگوں (کی پیروی) کی جوان (تابعین کے بعد ہونگے (یعنی تبع تابعین) پھرجھوٹ، پھیل جائے گا، حتی کہ آدمی قسم کھائے گا، حالانکہ اس سے کسی نے قسم کا مطالبہ نہ کیا ہوگا، اور گواہی دے گا حالانکہ اس سے کسی نے گواہی طلب نہ کی ہوگی، پس تم میں سے جوشخص جنت کے بیچوں بیچ رہنا چاہتا ہے وہ ''الجماعۃ'' (مخصوص جماعت کولازم پکڑلے، (یعنی اپنے اعتقادا ور افعال میں اس جماعت کا اتباع کرے) کیونکہ شیطان ایک کیساتھ ہوتا ہے، اور دو سے زیادہ دور رہتا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تبع تابعین کے بعد دنیا میں جھوٹ پھیل جانے کی خبر دی ہے، مگر ساتھ ہی ''الجماعۃ'' (مخصوص جماعت'' کے ساتھ رہنے اور اس کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دینی اعتبار سے بگڑے ہوئے زمانے میں بھی امت میں ایک خاص ''جماعت'' ایسی موجود رہے گی، جوحق پر ہوگی اور اس کا اتباع واجب ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیان[۱] ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔

[۱] جامع ترمذی، ابواب الایمان، باب افتراق هذه الامة، ص۱۰۴ ج ثانی، امام ترمذیؒ نے یہ حدیث قوی سند سے روایت کی ہے، اوراسے ''حسن'' قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ هذا حدیث حسن غریب، مفسر لانعرفه مثل هذا الامن هذا الوجه''

اِنَّ بَنِی اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثنتینِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃَ، وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِی عَلٰی ثَلاثٍ وَسَبْعِیْنَ مِلّۃَ کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلّامِلَّۃً وَاحِدَۃً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَارَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ مَااَنَاعَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ..

''بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے'' اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ یہ سب آگ میں جائینگے، سوائے ایک فرقہ کے، صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ وہ کونسا فرقہ ہے؟ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

حجت اجماع پر چند آثارِ صحابہؓ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ:۔

مَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَناً فَھُوَعِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ وَمَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ قَبِیْحاً فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ قَبِیْحٌ....

جس چیز کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے اور جس چیز کو تمام مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بری ہے۔

امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشہور قاضی ''شریح'' کو عدالتی فیصلوں کے لئے جو بنیادی اصول لکھ کر بھیجے، ان میں تیسرا اصول یہی تھا کہ جس مسئلہ کا حکم قرآن وسنت میں (صریح طور پر) نہ ملے، اس میں امت کے اجماعی فیصلہ پر عمل کریں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ سرکاری فرمان امام شعبیؒ نے ان الفاظ میں نقل کیا[۱] ہے کہ:۔

[۱] دیکھئے خطیب بغدادی کی مشہور تصنیف ''کتاب الفقہ والمتفقہ، ص ۱۶۶ جز و خامس۔

كَتَبَ عُمَرُاِلیٰ شُرَيْح اَنْ اَقْض بِمَا فِی كِتَابِ اللّٰه فَاِنْ اَتَاکَ اَمْرٌ لَيْسَ فِی كِتَابِ اللّٰه فَاقْضِ بِمَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ فَاِنْ اَتَاکَ اَمْرٌ لَيْسَ فِی كِتَابِ اللّٰه وَلَمْ يَسُنُّهُ رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ فَانْظُرْ لَهُ الَّذِیْ اِجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَاِنْ جَائَکَ اَمْرٌ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيْهِ اَحَدٌ فَاَیُّ الْاَمْرَيْنِ شِئْتَ فَخُذْ بِهٖ اِنْ شِئْتَ فَتَقَدَّم وَاِنْ شِئْتَ فَتَأَخَّرْ وَلَااَرٰی التَّأَخُرَ اِلَّا خَيْراً لَکَ...

حضرت عمرؓ نے شریح کولکھ کر بھیجا کہ تم فیصلے قرآن حکیم کے مطابق کرو، اور اگر تمہارے پاس کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا (صریح) حکم قرآن شریف میں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آئے جس کا حکم (صریح طور پر) نہ قرآن میں ہو نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں، تو تم اس کے لئے وہ فیصلہ تلاش کرو جس پر سب لوگ متفق ہو چکے ہوں، اور اگر کوئی ایسا مقدمہ آجائے جس کے متعلق کسی کا فیصلہ موجود نہ ہو (نہ قرآن میں نہ سنت میں نہ اجماع میں)۔

تو اب دوصورتوں میں سے جس کو چاہو اختیار کرلو، یعنی چاہو تو آگے بڑھ کر (اپنے اجتہاد سے فیصلہ کردو) اور چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ، (یعنی اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کے بجائے اہل علم سے پوچھ کر عمل کرو) اور میں تمہارے لئے ایسے موقع پر پیچھے ہٹ جانا بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد[1] ہے کہ:۔

اِتَّقُوْااللّٰه وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنْ اللّٰه لَمْ يَكُنْ لِيَجْمَع اُمَّةَ مُحَمَّد ﷺ عَلٰی ضَلَالَةٍ..

اللہ سے ڈرو اور ''الجماعت'' کے ساتھ ساتھ رہو، کیونکہ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو کبھی بھی کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔

[1] کتاب الفقہ والمتفقہ ص ۱۶۷، جزو خامس۔

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

اجماع کا فائدہ اور سند اجماع

یہاں ایک یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اجماع کے حجت ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اجماع کرنے والوں کو شرعی احکام میں نعوذ باللہ خدائی اختیارات مل گئے ہیں، کہ وہ قرآن وسنت سے آزاد ہو کر جس چیز کو چاہیں، حرام اور جس کو چاہیں حلال کر دیں خوب سمجھ لینا چاہئے کہ فقہ کا کوئی مسئلہ قرآن یا سنت کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا، اجماع کا بھی یہ فیصلہ قرآن وسنت کا محتاج ہے، چنانچہ فقہ کے جن مسائل پر بھی اجماع منعقد ہوتا ہے، وہ مسئلہ یا تو قرآن حکیم کی کسی آیت سے ماخوذ ہوتا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے، یا ایسے قیاس سے جس کی اصل قرآن یا سنت میں موجود ہو، غرض ہر اجماعی فیصلہ کسی نہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہوتا ہے، جسکو "سند اجماع" کہا جاتا ہے۔

رہا یہ سوال کہ جب ہر اجماعی فیصلہ قرآن یا سنت یا قیاس پر مبنی ہوتا ہے تو اجماع سے کیا فائدہ ہوا؟ اور اسے فقہ کے دلائل میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اجماع کے دو فائدے ہیں، ایک یہ کہ قرآن یا سنت یا قیاس سے ثابت ہونے والا حکم اگر "ظنی"[۱] ہو تو اجماع اسے قطعی بنا دیتا ہے، جس کے بعد کسی فقیہ مجتہد کو بھی

[۱] جو حکم دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ ظنی ہوتا ہے، اور جو دلیل قطعی سے ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے، دلیل ظنی اور دلیل قطعی کا کچھ بیان پیچھے کی بحث میں ہو چکا ہے، یہاں اتنی بات اور سمجھ لی جائے کہ قرآن حکیم کی جن آیات کا مطلب معین طور پر خوب واضح اور یقینی نہ ہو بلکہ اس میں ایک سے زیادہ مطالب کا احتمال ہو تو وہ آیت معنی کے اعتبار سے ظنی ہوتی ہے، (اگرچہ لفظوں کے اعتبار سے ہر آیت قطعی ہے، بلکہ قرآن کریم کا ہر لفظ قطعی طور پر ثابت ہے، لیکن بعض کے معنی بھی قطعی ہوتے ہیں، اور بعض کے ظنی) اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ہوتا ہے، نیز قیاس بھی دلیل ظنی ہے، اور اس سے ثابت ہونے والا حکم بھی ظنی ہے۔

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

اس سے اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی، اور اگر وہ حکم پہلے ہی قطعی تھا تو اجماع اس کی قطعیت میں مزید قوت اور تاکید پیدا کر دیتا ہے، اور دوسرا فائدہ اجماع کا یہ ہے کہ وہ جس دلیل شرعی پر مبنی ہو بعد کے لوگوں کو اس دلیل کو پرکھنے اور اس میں غور و فکر کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اور ان کو اس مسئلہ پر اعتماد کرنے کے لئے بس اتنی دلیل کافی ہوتی ہیکہ فلاں زمانہ کے تمام فقہاء کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

اجماع کی قسمیں

بنیادی طور پر اجماع کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) اجماع قولی

(۲) اجماع عملی

(۳) اجماع سکوتی

ان تینوں کی کچھ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اجماع قولی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات زبانی طور پر کسی دینی مسئلہ پر اپنا اتفاق ظاہر کریں، جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابہ کرامؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور زبان سے اس کا اقرار کیا۔

(۲) اجماعِ عملی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والے تمام حضرات کسی زمانہ میں کوئی عمل کریں، جب کوئی عمل تمام اہل اجماع (جائز یا مستحب) یا مسنون سمجھ کر)

کرنے لگیں تو اس عمل کو بالا جماع جائز سمجھا جائے گا، اجماع کی اس قسم سے اس فعل کا صرف مباح یا مستحب یا مسنون ہونا ثابت ہوگا، واجب ہونا اس قسم سے ثابت نہیں ہوسکتا، اِلّا یہ کہ وہاں کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہو۔ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جو سنت مؤکدہ ہیں، ان کا سنت مؤکدہ ہونا صحابۂ کرامؓ کے اجماعِ عملی سے ثابت ہوا ہے۔

(۳) اجماع سکوتی یہ ہے کہ اجماع کی اہلیت رکھنے والوں میں سے کچھ حضرات کوئی متفقہ فیصلہ زبانی یا عملی طور پر کریں، جس کی اس زمانہ میں خوب شہرت ہوجائے، یہاں تک کہ باقی سب مجتہدین کو بھی اس فیصلہ کی خبر ہوجائے، مگر وہ غور وفکر اور اظہار رائے کا موقع ملنے کے باوجود سکوت اختیار کریں، اور ان میں سے کوئی بھی اس فیصلہ سے اختلاف نہ کرے۔

اجماع کی ان تینوں قسموں میں سے پہلی دونوں قسمیں تو سب فقہاء کے نزدیک حجت ہیں، البتہ تیسری قسم یعنی ''اجماع سکوتی'' کے حجت ہونے میں فقہاء کا اختلاف[۱] ہے، امام احمد اکثر حنفیہ اور بعض شوافع کے نزدیک یہ حجت قطعیہ ہے، اور امام شافعیؒ اکثر شوافع اور اکثر مالکیہ کے نزدیک حجت نہیں، اور بعض فقہاء نے اُسے ''حجت ظنّیہ'' قرار دیا ہے[۲]۔

یہ اجماع کی قسموں کا اجمالی بیان ہے، تفصیل کے لئے اصولِ فقہ کی کتابوں کی مراجعت فرمائی جائے۔

[۱] یہاں تک ان تین قسموں کا بیان تسہیل الوصول، ص ۱۶۸، ص ۱۷۳ سے ماخوذ ہے۔

[۲] التقریر، ص ۱۰۱، ۱۰۲ ج ۳۔

اجماع کے مراتب

اجماع کرنے والوں کے اعتبار سے اجماع کے حسبِ ذیل تین درجات ہیں۔

(۱) سب سے قوی درجہ کا اجماع وہ ہے جو تمام صحابۂ کرامؓ نے عملی یا زبانی طور پر صراحۃً کیا ہو، اس لئے کہ اس کے حجت قطعیہ ہونے پر پوری امت کا اتفاق ہے[۱]۔

(۲) دوسرا درجہ صحابہ کرامؓ کے ''اجماع سکوتی'' کا ہے، یہ بھی اگرچہ حنفیہ سمیت بہت سے فقہاء کے نزدیک حجت قطعیہ ہے، مگر اسکا منکر کافر نہیں، کیونکہ اسکے حجت ہونے میں امام شافعیؒ اور بعض دیگر فقہاء کا اختلاف ہے، جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا

(۳) تیسرے درجہ پر وہ اجماع ہے جو صحابہ کرامؓ کے بعد کسی زمانہ کے تمام فقہاء نے کیا ہو، یہ بھی جمہور کے نزدیک حجت تو ہے، مگر حجت قطعیہ نہیں، کیونکہ جو حضرات غیر صحابہ کے اجماع کو حجت نہیں مانتے ہیں، ان کے اختلاف کی وجہ سے اس اجماع میں قطعیت باقی نہیں رہی، یہ درجہ میں ''سنت مشہورہ'' کے مانند ہے، اس کا منکر بھی کافر نہیں۔

---

[۱] جو حضرات صرف اہل مدینہ یا صرف اہل بیت کے اتفاق کو اجماع کے لئے کافی سمجھتے ہیں تمام صحابہؓ کا اجماع ان کے نزدیک بھی حجتِ قطعیہ ہے، کیونکہ صحابہ میں اس زمانے کے اہل مدینہ اور اہل بیت بھی داخل ہیں۔ (تسہیل الوصول، ص۱۷۳)

ملت اسلامیہ کے پہلے مفتی

مفتیوں کا تعلق اسی دوسرے طبقے سے ہے، اور اس امت کے سب سے پہلے مفتی اعظم خود رسول الثقلین ﷺ کی ذات بابرکت ہے، اور یہ دولت آپ ﷺ تک رب العزت کی طرف سے پہنچی، قرآن پاک میں افتاء کا لفظ خود رب العالمین کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، ارشاد ربانی ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِى النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَايُتْلىٰ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتَابِ. (سورة النساء –۱۹)

اورلوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں، اور وہ آیات بھی جو قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

کلالہ کے سلسلہ میں آیت نازل ہوئی:۔

يَسْتَفْتُونَكَ ،قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِى الْكَلالَةِ. .(سورة النساء– ۲۴)

لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے باب میں حکم دیتے ہیں۔

آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں، کہ ان آیتوں میں ''افتاء'' کی نسبت خود رب العزت جل مجدہٗ کیطرف کی گئی ہے، جس سے اس منصب کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے اور یقیناً یہ نسبت اس شعبہ کی اہمیت وفضیلت کی سب سے بڑی، سند ہے، یہیں

سے یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ جو عالم دین اس عظیم الشان منصب پر فائز ہوتا ہے ان کی ذمہ داری کس درجہ اہم ہے، اور اُسے کس بلندی کا حامل ہونا چاہئے۔

یہ بتایا جاچکا ہے کہ اس منصب عظیم پر سب سے پہلے اس امت میں رسول اکرم ﷺ فائز ہوئے، اللہ نے آپ ﷺ کو نبوت کی ذمہ داری کی وجہ سے عصمت کی بیش بہا دولت سے نوازا تھا، تاکہ دین کے سلسلہ میں آپ جو حکم فرمائیں، وہ انسانی غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ ہو، چنانچہ صحابہ کرامؓ دوسرے لوگ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے اور اپنے پیش آمدہ مسائل کے سلسلہ میں حکم دریافت کرتے، اور آپ ان تمام کو جوابات سے شاد فرماتے، ان جوابات وسوالات کا بڑا ذخیرہ آج بھی کتب حدیث میں محفوظ ہے، بہت سے علماء کرام نے اس حصہ کو علیحدہ بھی جمع کرنے کی سعی کی ہے۔

آنحضرت ﷺ سے سوالات اور جوابات کیلئے حضرت جبریل علیہ السلام کی حاضری

کتب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ایسے سوالات بھی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوئے جن کا جواب آپ ﷺ کو معلوم نہیں تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے توقف فرمایا، پھر فوراً جبریل امینؑ حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ نے انکے سامنے سوال پیش کر کے جواب طلب کیا، مگر روح الامین بھی بول اٹھے کہ اس سوال کے جواب میں میرا حال آپ جیسا ہی ہے، اور پھر کہنے لگے آپ انتظار فرمائیں۔

میں ابھی رب ذوالجلال کی بارگاہ سے جواب لے کر حاضر ہوتا ہوں۔

چنانچہ حضرت ابوامامہؓ صحابی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی عالم خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، اور اس نے آپ ﷺ سے پوچھا ''ای البقاع خیر؟'' کونسا خطۂ ارض بہتر ہے؟ یہ سن کر آنحضرت ﷺ خاموش ہوگئے، اور فرمایا کہ میری یہ خاموشی اس وقت تک ہے، جب تک روح الامین تشریف نہ لے آئیں، اتنے میں فوراً حضرت جبرئیلؑ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا، اور دریافت کیا اسکا جواب کیا دیا جائے؟ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے سوال کے جواب میں عرض کیا:۔

مَاالْمَسْئُول عَنْهَا بأعْلمَ مِنَ السَّائل وَلٰكِنْ اَسْئَالُ رَبِّىْ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ.. (مشکوۃ باب المساجد،ص ۷۱)

جس سے پوچھا جارہا ہے وہ اس مسئلہ میں پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا لیکن میں پروردگار عالم بزرگ و برتر سے پوچھتا ہوں۔

یہ کہہ کر حضرت جبریل امین علیہ السلام روانہ ہوگئے، پھر تھوڑی دیر بعد تشریف لے آئے، اور کہنے لگے آج میں رب العزت سے اس قدر قریب ہوا جتنا کبھی نہیں ہوا تھا، آپ نے پوچھا اس کی نوعیت کیا تھی؟ کہا میرے اور میرے رب کے درمیان صرف ستر ہزار نوری پردے پڑے ہوئے تھے، پھر جو سوال کیا گیا تھا، اس کے متعلق اللہ تعالی کا جواب نقل کیا کہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔

شَــرُّ الْبِقَــاعِ اَسْوَاقُهَا،وَخَيْـرَ الْبِقَـاعُ مَسَاجِدُهَا . رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه فِى صَحِيْحَه عَنْ ابنِ عُمَرؓ (ایضاً)[1]

زمین کا بدترین حصہ اسکے بازار ہیں اور بہترین حصہ اس کی مسجدیں۔

---

[1] یہ حدیث مشکوۃ شریف ص۲۳۳: ۷۴۱، پر ہے لیکن رواہ کے بعد بیاض ہے۔ (ابن ماجہ فی صحیحہ عن ابن عمر'' نہیں ہے۔ اور ابن ماجہ میں بھی یہ روایت نہیں ملی۔ زین العابدین

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر سوال کا جواب آنحضرت ﷺ کو معلوم نہیں ہوتا تھا، لیکن جواب بحیثیت رسول آپ کے ذمہ ضروری تھا، لہٰذا آپ ﷺ حضرت جبرئیلؑ کے ذریعہ جواب معلوم کرتے اور پھر مسائل کو جواب مرحمت فرماتے۔

عجلت پسندی سے اجتناب اور بڑے کی طرف رجوع

ملا علی قاریؒ (م ۱۰۱۴ھ) نے اس حدیث کے ضمن میں طیبیؒ (م ۷۴۳ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔

ان من استفتی عن مسئلة لایعلمها فعلیه ان لایعجل فی الافتاء ولا یستنکف عن الاستفتاء عمن هو اعلم ولا یبادر الی الاجتهاد مالم یضطر الیه فان ذالک من سنة رسول اللّٰه ﷺ وسنة جبریلؑ (مرقاۃ المفاتیح)

جس مفتی سے کوئی ایسا مسئلہ دریافت کیا جائے جس کا جواب وہ جانتا نہیں ہے، تو اسکا فرض ہے کہ نہ وہ فتویٰ دینے میں عجلت کرے اور نہ اپنے سے بڑے عالم سے پوچھنے میں شرمائے، اور جب تک بالکل اضطرار کی سی کیفیت پیش نہ آجائے اجتہاد کی ہمت نہ کرے کیونکہ آنحضرت ﷺ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا۔

گویا مفتی کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ اولاً نص کی تلاش کرے اور اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہونے دے، اگر اسے کوئی نص نہ مل سکے تو کسی بڑے عالم یا مفتی سے دریافت کرے، پوچھنے میں ننگ و عار سے کام نہ لے، اور جب تک قابل اطمینان جواب مل نہ جائے، بغیر علم، غلط صحیح جو جی میں آئے جواب

دینے کی کوشش نہ کرے، اور یہ کہ مسائل میں اجتہاد اس وقت کیا جائے، جب صراحتاً کوئی آیت یا حدیث یا قول صحابہؓ نہ مل سکے۔

آنحضرت ﷺ کے فتاویٰ کی حیثیت

کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کے فتاویٰ کی حیثیت بہت اونچی ہے کیونکہ آپ کی ذات اقدس ارفع و اعلیٰ ہے، آپ خاتم النبیین اور عصمت کی دولت سے نوازے ہوئے تھے، یہ ایک اصولی بات ہے کہ جواب کی جامعیت و کاملیت اور اس کے الفاظ کا جچا تلا ہونا، جواب دینے والے کی علمی لیاقت اور اس کے شایان شان ہوتا ہے، اور یہ کون نہیں جانتا کہ آنحضرت ﷺ کے جوابات کی حیثیت ''جوامع الکلم اور فصل خطاب'' کی ہے، جس سے سرتابی کا خیال بھی ایک مسلمان کیلئے گناہ عظیم ہے ارشاد ربانی ہے۔

فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذَالِكَ خَيْرٌ وَاَحْسَنُ تَاوِيْلا. (سورة النساء -۸)

پھر اگر تم کسی امر میں اختلاف کرنے لگو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف حوالہ کیا کرو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ طریقہ سب سے بہتر ہے، اور اس کا انجام خوش تر ہے۔

منصب افتاء پر صحابہ کرامؓ

آنحضرت ﷺ کے بعد اس عظیم الشان منصب پر آپ کے وہ جلیل القدر صاحب بصیرت صحابہ کرامؓ فائز ہوئے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:۔

رَضِیَ اللّٰہ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ. (سورۃ – ۱۳)

اللہ تعالیٰ ان سے راضی وخوش ہوئے اور یہ اللہ تعالیٰ سے خوش اور راضی ہیں۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔

اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ. (مشکوٰۃ باب مناقب الصحابہؓ)

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جن کی تم اقتدا کروگے ہدایت یاب ہوگے۔

اور جنہیں کتاب وسنت کا فہم خصوصی حاصل تھا، اور جنکے بارے میں امت کا فیصلہ ہے

الین الامۃ قلوبا، واعمقھا علما واقلھا تکلفا، واحسنھا بیانا، واصدقھا ایمانا واثرھا نصیحۃ واقربھا الی اللّٰہ وسیلۃ. (اعلام الموقعین، ۵/ج۱)

(صحابہ کرامؓ) امت میں سب سے زیادہ نرم دل سب سے زیادہ گہرے علم والے، سب سے کم تکلف کرنے والے اور حسن بیان میں سب سے بڑھ کر ہیں، اسی طرح ایمان میں سب سے زیادہ سچے، خیر خواہی میں سب سے آگے، اور باعتبار وسیلہ سے قریب تر ہیں۔

صحابہ کرامؓ میں فقہائے حدیث

صحابۂ کرامؓ میں فقہائے حدیث بڑی تعداد میں تھے، لیکن بطور نمونہ ہم یہاں دس۱۰
بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہیں، فقہ کی ریاست ان پر تمام تھی، یہی قمر رسالت کا علمی ہالہ
اور علم رسالت کا علمی اُجالا تھے، حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) حضرت ابی بن کعبؓ
(م ۱۹ھ) فقیہ عراق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) فقیہ شام حضرت ابوالدرداءؓ
(م ۳۲ھ) فقیہ عراق حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ)
حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (۵۲ھ) فقیہ مکہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ
(م ۶۸ھ) فقیہ مدینہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ
اور حضرت جابر بن عبداللہ الانصاریؓ (م ۷۸ھ)

نوٹ:۔ پیشتر اس کے کہ ہم ان فقہائے حدیث کا علیحدہ علیحدہ ذکر کریں، ناانصافی ہوگی،
اگر اس شخصیت کریمہ کا ذکر نہ کیا جائے جن کی طرف کل فقہائے صحابہؓ اپنی مشکلات
میں رجوع کرتے تھے، اور انہیں بلا تامل فقہائے صحابہؓ کا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا،
ہماری مراد یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو اہلیت رسالت
میں اس نوعمری میں لائی گئیں کہ معارف رسالت کو اس عمر میں پوری طرح حفظ
کرنیکی ان سے بجا طور پر امید کی جاسکے، اس عمر میں آپ رضی اللہ عنہا نے علم رسالت
کو اپنے پاس اس طرح محفوظ کرلیا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد دنیائے اسلام نصف
صدی تک ان کے علوم سے منور ہوتی رہی، ہم نے دوسرے فقہائے صحابہؓ کی فہرست

میں ان کا ذکر نہیں کیا کہ ماں ہر جہت سے بچوں میں ممتاز رہے، اور یہ مرکز علم اپنے تمام اطراف میں برابر کا ضیا بار رہے۔

حافظ شمس الدین ذہبیؒ (م ٧٤٨ھ) حفاظِ حدیث کے تذکرہ میں حضرت ام المؤمنینؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ام عبداللّٰہ حبیبة رسول اللّٰہ ﷺ بنت خلیفة رسول اللّٰہ ﷺ ابی بکر الصدیقؓ من اکبر فقھاء الصحابة و کان فقھاء اصحاب رسول اللّٰہ ﷺ یرجعون الیھا. (تذکرة الحفاظ، ج ٢٦)

ام عبداللہ حضور پاک ﷺ کی حبیبہ، رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی بیٹی بڑے فقہائے صحابہؓ میں سے تھیں، فقہائے صحابہؓ (اپنے مسائل میں) ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

اب ہم فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مندرجہ بالا ترتیب سے ذکر کریں گے، یہ ترتیب ان کے مراتب کی نہیں، سنین وفات سے لی گئی ہے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ ابوعبدالرحمٰن الانصاری

(م ١٨ھ)

(١) آپؓ ان ستر صحابہؓ میں سے ہیں جو بیعت عقبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں، کہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہؓ کا ذکر کرتے ہوئے، ارشاد فرمایا:۔

اعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبلؓ (مشکوة ص ٥٢٦ رواہ احمد والترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح..

ان میں حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبلؓ ہیں۔

آپؓ کی فقہی شان کی ایک یہ بھی شہادت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آپ کو یمن کا قاضی بناکر بھیجا اور انہیں مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کرنے کی اجازت دی، آپ ﷺ کی نظر میں حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مجتہد کی پوری اہلیت رکھتے تھے، اور بجا طور پر ایک حاذق مجتہد تھے، حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں آپؓ کو رسول، رسول اللہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:۔

الحمد للّٰہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ لمایرضیٰ بہ رسول اللّٰہ.. (مشکوٰۃ ص ۳۲۴ رواہ الترمذی وابوداؤد، والدارمی..	سب تعریف اس خدا کی جس نے اپنے رسول کے رسول کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول ﷺ راضی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جابیہ میں جو تاریخی خطبہ دیا تھا، اس میں فرمایا تھا کہ:۔

من اراد ان یسأل عن الفقه فلیأت معاذًا ومن اراد ان یسأل عن المال فلیأتنی فان اللّٰہ جعلنی له خازنا وقاسماً. (تذکرۃ الحفاظ، ص۲۰ ج۱)	جو شخص فقہ کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے، وہ معاذؓ کے پاس آئے، اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے، وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا خازن اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہؓ میں علم فقہ کی کیا عظمت تھی، اور مجتہد صحابہؓ کی اجتہادی شان کے کیا چرچے ہوتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ حضرت معاذؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

كان من نجباء الصحابة وفقهائهم آپ بلند شانِ صحابہؓ اور انکے فقہاء میں سے تھے

(ایضًا— ص ۱۸)

حضرت ابی بن کعبؓ ابوالمنذر الانصاری

(م ۱۹ھ)

(۲) حضرت ابوبکر الصدیقؓ سید المہاجرین ہیں، تو حضرت ابی بن کعب سید الانصار تھے، آپ سے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے روایات لی ہیں، اور حضرت ابوایوب انصاریؓ عبداللہ بن عباس، سوید بن غفلۃ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے اکابر نے آپ سے کتاب وسنت کی تعلیم پائی، حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

حملوا عنه الكتاب والسنة آپ سے ان صحابہؓ نے کتاب وسنت کا علم حاصل کیا ہے
(تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۶)

آپؓ کی شخصیت اتنی اونچی تھی کہ حضرت عمر بھی بعض دفعہ علمی مسائل میں آپ کی طرف رجوع فرماتے، آپؓ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

اقرأهم ابی بن کعبؓ صحابہؓ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ابی بن کعبؓ ہیں
(مشکوٰۃ، ص۵۵۰ رواہ احمد والترمذی)

حضرت مسروقؒ تابعی (م ۶۲ھ) نے جن چھ بزرگوں کو مرکز فتویٰ تسلیم کیا ہے، ان میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۰)

حافظ ذہبیؒ آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

اقرء الصحابة وسيد القراء شهدبدرًا وجمع بين العلم والعمل. (ایضاً، ص۱۰)

صحابہؓ میں سب سے بڑے قاری، قاریوں کے سردار، جنگ بدر میں شامل ہونے والے اور علم وعمل کے جامع تھے۔

آنحضرت ﷺ نے رمضان شریف میں صرف تین راتیں تراویح کی نماز پڑھائی اور چھ تراویح کے لئے مسجد میں تشریف نہ لائے، کہ آپ ﷺ کی مواظبت سے یہ نماز امت پرواجب نہ ٹھہرے، حضور ﷺ کی عدم موجودگی میں صحابہؓ مسجد میں تراویح کی نماز علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں ادا کرتے رہے، ایک رات حضور ﷺ اتفاقاً وہاں آ نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابی بن کعبؓ مسجد کی ایک طرف تراویح پڑھا رہے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا اور جواب ملنے پر ان کے عمل کی تصویب فرمائی، ارشاد فرمایا:۔

اصابوا ونعم ماصنعوا. انہوں نے درست کیا اور اچھا ہے جو انہوں نے کیا۔

(سنن ابی داؤد، ج۱، ص۱۲۸)

اس سے پتہ چلا کہ تراویح کی نماز ان دنوں بھی جماعت سے جاری تھی، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات جب حضور ﷺ کے علم میں آئی تو آپ ﷺ نے اُسے صحیح عمل قرار دیا، اس سے منع نہیں کیا۔

حضور ﷺ کے مسجد میں تراویح نہ پڑھانے کو نسخ تراویح نہ سمجھنا اور امت میں اس عمل کو پورا مہینہ باقی رکھنا یہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کا ہی اجتہاد تھا، جس نے آنحضرت ﷺ سے شرفِ تائید پایا، اور امت میں یہ عمل آج تک جاری ہے، حضرت عمرؓ نے جن صحابہؓ کو تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا، وہ صرف حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ ہی تھے، خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں۔

احد الفقهاء الذين كانوا يفتون على عهد رسول الله (الاکمال ص۵۹۰) آپؓ ان فقہاء صحابہؓ میں سے تھے جو آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بھی فتوے دیتے تھے۔

حضور ﷺ نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر قرآن پڑھوں، حضرت ابی ابن کعبؓ نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا ہاں حضرت ابی بن کعبؓ پر رقت طاری ہوئی، اور رونے لگے جس دن آپ کی وفات ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

اليوم مات سيد المسلمين آج مسلمانوں کے سردار چل بسے۔
(تذکرہ جلد ۱، ص ۱۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

(م ۳۲ھ)

(۳) خلفائے راشدینؓ کے بعد افضل ترین صحابی سمجھے جاتے ہیں، سابقین اولین اور کبار بدریین میں سے ہیں، جنگ بدر میں ابوجہل آپؓ کی تلوار سے ہی واصل جہنم ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کی چھاؤنی قائم کی اور وہاں بڑے بڑے رؤسائے عرب آباد کئے، تو ان کی دینی تعلیم کیلئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں مبعوث فرمایا، اور انھیں لکھا اے اہل کوفہ میں نے تمہیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے، کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے، ورنہ میں انہیں اپنے لئے رکھتا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ بھی اپنے آپ کو عبداللہ بن مسعودؓ کے علم سے مستغنی نہ سمجھتے تھے، حضرت عمار بن یاسرؓ جب کوفہ کے امیر بنائے

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

گئے، تو حضرت عمرؓ نے کوفہ والوں کو لکھا:۔

قدبعثت الیکم عمار بن یاسر امیراً وعبد اللّٰہ بن مسعودؓ معلماً ووزیراً وھما من النجباء من اصحاب محمد اھل بدرٍ فاقتدوا بھما واسمعوا وقد اثر تکم بعبداللّٰہ علی نفسی. (تذکرہ جلد، ص ۱۴)

میں نے تمہاری طرف عمار بن یاسرؓ کو امیر اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے، اور دونوں حضور ﷺ کے اعلیٰ درجہ کے صحابہؓ میں سے ہیں، اور اہل بدر میں سے ہیں تم ان دونوں کی پیروی کرنا اور بات ماننا، اور عبداللہ بن مسعودؓ کو بھیج کر میں نے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں بھی مجتہد صحابہؓ کی پیروی جاری تھی، جو صحابہؓ اس اجتہادی شان پر نہ سمجھے جاتے تھے، انہیں ان مجتہدین صحابہؓ کی پیروی کا حکم تھا، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی علمی شہرت تو اس قدر اونچی تھی کہ آپ ﷺ کے شاگرد کسی صحابی کو بھی علم میں ان سے آگے نہ سمجھتے تھے، بلکہ بڑے بڑے صحابہؓ مشکلات مسائل میں آپؓ کے تلامذہ کی طرف رجوع کرتے تھے، آپ حدیث کم روایت کرتے تھے، حضور ﷺ کی طرف الفاظ کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے، امام ابوحنیفہؒ کوفہ میں آپؓ کی ہی مسندِ علمی کے وارث ہوئے، اور آپؒ نے آپ کی مسند کو اپنے فیض علم سے اور شہرت بخشی، امام ابوحنیفہ کے مشہور فقہی مختارات مثلاً نماز میں رکوع کرتے وقت رفع یدین نہ کرنا، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنا، نماز میں آمین آہستہ آواز سے کہنا وغیرہ یہ سب سنن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہی مختارات ہیں، اور حق یہ ہے کہ آپؓ کی ہی ذات کریمہ تحقیق کی دنیا میں حنفی مذہب کی اصل قرار پائی ہے، آپؓ کے صاحبزادے عبدالرحمٰنؒ کے پاس ایک کتاب دیکھی گئی جس کے بارہ میں وہ قسم کھا کر کہتے تھے، کہ یہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ (جامع البیان العلم لابن عبدالبر، جلد ۱، ص ۱۷)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ حدیث لکھنے کے خلاف نہ تھے، اور وہ روایات جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوالدرداؓ، اور ابوذر غفاریؓ کو روایت حدیث سے روکنا اور قید کرنا مذکور ہے، وہ روایۃً ہرگز صحیح نہیں ان کے راوی ابراہیم بن عبدالرحمٰن (ولادت ۲۰ھ) نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، کوفہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہی مرکز علمی نہ تھا، حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، بھی یہاں تشریف لا چکے تھے اور جن صحابہؓ نے وہاں سکونت اختیار کی وہ بھی ایک ہزار پچیس کے قریب تھے، جن میں چوبیس حضراتؓ بدری بھی تھے، ابوالحسن احمدؒ عجلی کی روایت میں وہاں بسنے والے صحابہؓ کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی۔

حضرت ابوالدرداءؓ عویمر بن زید الانصاری

(م ۳۲ھ)

(۴) حافظ ذہبیؒ انہیں الامام الرّبانی اور حکیم الامت کہتے ہیں، آپؓ اہل شام کے عالم فقیہ اور قاضی تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں چار انصار صحابہؓ کو قرآن کریم یاد تھا۔

۱......حضرت ابوالدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲......معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۳......حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ۴......حضرت ابی زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

مات النبی ﷺ ولم یجمع القرآن غیر اربعة ابی الدرداءؓ ومعاذ بن جبلؓ وزید بن ثابتؓ وابی زیدؓ. (تذکرہ جلد ۱، ص۲۴)

حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی کہتے ہیں:۔

وجدت علم اصحاب محمد ﷺ انتهى الى ستةٍ الىٰ عمر وعلي وعبداللّٰه ومعاذ وابي الدرداء وزيد بن ثابت رضي اللّٰه عنهم..

میں نے حضور ﷺ کے صحابہؓ کے علم کو ان چھ شخصوں کی طرف تمام ہوتے پایا۔(۱) حضرت عمر (۲) حضرت علی (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود (۴) حضرت معاذ (۵) حضرت ابوالدرداء (۶) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حدیث میں آپؓ کی علمی عظمت کا اندازہ کیجئے، کہ ایک شخص ایک لمبے سفر سے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے، اُسے دمشق آنے میں سوائے آپؓ سے حدیث سننے کے اور کوئی غرض نہ تھی، وہ حدیث سنتا ہے، اور واپس چل دیتا ہے، آپؓ یقیناً اپنے وقت میں اپنے پورے حلقہ کے مرجع اور معلم تھے، کثیر بن قیسؒ اس وقت حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھے تھے، وہ بیان کرتے ہیں:۔

كنت جالساً مع ابي الدرداء في مسجد دمشق فجاء رجل فقال ياابا الدرداء اني جئتك من مدينة الرسول لحديث بلغني انك تحدثه عن رسول اللّٰه ﷺ ماجئت لحاجة.[۱]

میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آپؓ کے پاس آیا اس نے کہا اے ابوالدرداءؓ میں مدینہ شریف سے آپؓ کے پاس صرف ایک حدیث کیلئے آیا ہوں، مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپؓ اسے حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں میں اور کسی غرض کیلئے آپؓ کے پاس نہیں آیا۔

[۱] مشکوٰۃ ص۳۴ وہ حدیث کونسی تھی اس کے لئے اس کتاب کا، صفحہ ۲۴۰ دیکھئے۔

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کی شخصیت کریمہ اس وقت اکنافِ عالم کی مرجع علم تھی، حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ عنہ، سعید بن المسیبؒ، خالد بن سعدانؒ، ابوادریس خولانیؒ جیسے اکابر تابعین اور آپؓ کے بیٹے حضرت بلالؓ نے آپؓ سے روایت لی ہیں، اور انہیں روایت کیا ہے، امام اوزاعیؒ، آپؓ کی ہی علمی مسند کے وارث تھے آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ام الدرداء بھی علم فقہ میں بہت اونچا مقام رکھتی تھیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ)

(۵) آپؓ بلاشبہ شہر علم کا دروازہ تھے، کوفہ آپؓ کی مسند علمی تھا، اور وہیں آپؓ کی مسند خلافت تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) پہلے سے ہی کوفہ میں فقہ وحدیث کا درس دے رہے تھے، ان کی وفات سے کوفہ میں جو علمی خلا پیدا ہو گیا تھا، حضرت علیؓ کے وہاں جانے سے کسی حد تک پورا ہو گیا، لیکن حضرت علیؓ کے گرد کچھ ایسے لوگ بھی جمع تھے، جو عبداللہ بن سبا یہودی کے ایجنٹ تھے، اور سبائی سازش کے پروگرام کے تحت مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے، انہوں نے حضرت علیؓ کے نام سے اتنی روایات بنائیں کہ ان کی ہر روایت مشتبہ ہونے لگی کہ حضرت علیؓ نے ایسا کہا ہوگا یا نہ کہا ہوگا، سو احتیاط اسی میں ہے سمجھی جاتی رہی کہ حضرت علیؓ کی وہی روایات سبائی سازش سے محفوظ سمجھی جائیں، جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کریں، کوفہ کا یہی علمی حلقہ قابلِ اعتماد رہ گیا تھا اس علمی حلقہ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، نے بھی جو جِلا بخشی تھی، اور وہاں کے لوگوں کو ان حضرات سے علمی استفادہ کا پورا

موقع مل چکا تھا، حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

كان اهل الكوفه قبل ان يأتيهم (على) قد اخذوا الدين عن سعدبن ابى وقاص وابن مسعود وحذيفة وعمار وابى موسىٰ وغيرهم من ارسله عمر الى الكوفه.[۱]

یہ وہ نابغہ روزگار ہستیاں تھیں جو حضرت عمرؓ کے حکم سے اس سرزمین میں اُتری تھیں اور کوفہ دار الفضل ومحل الفضلاء[۲] بنادیا تھا، افسوس کہ یہ سرزمین حضرت علیؓ کے علوم کو اچھی طرح محفوظ نہ رکھ سکی، اور حضرت علیؓ کے نام سے بہت سی روایات یونہی وضع کرلی گئیں، سبائیوں نے اپنی مذکورہ سازش سے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے نام سے روایات گھڑ کر ان کی اصل روایات کو بھی بہت حد تک مشتبہ کردیا، اوراس طرح امت علم کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے محروم ہوگئی، محققین کے نزدیک فقہ جعفری حضرت علیؓ یا حضرت امام جعفر صادقؒ کی تعلیمات نہیں ہیں، بلکہ یہ وہ ذخیرہ ہے جو سواد اعظم سے اختلاف کرنے کیلئے ان حضرات کے نام سے وضع کیا گیا ہے، تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت علیؓ کی مرویات اور ان کے اپنے فقہی فیصلے اہل سنت کی کتب فقہ وحدیث میں بھی بڑی مقدار میں موجود ہیں، اور انکے ہاں حضرت سیدنا علی مرتضیٰؓ فقہائے صحابہؓ میں ایک عظیم مرتبہ رکھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کسی سے حضور اکرم ﷺ کی حدیث سنتے تو اُسے قسم دیتے بغیر قبول نہ کرتے تھے، لیکن قسم لینا محض مزید اطمینان کے لئے ہوتا تھا، اس لئے نہیں کہ ان کے نزدیک اخبار احاد قابل قبول نہیں تھیں، ہاں حضرت ابوبکرؓ ایسی شخصیت ہیں، کہ ان کی روایت کو حضرت علیؓ ان کے شہرۂ آفاق صدق کے باعث فوراً قبول کرلیتے[۳]

[۱] منہاج السنہ، جلد۴، ص ۱۵۷۔

[۲] شرح صحیح مسلم للنواوی جلد ۱، ص ۱۸۵۔

[۳] تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ۱۰

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

حضرت مقدادؓ کی ایک روایت بھی آپؓ نے ایک دفعہ بغیر قسم لیئے قبول کر لی تھی آپؓ کی قوت فیصلہ خدا تعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا کہ کسی امت میں اس کی مثال نہیں ملتی، خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔ **اقضیٰ ھم علی** [۱] کہ صحابہؓ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علیؓ ہیں، آپ ﷺ نے انہیں ایک مرتبہ یمن کا قاضی بھی بنایا تھا [۲] علامۃ التابعین عامر بن شراجیل شعبیؒ (۳۰۱ھ) کہتے ہیں کہ اس عہد میں علم ان چھ حضرات سے لیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ یاد رکھیئے کہ حضرت علیؓ کو حضور ﷺ نے انتظامیہ (خلافت) کی بجائے عدلیہ (قضاء) کے زیادہ مناسب ٹھہرایا ہے

کاتب وحی حضرت زید بن ثابت الانصاریؓ (م ۴۵ھ)

(۶) آپؓ کی علمی شخصیت کے تعارف میں یہ جاننا ہی کافی ہے، کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کریم ان سے پڑھا تھا، اور حضرت انس بن مالکؓ نے احادیث آپؓ سے روایت کیں، آپؓ کی وفات پر حضرت ابوہریرہؓ نے کہا تھا۔

مات حبر الامة ولعل اللّٰه يجعل فى ابن عباسؓ منه خلفًا.

امت کے بہت بڑے عالم (حبر الامۃ) زید بن ثابت چل بسے اور امید کہ اللہ تعالیٰ ابن عباسؓ کو ان کا جانشین بنادیں گے۔

[۱] مشکوٰۃ ص ۳۶۲۔

[۲] ایضا مشکوٰۃ، ص ۵۶۶ عن احمد والترمذی۔

F.M.Fainal\Jild-1\01-Muqaddama

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو ان کی شخصیت کریمہ پر اتنا اعتماد تھا کہ دونوں حضرات نے اپنے اپنے عہد میں قرآن کی خدمت ان سے لی، حضرت عمرؓ کی رائے حضرت سلیمان بن یسارؒ نے (۱۰۷ھ) جو بہت بڑے فقیہ اور فاضل تھے، اس طرح نقل کی ہے۔

ما کان عمرو عثمان یقدمان علی زید احدًا فی الفتوی والفرائض والقراءة.

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فقہ، علم وراثت، اور قرأت میں حضرت زید بن ثابتؓ پر کسی کو فوقیت نہ دیتے تھے۔

خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا:۔

افرضهم زیدبن ثابت[1] ان میں علم فرائض کے سب سے بڑے ماہر زید بن ثابتؓ ہیں، جب یہ سوار ہوتے یا سواری سے اترتے، تو حضرت ابن عباسؓ ان کی رکاب پکڑنے کو اپنے لئے بڑی عزت سمجھتے تھے، حضرت مسروقؒ تابعی (۶۲ھ) کہتے ہیں:۔

کان اصحٰب الفتویٰ من الصحابة عمرو علی وعبداللّٰہ وزید وابی وابوموسیٰ. (تذکرہ)

خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:۔

کان احدفقهاء الصحابة[2] آپؓ فقہائے صحابہ میں سے ایک تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے، کہ صحابہؓ وتابعینؒ کے دور میں مدار شہرت وفضل علم فقہ تھا، رواتِ حدیث فقہاء کے بعد دوسرے درجے میں آتے تھے۔

قرأت خلف الامام جیسے معرکۃ الآراء مسئلے میں امام مسلمؒ نے آپؓ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے:۔

عن عطاء بن یسار انهٗ اخبره انه سأل زید بن ثابت عن القراءة مع الامام فقال لاقراءة مع الامام فی شئی.[3]

عطاء بن یسارؒ نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھا جاسکتا ہے، آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی حصے میں قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں۔

---

[1] تذکرہ، ص۲۰۔ [2] الاکمال ص۵۹۹۔ [3] صحیح مسلم ج۱، ص۲۱۵۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

(۴۴ھ)

(ذہبی خطیب تبریزی نے سن وفات ۵۲ھ لکھا ہے)

(۷) مکہ مکرمہ میں اسلام لائے، حبشہ کی طرف ہجرت کی، حضور ﷺ نے انہیں ہی یمن کا والی بنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ کا والی بنایا، اور آپؓ کی اور دیگر صحابہؓ جن میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہؓ بن الیمان، اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تھے، انکی آمد سے عراق مرکز علم بن چکا تھا، ان دنوں علم سے مراد حدیث اور فقہ تھے، حضرت علیؓ نے معرکہ تحکیم میں آپؓ (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ) کو اپنا نمائندہ بنایا تھا، یہ مسلسل واقعات آپؓ کی عظمتِ شخصی اور آپؓ کی فقہ وفضیلت کے تاریخی شواہد ہیں، قرآن کریم بہترین آواز سے پڑھنا آپؓ پر ختم تھا، تاہم آپؓ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کے قائل نہ تھے، آپؓ نے آنحضرت ﷺ سے یہ روایت کی:۔

اِذَاقَرَء فَاَنْصِتُوْا　　　امام جب قرآن پڑھے تو تم چُپ رہو۔

حضور ﷺ کے عہد میں جو چار صحابہؓ فتوئے دینے کے مجاز تھے، آپؓ بھی ان میں تھے، صفوان بن سلیمؒ (۱۳۲ھ) کہتے ہیں:۔

لم یکن یفتی فی زمن النبیُ غیر عمرو معاذ وعلی وابی موسی۔[۱]

---

[۱] صحیح مسلم ج۱،ص ۱۷۴۔

حافظ ذہبیؒ آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

کان عالماً، عاملاً، صالحاً تالیاً لکتاب اللّٰہ الیہ المنتھی فی حسن الصوت بالقرآن روی علماً طیباً مبارکاً۔[1]

آپ عالم تھے، عامل تھے، نیک تھے، اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے تھے، قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنے میں چوٹی کے تھے، آپ نے علم پاکیزہ اور بابرکت روایت کیا ہے۔

آپؓ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو یہ حدیث سنائی، **اذا سلم احدکم ثلثاً فلم یجب فلیرجع**، جب تم میں سے کوئی (کسی کے دروازے پر) تین دفعہ سلام کہے اور اسے جواب نہ ملے تو اُسے واپس لوٹ جانا چاہئے، تو حضرت عمرؓ نے اس پر مزید شہادت طلب کی، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بہت گھبرائے، یہاں تک کہ آپؓ کو ایک انصاری کے ہاں اس کی تائید ملی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ میں اپنے اکابر کی تعمیل حکم کا جذبہ کس درجہ کارفرما تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپؓ پر معاذ اللہ کوئی الزام نہ لگا رہے تھے، صرف دوسرے صحابہؓ کو احتیاط فی الروایۃ کا سبق دینا مقصود تھا، نہ آپؓ کی غرض یہ تھی کہ خبر واحد کا اعتبار نہ کیا جائے، حضرت عمرؓ نے خود فرمایا:۔

اما انی لم اتھمک ولکنی خشیت ان یتقول الناس علی رسول اللّٰہ ﷺ۔[2]

میں آپؓ کو متہم نہیں کر رہا تھا میں صرف اس سے ڈرا ہوا تھا کہ لوگ حضور ﷺ پر اپنی طرف سے باتیں نہ لگانے لگیں۔

یاد رکھئے کسی صحابی پر جھوٹ کا الزام نہیں لگتا صحابہ سب عادل ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ رص ۲۲۔

[2] موطأ امام مالک، ص ۲۸۰۔

فقیہ مکہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ (۶۸ھ)

(٨) آنحضرت ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی تھی، کہ اللہ انہیں علم وفقہ سے مالا مال کرے، اور فہم قرآن کی شان بخشے، حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپؓ کی عمر تیرہ سال تھی حضور ﷺ کے بعد حضرت زید بن ثابتؓ سے تعلیم حاصل کی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپؓ کو ترجمان القرآن کا عظیم لقب دیا،[١] حضرت اعمشؒ سے روایت ہیکہ جب حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو امیر حج کی ذمہ داری سپرد کی تو آپؓ نے ایسا خطبۂ حج دیا کہ اگر اسے ترک اور اہل روم سن لیتے تو سب کے سب مسلمان ہو جاتے نعیم بن حفصؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباس ہمارے ہاں بصرہ میں آئے، تو عرب میں علم وفضل میں ان کا ثانی نہ تھا۔

وما فی العرب مثله جسماً وعلما وبیاناً وجمالاً و کمالاً.[٢]

امام ترمذیؒ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ نے بھی حضور ﷺ کی احادیث آپؐ کے بعد جمع کرنی شروع کر دی تھیں، اور وہ تحریریں لوگوں تک پہنچی ہوئی تھیں، ایک مرتبہ طائف کے لوگ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے پاس آپؓ کی کچھ تحریرات تھیں، اور انہوں نے انہیں آپؓ کے سامنے پڑھا[٣]

---

١ تذکرۃ الحفاظ، ج١، ص٣٨۔

٢ ایضاً، ص٣٦۔

٣ کتاب العلل للامام الترمذی۔

F.M.Fainal\Jild-1\02-Muqaddama

حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۴ھ)
ابوعبدالرحمٰن العدوی المدنی

(۹) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن الحنیفہؒ انہیں حبر ہذا الامۃ (اس امت کے بڑے عالم) کہا کرتے تھے، امام زہریؒ فرماتے ہیں:۔

لاتعدلن برای ابن عمر فانه اقامه ستین سنة بعد رسول اللّٰه ﷺ فلم یخف علیه شئی من امره ولامن امر اصحابه.
(تذکرة الحفاظ جلد ۱، ص ۳۸)

اور نہ برابر سمجھ ابن عمرؓ کے ساتھ کسی کو رائے میں اس لئے کہ وہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اس لئے نہیں مخفی رہا آپ ﷺ پر حضور ﷺ کے امر سے اور نہ ہی آپ ﷺ کے صحابہ سے۔

اہل الرائے ہونا کوئی عیب نہیں جو امام زہریؒ عبداللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب کررہے ہیں، یہ علم کا وہ دروازہ ہے جو مجتہد کو ہی نصیب ہوتا ہے، آپؓ سے کثیر تعداد میں احادیث منقول ہیں، لیکن علامہ ذہبیؒ انہیں الفقیہ کے پُراعزاز لقب سے ذکر کیا ہے جن دنوں حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اختلاف جاری تھا، اور اچھی خاصی تعداد اس بات کی حامی ہوگئی تھی، کہ یہ دونوں بزرگ قیادت سے کنارہ کش ہوجائیں، تو جو شخصیت ان دنوں لوگوں کی نظر میں اس لائق تھی کہ اس پر امت جمع ہوجائے، اور اس میں علم وعمل کی پوری استعداد ہو تو وہ آپؓ ہی تھے، لیکن آپؓ اس میدان میں آگے آنے کے لئے قطعاً تیار نہ ہوئے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے:۔

يقتدى بعمر فى الجماعة وبابنه فى الفرقة. (تذکرہ، ج ۱، ص ۲۸)	لوگوں سے مل کر چلنے میں عمرؓ کی پیروی کی جائے اور لوگوں سے کنارہ کشی میں انکے بیٹے کو نمونہ بنایا جائے

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (۷۸ھ)

(۱۰) ستّر انصاریؓ جو بیعت عقبہ میں شامل ہوئے، آپؓ ان میں سے تھے حافظ ذہبیؒ نے انہیں فقیہ اور مفتی مدینہ کے نام سے ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے۔

حمل عن النبى صلى الله عليه وسلم علماً كثيراً نافعاً. (ایضاً)	آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سا نافع علم پایا۔

حدیث کے اتنے شیدائی تھے، کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے بارے میں سنا کہ ان کے پاس ایک حدیث ہے جوانہوں (عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ) نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، وہ ان دنوں ملک شام میں مقیم تھے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ خریدا اور اس پر ایک ماہ تک سفر کرتے ملک شام پہنچے، پیغام بھیجا کہ جابرؓ دروازے پر کھڑا ہے، انہوں نے پوچھا جابر بن عبداللہ ہیں؟ فوراً باہر آئے، حضرت جابرؓ نے ان سے حدیث پوچھی؟ انہوں نے سنائی[۱] انہوں نے سنی اور چلدیئے۔

[۱] الادب المفرد امام بخاری، ص ۲۵۲، صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۷، تذکرہ، ج ۱ ص ۳۸۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ حدیث غالباً یہ تھی:۔

عن جابرؓ عن بن انیسؓ قال سمعت النبی علیہ یقول یحشر اللّٰہ العباد فینادیھم بصوت یسمعہ من بعد کمایسمعہ من قرب انا الملک انا الدیان[1]

حضرت جابر عبداللہ بن انیس سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا، اللہ بندوں کو حشر میں ایسے آواز سے بلائے گا، جس کو قریب اور بعید والے سب یکساں سنیں گے، فرمائیگا میں ہوں بادشاہ انصاف والا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کی شخصیت کریمہ کس طرح جمع حدیث اور طلب علم میں منہمک تھی، آپؓ مجتہد صحابہؓ میں سے تھے، اور حدیث کے مناط کلام پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے، مثلاً حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: لاصلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس شخص سے متعلق ہے جو اکیلے نماز پڑھے، جو امام کے پیچھے نماز پڑھے اس پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم نہیں، حدیث میں مرادِ رسول کو پہنچنا انتہائی گہرا علم ہے، امام احمد بن حنبلؒ جو امام بخاری اور امام مسلم دونوں کے استاذ تھے، حضرت جابر بن عبداللہؓ کی اس شرح حدیث سے بہت متأثر تھے، آپؒ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے، مگر یہ صاف فرماتے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

رواہٗ احمدبن حنبلؒ فقال معنٰی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث.

امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا معنی یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا نماز پڑھے تو فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، اور آپ نے حضرت جابرؓ کی حدیث

[1] صحیح بخاری ج ۲، ۱۱۱۴۔

F.M.Fainal\Jild-1\02-Muqaddama

جابر بن عبداللّٰہ قال من صل رکعة لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الاان یکون وراء امام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی ﷺ تأوّل قول النبی لاصلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ.
(جامع ترمذی ج۱، ۴۲)

سے دلیل پکڑی ہے آپ فرماتے ہیں جس نے ایک رکعت پڑھی اوراس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو، امام احمدؒ کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ حضور ﷺ کے صحابی ہیں، وہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ بیان کررہے ہیں، کہ حدیث (لاصلوٰۃ لمن یقرأ سے مراد یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا ہو۔

یہ دس مشاہیر کا تذکرہ ہے جو فقہاء صحابہؓ میں بہت ممتاز تھے، انکے علاوہ بھی کئی مجتہد صحابہؓ تھے، جنہیں فقیہ تسلیم کیا گیا ہے، جیسے عمران بن حصینؓ (۵۲ھ) حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ھ) اور حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) ان کے علم پر حضرت حسنؓ کو پورا اعتماد نہ ہوتا تو کبھی خلافت ان کے سپرد نہ کرتے۔

حضرت علقمہ بن قیسؒ النخعی الکوفی (۶۲ھ)

(۱) حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں صحابہ کرامؓ کے تذکروں کے بعد کبرائے تابعین کا آغاز آپؒ سے کرتے ہیں، آپؒ حضور اکرم ﷺ کی حیات میں پیدا ہوئے، اور آپ کے بعد نصف صدی تک زندہ رہے، آپ فقیہ ابراہیم نخعیؒ کے ماموں اور مرکز علم کوفہ ابوعمرو اسود بن یزیدؒ کے چچا تھے، علقمہؒ اور اسود دونوں حضرات فقہ حنفی کی اساس سمجھے جاتے ہیں، آپؒ کے علم وفضل کا اندازہ امام ربانی عبداللہ بن مسعودؓ کے اس ارشاد سے دیکھئے:۔

مـااقـرأ شيـئا ومااعلم شيئا الاوعلقمة يقرؤه ويعلمه. (تذکرۃ الحفاظ جلد، ا،ص ۴۵)

جو کچھ میں پڑھتا اور جانتا ہوں علقمہ بھی اُسے پڑھ چکے اور جان چکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس کہنے کا اثر تھا کہ حضرت علقمہ باوجود یکہ صحابیؓ نہ تھے، صحابہ کرامؓ آپؒ سے مسائل پوچھنے آتے تھے، ان کی زبان سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علم بولتا تھا، قابوس بن ابی ظبیانؒ کہتے ہیں:۔

ادركت ناسا من اصحاب النبی صلّى اللّٰه عليه وسلم وهم يسألون علقمة ويستفتونه۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد، ا،ص ۴۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپؒ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور ابوالدرداءؓ سے بھی حدیث پڑھی، فقہ کی تعلیم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پائی۔

حضرت مسروق بن اجدعؒ (۶۳ھ)
ابو عائشہ الہمدانی الکوفی الفقیہ

(۲) آپؒ نے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، اور حضرت ابی بن کعبؓ سے علم حاصل کیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز پڑھی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپؒ کو متبنّٰی بنایا ہوا تھا، فقیہ ابراہیم نخعیؒ علامہ ابوالضحیٰؒ، ابواسحٰقؒ اور ایک کثیر تعداد لوگ آپؒ سے فیضیاب ہوئے، فقہ میں قاضی شریحؒ (حضرت عمرؓ کے زمانے کے مشہور قاضی) سے فائق سمجھے جاتے ہیں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

وکان اعلم بالفتویٰ من شریح وکان شریح یستشیرہ وکان مسروق لایحتاج الی شریح. (تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۷)

آپ فقہ میں شریح سے زیادہ معلومات رکھتے تھے، شریح آپ سے پوچھتے تھے، لیکن آپ شریح کے محتاج نہ تھے۔

حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) الفقیہ الکوفی

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور کئی دوسرے صحابہؓ سے حدیث پڑھی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپؒ کو مفتی ہونے کی سند دی، حضرت قتادہ بن دعامۃؒ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں میں نے سعید بن المسیبؒ سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ (۲۴ھ) کہتے ہیں:۔

لااعلم فی التابعین او سع علماً من سعید وھو ھندی اجل التابعین..

آپؒ خود کہتے ہیں میں نے حضور اکرم ﷺ کے فیصلوں اور حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے فیصلہ) کو جاننے والا اپنے سے زیادہ کسی کو نہیں پایا، امام زہریؒ ۱۲۴ھ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عدالتی فیصلوں کا بھی زیادہ علم انہی کو تھا۔

طلب حدیث کا یہاں تک شوق تھا کہ ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی دنوں اور راتوں کا سفر اختیار فرماتے، سو یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقہاء حدیث کے مخالف ہوتے ہیں، علم فقہ حدیث کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) الفقیہ الکوفی

(۴) آپؒ کے علم کا اندازہ اس سے کیجئے، کہ موسم میں اہل کوفہ حضرت ابن عباسؓ سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپؓ کہتے، **الیس فیکم سعید بن جبیر؟** کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہیں؟ عبادت میں یہ سعادت ملی کہ کعبہ میں داخل ہو کر جوفِ کعبہ میں ایک قرآن ختم کیا، یہ سعادت کسی اور کو نہیں ملی۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) فقیہ کوفہ

(۵) حضرت علقمہ بن قیسؒ، مسروقؒ، اسود بن یزیدؒ سے تعلیم پائی، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسند علمی کے وارث ٹھہرے بچپن میں حضرت ام المؤمنینؓ کی بھی زیارت کی، مشہور محدث اعمشؒ فرماتے ہیں "**کان ابراھیم صیرفیافی الحدیث و کان یتوقی الشھرۃ ولا یجلس الی الاسطوانۃ**" (تذکرۃ الحفاظ ج۱، ص۶۹)
اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کس طرح علم حدیث کا مرکز بنا ہوا تھا، ابراہیم نخعیؒ اگر دیگر محدثین کی طرح مرکز روایت بن کر نہ بیٹھے تو اس کی وجہ ان کی عزلت گزینی تھی ورنہ علم میں تو یہ حال تھا کہ جب فوت ہوئے علامہ شعبیؒ نے کہا:۔
ماخلف بعدہ مثلہٗ آپؒ نے اپنے بعد کوئی اپنا مثل نہیں چھوڑا
سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) کے بارے میں کوفہ والوں کو حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہیں؟ یعنی انکے ہوتے ہوئے تم مجھ سے مسائل پوچھتے

(تذکرۃ الحفاظ جلد۱، ص۷۲ حماد بن ابی سلیمان)

ہو؟ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے علم کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیرؒ لوگوں کو کہتے:۔

تستفتونی وفیکم ابراهیم النخعیؒ تم مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ اور تم میں ابراہیم نخعیؒ موجود ہیں۔

حضرت ابوعبداللہ مکحول الہذلی (۱۰۱ھ) الحافظ فقیہ الشام

(۶) ابوامامہ الباہلیؒ واثلہ بن الاسقعؒ وانس بن مالکؒ ومحمود بن الربیع وعبدالرحمٰن بن غنمؒ وابوادریس الخولانی سے حدیث پڑھی، حدیث کو مرسل بھی روایت کرتے اور ابی ابن کعبؓ، عبادہ بن الصامتؓ اور ایوب بن موسیٰ، العلماء ابن حارثؓ اور زید بن واقدؒ، ثور بن یزیدؒ، حجاج بن ارطاۃؒ امام اوزاعیؒ اور سعید بن عبدالعزیزؒ نے روایات لی ہیں، آپؒ نے مصر عراق اور حجاز ہر جگہ طلب علم میں سفر کیا۔

امام زہریؒ فرمایا کرتے تھے، علماء تین ہی ہیں، ان میں آپ مکحولؒ کو بھی ذکر کرتے (دوسرے دو سعید بن المسیب اور علّامہ شعبی ہیں)۔

حضرت ابوحاتم کہتے ہیں:۔

ماعلم بالشام افقه من مکحول شام میں ان سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا خطیب تبریزیؒ کہتے ہیں۔

لم یکن فی زمان مکحول اَبْصَر بالفتیامنه کان لایفتی حتی یقول لاحول ولاقوۃالاباللّٰه هذارائی والرائی یخطی ویصیب.

حضرت مکحول کے زمانے میں فتویٰ دینے کی بصیرت سب سے زیادہ آپ میں تھی، اور آپؒ فتوے نہ دیتے جب تک لاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ نہ پڑھ لیتے، اور فرماتے یہ میری رائے ہے، اور رائے خطا بھی کرتی ہے اور درست بھی ہوتی ہے۔

نوٹ:۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ رائے ان دنوں کسی پہلو سے معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔

ابوعمرو علامہ شعبیؒ (۱۰۳ھ) الہمدانی الکوفی

(۷) آپ علامۃ التابعین کے لقب سے معروف تھے، علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

كان اماما حافظا فقيها متقيا..

آپؒ نے حضرت عمران بن حصین، جریر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، عبداللہ بن عمرو عدی بن حاتم، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے احادیث لی ہیں آپ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے استاد تھے۔

(الاکمال ص ۶۲۳)

علامہ شعبیؒ سے اسماعیل بن ابی خالد، اشعث بن سوار، داؤد بن ابی ہند، زکریا بن ابی زائد مجالد بن سعید اعمش، امام ابوحنیفہ ابن عون، یونس بن ابی اسحٰق، سری بن یحیٰؒ نے احادیث روایت کی ہیں، کوفہ کے قاضی بھی رہے، پانچ سو کے قریب صحابہ کرامؓ کو پایا ابن سرینؒ فرماتے ہیں:۔

الزم الشعبی فلقد رأیته یستفتی والصحابة متوافرون. (تذکرہ ج ۱، ص ۷۶)

تم شعبیؒ کی مجلس کو لازم پکڑو میں نے لوگوں کو ان سے مسائل پوچھتے دیکھا حالانکہ صحابہؓ بڑی تعداد میں موجود ہوتے تھے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:۔

قدمت الكوفة وللشعبی حلقة واصحاب رسول اللّٰه یومئذ کثیر.

میں کوفہ آیا اور وہاں علامہ شعبیؒ کا ایک بڑا حلقہ دیکھا حالانکہ ان دنوں صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں :۔

مارایت افقہ من الشعبی لاسعید بن المسیب ولاطاؤس ولاعطاء ولاالحسن ولاابن سیرین.[۱]

میں نے علامہ شعبیؒ سے بڑا فقیہ کسی کونہیں پایا، نہ حضرت سعید بن المسیب کو نہ طاؤس کو نہ عطا بن ابی رباح کو نہ حسن بصریؒ کواور نہ امام ابن سیرینؒ کو

مگر آپؒ کے ذہن میں علم فقہ کی اتنی عظمت تھی کہ کھلے بندوں فرماتے ہم فقیہ نہیں ہم تو محدث ہیں، جوروایت ملے اسے آگے پہنچادیتے ہیں۔

قال الشعبی انالسنابالفقھا ولکناسمعنا الحدیث فرویناہ الفقھاء.[۲]

شعبیؒ کہتے ہیں ہم فقہا نہیں ہیں، بات صرف یہ ہے کہ ہم نے حدیث سنی اورا سے فقہاء تک پہنچادیا۔

وہ کون سے فقہاء کرام ہیں جن تک آپ نے حدیثیں پہنچادیں اوران کے سامنے اپنے آپ کوفقیہ نہ جان سکے، ان میں سرِ فہرست امام ابوحنیفہؒ ہیں، آپ نے اگر امام ابوحنیفہؒ کو نہ دیکھا ہوتا تو شاید اتنی بات نہ کہتے۔

سالم بن عبداللہ بن عمرؓ بن الخطاب (۱۰۶ھ) فقیہ مدینہ

(۸) حضرت سالمؒ حضرت عمرؓ کے پوتے علم وعمل کے جامع اوراپنے زمانہ کے الفقیہ اورالحجہ تھے، اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ام المؤمنین حضرت ابوہریرہؓ رافع بن خدیجؓ، حضرت سفینہؓ اورافضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ سے علم حاصل کیا اورحدیث پڑھی، آپؒ سے عمرو بن دینارؒ، امام زہریؒ، صالح بن کیسانؒ موسیٰ بن عقبہؒ اورحضرت حنظلہ بن ابی سفیانؒ نے تعلیم پائی خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں

[۱] تذکرہ ج۱،ص۷۶۔ [۲] ایضاً،ص۷۹۔

احدفقهاء المدینة من سادات التابعین وعلمائهم وثقاتهم.(الاکمال،ص ۶۰۳)

مدینہ کے فقہاء میں سے ایک تھے سادات تابعین میں سے ان کے علماء اور ثقہ لوگوں میں سے تھے۔

قاسم بن محمدؒ (۱۰۷ھ) فقیہ مدینہ

(۹) حضرت قاسمؒ حضرت ابوبکرؓ کے پوتے، علم وعمل کے جامع اور مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک تھے، اپنی پھوپھی حضرت ام المومنینؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت امیر معاویہؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے حدیث پڑھی اور تعلیم حاصل کی، اور آپؒ سے آپؒ کے بیٹے عبدالرحمٰنؒ، امام زہریؒ، ابن المنکدر، ربیعہ الرائی، افلح بن حمیدؒ، حنظلہ بن ابی سفیانؒ، ایوب السختیانیؒ جیسے ائمہ علم نے روایت لیں، اور اکتساب علم کیا، آپؒ سے دوسو کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔

ابوالزناد عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱ھ) کہتے ہیں:۔

مارأیت فقیهاً اعلم من القاسم ومارأیت احداً اعلم بالسنة منه. الاکمال،ص۶۰۳)

میں نے قاسم سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا، اور نہ کسی کو دیکھا جو ان سے زیادہ سنت جاننے والا ہو

ابن سعد کہتے ہیں:۔ **کان اماماً فقیها ثقة رفیعاً ورعا کثیر الحدیث.**

یحییٰ بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

مادرکنا بالمدینة احداً نفضله علی القاسم بن محمد. (الاکمال،ص۶۱۸)

ہم نے مدینہ شریف میں کسی کو نہیں پایا جسے قاسم بن محمدؒ پر فضیلت دے سکیں۔

حماد بن ابی سلیمان

(۱۲۰ھ)

(۱۰) حضور ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے، امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۰ھ) اور حضرت سفیان ثوریؒ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے:[۱]

آپ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے فیصلوں اور ان کی آراء کے سب سے بڑے عالم تھے، امام ابوحنیفہؒ کے استاذ تھے، حضرت حمادؒ کے بعد آپ ہی سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس مسند علمی کے وارث ہوئے، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی آپ سے روایت لی ہیں۔

نوٹ:۔ تابعین میں فقہاء حدیث صرف یہی دس حضرات نہیں، ان کے علاوہ بھی اس طبقہ میں بہت سے فقہاء اعلام ہوئے جو فقہ اور حدیث کے جامع تھے، ان میں حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) قتادہ بن دعامہؒ (۱۱۸ھ) بھی بیشک فقہ حدیث اور استنباط مسائل میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔

[۱] الاکمال، ص ۵۹۶۔

ائمہ مجتہدین

حضرت امام ابوحنیفہؒ

امام ابوحنیفہ (پیدائش ۸۰ھ) کی شہرت زیادہ تر امام مجتہد کی حیثیت سے ہے، لیکن علمائے حدیث نے آپ کو محدثین میں بھی ذکر کیا ہے، محدثین کا ذکر اس عنوان سے کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فلاں فلاں سے احادیث سنیں اور ان سے آگے فلاں فلاں نے روایات لیں، حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں بھی یہ پیرایہ تعارف موجود ہے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

قد قال الامام علی بن المدینی ابو حنیفةؒ روی عنه الثوری وابن المبارک وحماد بن زید وهشام ووکیع وعباد بن العوام جعفر بن عون وهو ثقه لاباس به وکان شعبه حسن الرای فیه[1]

امام علی بن المدینی کہتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، حماد بن زیدؒ، ہشامؒ، وکیعؒ عباد بن عوام، جعفر بن عون، نے امام ابوحنیفہؒ سے حدیث روایت کی ہے، ابوحنیفہؒ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

---

[1] روی حمادبن زیدعن ابی حنیفة احایث کثیره، الانتقاء، ص ۱۳۰.

حافظ شمس الدین ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

حدث عن عطاء ونافع وعبدالرحمٰن بن هرمز الاعرج وسلمة بن كهيل وابى جعفر محمدبن علی وقتادہ وعمروبن دینار وابی اسحٰق وخلق كثير ...... وحدث عنه وكيع ويزيد بن هارون وسعد بن الصلت وابو عاصم وعبدالرزاق وعبيد الله بن موسىٰ وابونعيم وابوعبدالرحمٰن المقرى وبشر كثير وكان اماماً ورعا.
(تذکرۃ الحفاظ ج۱،ص۱۶۸)

امام ابوحنیفہؒ نے عطاء، نافع، عبدالرحمٰن بن ہرمزالاعرج، سلمہ بن کہیل ابی جعفر، محمد بن علی، قتادہ، عمروبن دینار ابی اسحاق اور بہت سے لوگوں سے حدیث روایت کی ہے، اورابوحنیفہ سے وکیع یزیدبن ہارون، سعدبن صلت، ابوعاصم عبدالرزاق عبیداللہ بن موسیٰ، ابونعیم، ابوعبدالرحمٰن المقری، اور خلق کثیر نے روایت لی ہے، اور ابوحنیفہ امام تھے، اور زاہد پرہیز گار تھے۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں، کہ اہل مکہ کے محدث اورمفتی عطاء بن ابی رباح سے کس نے حدیث روایت کی ہے؟

وعنه ايوب وحسين وابن جريح وابن اسحق وامام الاوزاعى وابوحنيفه وهمام بن يحىٰ و جرير بن حازم.

خطیب تبریزی صاحبِ مشکوٰۃ لکھتے ہیں:۔

سمع عطاء بن ابى رباح واباسحٰق السيعى ومحمد بن المنكدرونافعا وهشام بن عروة وسماك بن حرب وغيرهم وروى عنه عبدالله بن المبارك وكيع بن الجراح ويزيد بن هارون والقاضى ابويوسف ومحمد بن الحسن الشيبانى وغيرهم.. (الاکمال،ص۶۲۴)

ابوحنیفہؒ نے عطاء بن رباح اورابواسحٰق السبیعی اور محمد بن المنکدر اور ہشام بن عروہ اورسماک بن حرب وغیرہ حضرات سے روایت لی اورابوحنیفہؒ سے عبداللہ بن مبارک اوروکیع بن الجراح اور یزید بن ہارون اور قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن الشیبانی وغیرہ حضرات نے روایات لی ہیں۔

حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المقریؒ (۲۱۳ھ) جب آپ سے روایت کرتے تو فرماتے مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جو (فن حدیث میں) بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

کان اذا حدث عن ابی حنیفة قال حدثنا شاهنشاه.

آپ کے اساتذہ وتلامذہ ان کے علاوہ بھی بہت سے تھے، آپ نے بلند پایہ محدثین سے محدثین کے طور پر روایات لیں اور آگے محدثین کے طرز پر انہیں محدثین سے روایت کیا، آپ کے تلامذہ میں سے عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن الجراح کے تذکرے کتب رجال میں دیکھیں، یہ حضرات فنِ حدیث میں اپنے وقت کے آفتاب وماہتاب تھے، ان جیسے اکابر محدثین کا حدیث میں آپ کی شاگردی کرنا اس فن میں آپ کی عظمتِ شان کی کھلی شہادت ہے، یہ صحیح ہے کہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح مکثرین روایت میں سے نہ تھے، لیکن اس سے آپ کے علم وحدیث میں کمزور ہونے کا شبہ کسی جاہل کو بھی نہ ہو سکے گا، محدثین آپ کے ذکر کے بغیر آگے نہ چلتے تھے، مشکوٰۃ شریف حدیث کی کتاب ہے، جس میں ایک روایت بھی آپ سے منقول نہیں، مگر خطیب تبریزی ''الاکمال فی اسماء الرجال'' میں آپ کے ذکر کے بغیر آگے نہیں چل سکے، آپ کے وفور علم کی شہادت آپ کو دینی پڑی اور ظاہر ہے کہ ان دنوں علم سے مراد علم حدیث ہی لیا جاتا تھا۔

مصنف مذکور لکھتے ہیں:۔

والغرض بایراد ذکره فی هذا الکتاب وان لم نرد عنه حدیثا فی المشکوة للتبرک به لعلو مرتبته ووفورعلمه. (الاکمال فی اسماء الرجال، ص۶۲۴)	اورغرض اس کتاب میں آپ کا ذکر لانے سے یہ ہے کہ اگرچہ ہم مشکوٰۃ میں ان سے کوئی حدیث نہیں لائے ہیں کہ آپکے ذکر کی برکت حاصل ہوجائے، یہ آپ کے علوِ مرتبہ اور وفور علم کی وجہ سے ہے۔

وفورِ علم سے مراد حدیث کا علم وافر نہیں تو اور کیا ہے؟ رہا فقہ تو یہ علم اسی وقت بنتا ہے، جب یہ حدیث پر مرتب ہو اسے علم حدیث لازم ہے، یہی نہیں کہ آپ نے محدثین کے طرز پر روایات لیں، اور آگے روایت کیں، بلکہ روایت حدیث اور راویوں کے صدق وکذب پر بھی آپ کی پوری نظر تھی، امام اوزاعیؒ سے ایک مسئلہ پر گفتگو ہوئی اور دونوں طرف سے احادیث سند کے ساتھ پڑھی گئیں، تو آپ نے دونوں طرف کے راویوں پر تبصرہ فرمایا اور باوجودیکہ دونوں طرف کے رواۃ ثقہ تھے، آپ نے راویوں کے علم فہم پر بحث شروع کردی،[۱] اور دونوں طرف کے راویوں کے نام لے کر بتایا کہ حماد بن ابی سلیمان زہری سے افقہ ہیں، اور فلاں فلاں سے افقہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں، اس سے واضح ہے کہ آپ رایوں پر تنقیدی نظر رکھتے تھے، ایک دوسری جگہ راویوں کے صدق وکذب پر آپ گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

مارأیت احداً افضل من عطاء[۲] میں نے عطاء بن ابی رباح سے زیادہ اچھا (راوی) کسی کو نہیں دیکھا۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

مالقیت فیمن اکذب من جابر الجعفی[۳] میں لوگوں سے ملا ہوں ان میں جابر جعفیؒ سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔

حافظ ابن حجرؒ نے زید بن عیاش کے بارے میں آپ کی رائے نقل کی ہے، **انه مجھول**[۴] طلق بن حبیب پر آپ نے اس کے عقیدہ کی رو سے جرح کی ہے، کان بری القدر محدثین ہی راویوں پر اس درجہ تنقید نظر رکھتے ہیں۔

---

[۱] مسند الامام فی شرح مسند الامام، ص۲۰۔
[۲] تذکرہ ج۱،ص۹۲۔
[۳] تہذیب التہذیب ج۳، ص۴۸۔
[۴] الجواہر المنیفہ ج۱،ص۲۰۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

قال ابوحنیفةؒ رأیت ربیعة واباالزناد وابوالزناد افقه الرجلین.
(تذکرہ، ج۱ص ۱۲۷)

امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں میں نے ربیعہ اور ابوالزناد دونوں کو دیکھا ابوالزناد زیادہ فقیہ تھے۔

محدثین کا آپ سے اس قسم کی آراء نقل کرنا اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ رواۃ حدیث کے فہم ودرایت پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔
حضرت سفیان ثوریؒ کے علمی مرتبہ اور شانِ علم حدیث سے کون واقف نہیں اتنے بڑے محدث کے بارے میں آپ سے رائے لی گئی کہ ان سے حدیث لی جائے یا نہ؟

امام بیہقی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:۔

عبدالحمید الحمانی قال سمعت ابا سعدالصاغانی یقول رجل جاء الی ابی حنیفة فقال ماتریٰ فی الاخذ عن الثوریٰ فقال اکتب عنه ماخلا حدیث ابی اسحق عن الحارث عن علی و حدیث جابرالجعفی.
کتاب القرأۃ للبیہقی ،ص۱۳۴۔

عبدالحمید حمانی کہتے ہیں میں نے ابوسعد صاغانی کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص امام ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور پوچھا سفیان ثوریؒ سے روایت لینے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ان سے حدیث لے لو، ماسوائے ان حدیثوں کے جنہیں وہ ابواسحٰق عن الحارثؒ کی سند سے روایت کریں یا جنہیں وہ جابر جعفیؒ سے نقل کریں۔

غور کیجئے حضرت امام سفیان ثوریؒ جیسے محدث کے بارے میں بھی آپ سے رائے لی جارہی ہے، تو آپ کا اپنا مقام حدیث میں کیا ہوگا؟ اجتہاد واستنباط یا تطبیق

وترجیح میں تو مجتہدین آپ سے اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن کسی مقام پر یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث حضرت امام کو نہ پہنچی ہوگی، ہرگز درست نہیں، اس دور میں یہ بعض الظن اثم کے قبیل میں سے ہے، محدث جلیل ملا علی قاریؒ ''احیاء العلوم'' کی ایک عبارت پر تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فالظن بابی حنیفة ان هذه الاحادیث لم تبلغه و لو بلغته لقال بهاهذا من بعض الظن فان حسن الظن بابی حنیفة انه احاط بالاحادیث الشریفه من الصحیحة والضعیفة ولکنه اما رحج الحدیث الدال علیٰ الحرمة او حمله علیٰ الکراهة جمعاً بین الاحادیث وعملاً بالروایة والدرایة. [۱]

الحافظ اور الحجۃ کے درجے کے محدثین تو بہت ہوئے، لیکن بہت کم ہوئے جن کا علم تمام احادیث کو محیط مانا گیا ہو، حضرت امام ان کبار محدثین میں سے ہیں جن کا علم تمام احادیث صحیحہ اور ضعیفہ کو محیط مانا گیا، ایک مرتبہ یحیٰ بن معینؒ سے امام ابوحنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا، تو فرمایا کہ ثقہ ہیں، ثقہ ہیں، ایک مرتبہ فرمایا حدیث فقہ میں اور سچے ہیں، اور دین کے بارے میں قابل اعتماد ہیں، [۲] امام ابوداؤد فرماتے ہیں:۔

ان اباحنیفة کان اماماً. [۳] بے شک ابوحنیفہؒ امام تھے۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) کس پائے کے محدث تھے، یہ اہل علم سے مخفی نہیں آپ کوفہ آئے تو علماء حدیث تب آپ سے حدیث سننے کے لئے تیار ہوئے، جب حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آپ کے محدث ہونے کی تصدیق کی، آپ نے فرمایا، یہ شخص عمرو بن دینار کی روایات کا سب سے بڑا عالم ہے، اس پر علماء سفیان ابن عیینہ کے گرد جمع ہوگئے، حضرت سفیانؒ کہتے ہیں:۔

---

[۱] مسند الامام ص ۵۲۔ [۲] تاریخ بغداد خطیب ج ۳، ص ۲۴۹۔ [۳] تذکرہ، ص ۱۶۔

قدمت الكوفة فقال ابو حنيفة هذا اعلم الناس بحديث عمرو بن دينار فاجتمعوا على فحدثتهم.[1]

سفیان بن عیینہؒ کو محدث بنانے میں بڑے بڑے محدثین کی محنتیں ہوئیں، مگر اس میں سبقت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی ہے، حضرت سفیانؒ خود کہتے ہیں:۔

اوّل من صيرني محدثا ابو حنيفة[2] جس نے سب سے پہلے مجھے محدث بنایا ابوحنیفہؒ تھے۔

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں، محدث حرم حضرت سفیان ثوریؒ کوفی تھے، اب سمجھئے کہ آپ نے حضرت امام صاحبؒ سے کس قدر استفادہ کیا ہوگا، آپ مسلکاً بھی حنفی تھے۔[3]

یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کی جلالت علم سے کون واقف نہیں، حافظ ذہبیؒ انہیں **الحافظ الثبت المتقن الفقيه**[4] لکھتے ہیں آپ حضرت امام صاحب کے شاگرد تھے، اور بقول حضرت امام طحاویؒ کے، حضرت امامؒ ان پہلے دس اصحاب میں سے تھے جو تدوین علم میں آپ کے ساتھ بیٹھے۔

فن حدیث کے ان جیسے اکابر کا حضرت امام صاحبؒ سے یہ قریبی رابطہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام صاحب فن روایت میں بھی ان جبال علم کے شیخ تھے، اور اکابر محدثین نہ صرف ان کے علم حدیث کے قائل تھے بلکہ ان سے اپنے محدث ہونے کی سند لیتے تھے۔

---

[1] الجواہر ج ۱، ص ۳۰۔ [2] الجواہر نقلاً عن ابی خلکانؒ، ج ۱، ص ۱۰۳۔
[3] الجواہر، ج ۱، ص ۲۵۰۔ [4] تذکرہ، ج ۱، ص ۲۴۶۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نظریۂ حدیث

حضرت امام صاحب حدیث منقول پرعمل کرنے سے پہلے یہ دیکھتے تھے کہ کثیر تعداد میں متقی لوگ اس حدیث کو اس صحابیؓ سے روایت کرتے ہوں، یہ روایت کرنا...... ضروری نہیں خبر واحد اپنی جگہ معتبر ہے، لیکن ان کے ہاں اس کا عمل میں آیا ہوا ہونا ضروری تھا، جو حدیث معمول بہ نہ رہی ہو اس سے ان کے ہاں سنت ثابت نہیں ہوتی، سنت کے ثابت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس پرعمل بھی ہوتا آیا ہو۔

امام مالکؒ کا نظریۂ حدیث بھی یہی تھا، وہ حدیث کی بجائے سنت پر زیادہ زور دیتے تھے، موطأ میں بار بار سنت کا لفظ لاتے ہیں، اور اس سے صحابہؓ تابعین کا تواتر عمل مراد ہوتا ہے، جب فتنے پھیلے اور جھوٹ کا بازار گرم ہوا تو محدثین روایت اور اسناد کے گرد پہرہ دینے لگے، دن بدلے ہوئے حالات میں حدیث تمسک بذریعہ اسناد ہونے لگا، اور تواتر علم کی اس طرح تلاش نہ رہی جس طرح پہلے دور میں ہوتی تھی، اس نئے دور کے مجدد حضرت امام شافعیؒ ہیں، لیکن اسمیں شک نہیں کہ پہلے دور میں حدیث کی بجائے سنت کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی، حافظ شمس الدین الذہبیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نظریۂ حدیث انکے اپنے الفاظ میں اس طرح نقل کرتے ہیں۔

اٰخذ بکتاب اللّٰہ فمالم اجد فبسنة رسول اللّٰہ والاٰ ثارا لصحاح عنه التی فشت فی ایدی الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول اصحابه اٰخذ بقول من شئت واما اذا انتھی الامر الی ابراھیم

میں فیصلہ کتاب اللہ سے لیتا ہوں، جو اس میں نہ ملے اسے حضور علیہ السلام کی سنت اور ان صحیح آثار سے لیتا ہوں، جو حضور علیہ السلام سے ثقہ لوگوں کے ہاں ثقات کی روایت سے پھیل چکے ہوں، ان میں بھی نہ ملے تو میں صحابہ کرامؓ سے لیتا ہوں اور

والشعبی والحسن والعطاء فاجتهد كما اجتهدوا.[۱]

جس کا فیصلہ مجھے اچھا (قوی) لگے لے لیتا ہوں اور جب معاملہ ابراہیم نخعیؒ، علامہ شعبیؒ، حضرت حسن بصریؒ، اورعطاء بن ابی رباحؒ تک پہنچے تو میں بھی اس طرح اجتہاد کرتا ہوں جس طرح ان پہلوں نے اجتہاد کیا تھا۔

حضرت امام صاحب کے یہاں آثار صحیحہ عملاً پھیلے ہوئے ہونے پرزور دے رہے ہیں، اور یہی انکا نظریۂ حدیث تھا، حضرت علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (۹۷۲ھ) لکھتے ہیں:۔

وقد كان الامام ابو حنيفةؒ يشترط فی الحديث المنقول عن رسول الله قبل العمل به ان يرويه عن ذلک الصحابی جمع اتقياء عن مثلهم[۲]

امام ابوحنیفہؒ حضور ﷺ سے نقل شدہ حدیث کو معمول بہ ٹھہرانے سے پہلے یہ ضروری ٹھہراتے تھے کہ اسے اس صحابیؓ سے ان جیسے نیک لوگوں کی ایک جماعت نے روایت کیا ہو۔

محقق ابن الہمام (۸۶۱ھ) کی حضرت امام صاحب کے اس اصل پر گہری نظر تھی، آپؒ تصریح کرتے ہیں کہ جب کوئی صحابیؓ اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل نہ کرے اسکے خلاف فتوے دئے تو وہ روایت (خود حجت نہ رہے گی، کیونکہ اس کے ساتھ تواتر عمل ثابت نہیں ہوسکا، حضرت امام صاحب کا نظریہ بیشک نہایت سخت ہے، روایت کے ساتھ راوی کا عمل ساتھ ساتھ چلے، ایسے راوی تو صحیح بخاری، مسلم میں بھی بہت کم ملیں گے، حضرت امام صاحبؒ تواتر عمل کے اس حد تک قائل تھے کہ وہ اس کی تائید میں ان روایات وآثار سے مدد لیتے تھے، جو اپنی جگہ مرسل ہوں، مگر عملاً

[۱] مناقب ابی حنیفہ للذہبی ص ۲۰۔ [۲] المیزان الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۶۲۔

اتصال رکھتے ہوں، آپ کی املاء کردہ ''کتاب الآثار'' اور امام مالکؒ کے موطأ میں آپؒ اسی نظریہ کو جگہ جگہ کارفرما پائیں گے۔

حافظ ابن عبد البر مالکیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

انہ کان یذھب فی ذٰلک الی موضعھا علیٰ مااجتمع علیہ من الاحادیث ومعانی القرآن فماشذ من ذالک ردہ وسمّاہ شاذا.
موافقات الشاطبی ج ا، ص ۲۹۱۔

امام صاحبؒ ایسے موقع پر اس روایت کو اس موضوع کی دوسری احادیث اور قرآنی مطالب سے ملا کر دیکھتے جو روایت اس مجموعی موقف سے علیحدہ رہتی آپؒ اسے (عمل میں) قبول نہ کرتے، اور اس کا نام شاذ رکھتے۔

حضرت امام صاحبؒ کے نظریہ حدیث میں یہ اصول بھی کارفرما ہے کہ آثار صحابہؓ اور ضعیف حدیث کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، ان کے یہاں آثار صحابہؓ اور ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے اجتہاد اور قیاس سے کام نہ لینا چاہئے، اپنی رائے پر ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو ترجیح دینی چاہئے، یہ صرف حضرت امام صاحبؒ کی ہی رائے نہ تھی، کل فقہائے عراق اسی نظریہ کے تھے، علامہ ابن حزمؒ نے اس پر فقہاء عراق کا اجماع نقل کیا ہے۔

نوٹ:۔ضعیف حدیث سے یہاں وہ حدیث مراد نہیں جس کا ضعف انتہائی شدید قسم کا ہو یا وہ موضوع ہونے کے بالکل قریب جا چکی ہو۔

متکلمین کا جو طبقہ مسائل ذات وصفات میں تاویل کی راہ چلا حضرت امام صاحبؒ اس مسلک کے نہ تھے، اس باب میں آپ محدثین کی روش پر تھے، اور آیات صفات پر بلا تاویل ایمان رکھتے تھے۔

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:۔

الامام فقیہ العراق احد ائمة الاسلام والسادة الاعلام ،احدار کان العلماء احدالائمة الاربعة اصحاب المذاهب المتبوعة. (البدایۃ والنہایہ ج١،ص ١٠٧)

علامہ ذہبیؒ (٧٤٨ھ) آپ کیلئے امام اعظم کا لقب اختیار کرتے ہیں، اور لکھتے ہیں:۔

کان اماماً ورعا عالماً عاملاً متعبداکبیر الشان. (تذکرہ ج١،ص ١٥٨)

الامام اعظم فقیہ العراق، حضرت امام متورع عالم عامل، متقی اور کبیر الشان تھے۔

امام مکی بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ اعلم اہل الارض تھے[١] یعنی کرۂ ارضی کے اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے، علم ان دنوں علم حدیث کو ہی کہا جاتا تھا۔

اور علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں، کہ ابوحنیفہؒ علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے تھے[٢] اور لکھتے ہیں کہ فقہ میں آپؒ کا مقام اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کی نظیر نہ تھا، اور ان کے تمام ہمعصر علماء نے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے، خاص طور پر امام مالکؒ اور امام شافعی نے[٣]

امام الجرح والتعدیل یحیٰ بن سعید القطان (١٩٨ھ) فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے حضور جھوٹ نہیں بولتے، ہم نے امام ابوحنیفہؒ سے بہتر رائے اور بات کسی سے نہیں دیکھی۔[٤]

کان یحیٰ القطان یفتی بقول ابی حنیفةایضا[٥]

اسیر عبدالرحمٰن مبارکپوری نے نقد کیا ہے اور اشعار ہدی کی کراہت میں ترمذی نے کسی قطان کا قول نقل کیا ہے، اس کا جواب بھی آجانا چاہئے۔

یہ اس درجہ کے امام تھے کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں:۔

مارأیت بعینی مثل یحیٰ بن سعید القطان. تذکرہ ج١،ص ٢٧٥)

میں نے اپنی آنکھوں سے یحیٰ بن سعید کی مثل کسی کو نہ دیکھا۔

---

[١] مقدمہ اوجز المسالک، ص ٦٠۔ [٢] مقدمہ ابن خلدون، ص ٤٤٥۔ [٣] مقدمہ، ص ٤٤٨۔
[٤] تہذیب التہذیب، ج١،ص ٤٤٩۔ [٥] تذکرہ، ج١،ص ٢٨٢۔

اس درجہ عظیم القدر محدث کا فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرنا اور ان کے قول پر فتوے دینا، اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت امام صاحبؒ حدیث وفقہ میں کتنا اونچا مقام رکھتے تھے۔

عبداللہ بن داؤد علیہ الرحمہ کہتے ہیں:۔

جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے، تو (اس کے لئے) سفیانؒ ہیں، اور جب آثار یا حدیث کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہے تو امام ابوحنیفہؒ ہیں۔[۱]

امام مسعر بن کدامؒ (۱۵۵ھ) کی جلالت قدر سے کون واقف نہیں، شعبہ کہتے ہیں ہم نے ان کا نام مصحف (قرآن) رکھا تھا، یحیٰ بن سعید القطانؒ کہتے ہیں میں نے حدیث میں ان سے زیادہ ثابت کسی کو نہیں پایا، محمد بن شبرؒ کہتے ہیں، میں نے ان سے دس کم ایک ہزار احادیث لکھیں، یہ مسعر بن کدامؒ حضرت امامؒ کے ہم سبق تھے، آپؒ کہتے ہیں:۔

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزهدفبرع علینا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ماترون.[۲]

میں نے اور ابوحنیفہؒ نے اکھٹی حدیث پڑھنی شروع کی، وہ ہم پر غالب رہے، علم حدیث میں ہم سب طلبہ سے بڑھ گئے، ہم زہد وسلوک میں پڑے تو اس میں بھی وہ کمال پر پہنچے اور ہم نے ان کے ساتھ فقہ پڑھنا شروع کیا تو اس میں بھی وہ اس مقام پر آ پہنچے جو تم دیکھ رہے ہو۔

مسعر بن کدامؒ جیسے محدث کی یہ شہادت حضرت امام کے علم حدیث میں اسبق ہونے کی ایک کھلی دلیل ہے، کم از کم پانچ لاکھ احادیث بیک نظر آپکے سامنے ہوتی تھیں آپ نے اپنے بیٹے حماد کو جن پانچ حدیثوں پر عمل کرنے کی وصیت کی ان کے بارے میں فرمایا کہ میں نے یہ پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کی ہیں، وصیت لکھتے ہیں:۔

ان تعمل بخمسة احادیث خمسا من خمس مائة الف حدیث.[۳]

ان پانچ احادیث کو خاص طور پر معمول بہ بنا نا میں نے انہیں پانچ لاکھ احادیث سے چنا ہے۔

---

[۱] سیر احناف، [۲] مناقب ابی حنیفہ المذہبی، ص۲۷۔ [۳] وصیۃ الامام الاعلم لابنہ حماد، ص۶۵۔

حضرت امام اعظمؒ کی تابعیت

حضور اکرم ﷺ کی وفات کے وقت جو عمر حضرت عبداللہ بن عباس کی تھی، حضرت امام صاحبؒ تقریباً اسی عمر کے تھے، کہ حضور ﷺ کے کئی صحابہ کرامؓ موجود تھے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی (۸۷ھ) سہل بن سعد ساعدیؓ (۹۱ھ) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) حضرت عبداللہ بن بسر المازنی (۹۶ھ) حضرت عامر بن واثلہ الاسقع (۱۰۲ھ) اس وقت زندہ تھے، حضرت عامرؓ کی وفات کے وقت حضرت امام صاحبؒ کی عمر ۲۲/سال کی تھی، اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ تو رہتے ہی کوفہ میں تھے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

مولده سنة ثمانين رای انس بن مالکؓ غير مرة لماقدم عليهم الكوفة. (تذکرہ ج ۱، ص ۱۵۸)	حضرت امام صاحبؒ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی آپؒ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) کو جب وہ کوفہ گئے تو کئی دفعہ دیکھا۔

حضرت امام صاحبؒ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی آپؒ نے انس بن مالکؓ ۹۳ھ کو جب وہ کوفہ گئے تو کئی دفعہ دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضور ﷺ سے گیارہ برس کی عمر میں روایت لے سکتے ہیں، تو حضرت امام صاحبؒ حضرت انسؓ سے حدیث کیوں نہ سن سکتے تھے، یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی، کہ آپؒ نے حضرت انسؓ کی بار ہا زیارت کی ہو، اور ان سے احادیث نہ سنی ہوں، نہ حضرت انسؓ کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی مجالس میں احادیث نہ پڑھتے ہوں، یہ علیحدہ بات ہے کہ امام صاحبؒ نے انہیں روایت نہ کیا ہو۔

اہل کوفہ کی ایک منفرد عادت

اہل کوفہ حدیث کے بارے میں کچھ زیادہ ہی محتاط ہوئے ہیں، خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

ان اهل الكوفة لم يكن الواحد منهم يسمع الحديث الابعد استكماله عشرين سنة. (الکفایہ ص:۵۴)

اہل کوفہ میں سے کوئی بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث کا سماع نہ کرتا تھا۔

اس صورت حال میں بہت ممکن ہے کہ آپؒ نے ان سے احادیث سنی تو ہوں لیکن بیس سال سے کم ہونے کے باعث انہیں آگے عام روایت نہ کیا ہو، دارقطنی کا یہ کہنا کہ آپؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا تو ضرور ہے، لیکن ان سے احادیث نہیں سنیں، اس معنیٰ پر محمول ہوگا کہ بیس سال سے کم عمر کے سماع کو اہل کوفہ سماع شمار نہ کرتے تھے، اور جہاں کہیں حضرت امام صاحبؒ نے ان سے روایت کردی وہ محض تبرک کے طور پر ہوگی، اور عام عادت سے ایک استثنا ہوگا، حافظ بدرالدین عینیؒ اور ملا علی قاریؒ نے حضرت امام صاحبؒ کا صحابہؓ سے روایت لینا تسلیم کیا ہے۔

یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں، کہ حضرت امام صاحبؒ نے حضرت عائشہ بنت عجردؓ سے بھی حدیث سنی ہے اور وہ براہِ راست حضور ﷺ سے اپنا سماع پیش کرتی ہیں،۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

انا اباحنيفة صاحب الراى سمع عائشه بنت عجرد وتقول سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلم۔ (لسان المیزان ج۵)

الحاصل حضرت امام صاحبؒ تابعین میں سے تھے، اور یہ وہ فضیلت ہے جو ائمہ اربعہؒ میں سے اور کسی کو حاصل نہیں ہے، ملاعلی قاریؒ نے سندالانام پر حضرت امام صاحبؒ کی عائشہ بنت عجردؓ سے روایت نقل کی ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کی ثقاہت

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

قال محمدبن سعد العوفی قال سمعت یحییٰ بن معین یقول کان ابو حنیفة ثقة لایحدث بالحدیث الابما یحفظه ولایحدث بمالایحفظ.

محمد بن سعد عوفی نے یحیٰ بن معینؒ سے سنا وہ کہتے تھے ابوحنیفہؒ ثقہ ہیں، وہی حدیث روایت فرماتے جو آپؒ کو یاد ہوتی اور جو یاد نہ رہتی اُسے بیان نہ کرتے تھے۔

جن لوگوں نے حضرت امام صاحبؒ کی اس ثقاہت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے، ان کے پاس سوائے تعصب اور دشمنی کے اور کوئی وجہ جرح نہیں ملتی، یہ یحیٰ بن معینؒ کون ہیں، اور کس درجے کے ہیں؟ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں، علم رجال میں یہ ہم میں سب سے آگے ہیں، اب ان کی توثیق کے مقابلے میں بھلا کس کی بات سنی جاسکتی ہے، آپؒ سے اگر روایت کم ہیں تو اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ آپؒ کی شروط روایت بہت سخت تھیں۔

خطیب بغدادی یحیٰ بن معینؒ سے نقل کرتے ہیں، کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدیث نقل کرنے کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے اُسے برابر یاد رہنی چاہئے، اگر یاد نہ رہے تو اس کی روایت کرنا آپؒ کے نزدیک درست نہ تھا۔

حضرت امام صاحبؒ کے اقران

جولوگ حضرت امام صاحبؒ کواپنے وقت کے دیگر اہل علم سے جدا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت امام قرون وسطی تک صحابہ وتابعینؒ کے علم کے اسی طرح وارث شمار ہوتے رہے ہیں، جسطرح حضرت سفیان الثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام مالکؒ وغیرہم من جبال اہل العلم اور آپ کا علم اسی درجہ میں سند سمجھا جاتا رہا ہے، جس طرح ان حضرات کا، حافظ شمس الدین الذہبیؒ (۷۴۸ھ) ایک جگہ علم منطق جدل اور حکمت یونان پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

لم تكن والله من علم الصحابة والتابعين ولا من علم الاوزاعيؒ والثوريؒ، ومالكؒ، وابي حنيفةؒ، وابن ذئبؒ، وشعبة ولا والله عرفها ابن المبارك ولاابويوسفؒ ولاوكيعؒ ولاابن المهديؒ ولاابن وهب ولاالشافعيؒ ولاعفان ولاابوعبيد ولاابن المديني واحمد وابوثورالمزني والبخاري ولااثرم ومسلم والنسائي،وابن خزيمه وابن شريح وابن المنذر وامثالهم بل كانت علومهم القرآن والحديث والحديث والفقه والنحو وشبه ذالك[۱]

یہ علم بخدا اصحابہ وتابعین کے علوم میں سے نہیں نہ یہ اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ ابن ابی ذئبؒ اور امام شعبہ کے علوم میں سے ہیں، بخدا انہیں نہ عبداللہ بن مبارکؒ نے جانا نہ امام ابویوسفؒ نے نہ امام وکیعؒ نے نہ عبدالرحمٰن بن المہدیؒ نے نہ ابن وہبؒ نے اور نہ امام شافعیؒ نے الخ

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج۱،ص۱۹۲۔

کچھ انصاف کیجئے، اور دیکھئے کہ امت اسلامیہ نے جن جبال علم کو جنم دیا اور جن کے علم وفن پر یہ امت اب تک نازاں ہے، کیا ان میں بلا کسی استثناء امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کا ذکر نہیں کیا جارہا ہے، ان حضرات نے اگر حدیث کم روایت کی ہے تو اسکی وجہ یہ تھی صالحین اولین کا ایک طبقہ یہ مسلک رکھتا تھا کہ زیادہ حدیث روایت نہ کی جائے، علامہ شعبیؒ فرماتے ہیں:۔

کرہ الصالحون الاولون الاکثار من الحدیث.[۱]

علامہ ذہبیؒ مذکورہ بالا عبارت میں امام ابوحنیفہؒ کو کن ائمہ علم کے ساتھ برابر کا شریک کیا ہے، سفیان الثوریؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کے ساتھ اور یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر کسی بات پر متفق ہوجائیں، تو اسکا سنت ہونا ثابت ہونا از خود ثابت ہوجاتا ہے گو اس کی سنّیت پر کوئی نص موجود نہ ہو۔

اسحٰق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔

اذا جتمع الثوری ومالک والاوزاعی علی امر فھو سنۃ وان لم یکن فیہ نص (تذکرہ، ص ۱۹۵)

اب آپ ہی اندازہ کریں کہ حضرت امام صاحبؒ کس درجہ کے ائمہ علم کے ساتھ برابر کی نسبت رکھتے تھے اور یہ کہ آپ کے اقران میں کون کون سے جبال علم تھے۔

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج۱، ص ۷۷۔

محدثین میں اہل الرائے

ائمہ حدیث میں اہل الرائے صرف وہی حضرات ہوئے جو مجتہد کے درجہ تک پہنچے تھے، نص صریح نہ ہونیکی صورت میں کسی مسئلہ میں رائے دینا کوئی معمولی کام نہ تھا، ابن قتیبہؒ نے معارف میں اصحاب الرائے کا عنوان قائم کرکے ان میں سفیان الثوریؒ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کو بھی ذکر کیا ہے، سوا گر کسی نے امام ابوحنیفہؒ کو اہل الرائے میں لکھ دیا تو یہ ان کے مجتہدانہ مقام کا ایک علمی اعتراف ہے، محدث ہونیکا انکار نہیں پھر صرف حنفیہ کرام میں ہی اہل الرائے نہیں حافظ محمد بن الحارث الخشنی نے قضاۃ قرطبہ میں مالکیہ کو بھی اصحاب الرائے میں ذکر کیا ہے علامہ سلیمان بن عبد القوی الطّوفی الحنبلیؒ نے اصول حنابلہ پر مختصر الروضہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، اس میں ہے:۔

اعلم ان اصحاب الرأی بحسب الاضافة هم کل من تصرف فی الاحکام بالرأی فیتناول جمیع علماء الاسلام کان لان واحدا من المجتهدین لایستغنی فی اجتهاده عن نظرورأئ ولو بتحقیق المناط وتنقیحه الذی لانزاع فیه.

جان لو کہ اصحاب الرائے باعتبار اضافت تمام وہ علماء ہیں جو احکام میں فکر کو راہ دیتے ہیں، سو یہ لفظ تمام علماء کو شامل ہو گیا، کیونکہ مجتہدین میں سے کوئی بھی اپنے اجتہاد میں نظر ورائے سے مستغنی نہیں گو وہ تحقیق مناط سے ہو اور اس کی تنقیح سے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تدوین فقہ کے کام کو انجام دینے کے باعث حضرت امام صاحبؒ نے حدیث کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا، لیکن فقہی مباحث کے ضمن میں بہت سی احادیث آپ نے اپنے تلامذہ کے سامنے روایت کیں، آپؒ کی جو روایات آپ سے آگے آپ کے تلامذہ میں چلتی رہیں، انہیں حصنفکیؒ نے جمع کیا ہے، پھر ابوالموید محمد بن محمود الخوارزمی نے تمام مسانید کو ۶۶۵ھ میں یکجا جمع کیا، اسی مجموعہ کو مسندِ امام اعظمؒ کہا جاتا ہے، اس کے لائق اعتماد ہونے کے لئے موسیٰ بن زکریا الحصفکیؒ کی ثقہ شخصیت کے علاوہ یہ بات بھی لائق غور ہے کہ عمدۃ المحدثین ملا علی قاریؒ جیسے اکابر نے اس مسند امام کی شرح لکھی ہے جو ''سندالانام'' کے نام سے معروف ہے، اور علماء میں بے حد مقبول ہے امام وکیعؒ ابن الجراح کی علمی منزلت اور فن حدیث میں مرکزی حیثیت اہل علم سے مخفی نہیں ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم آپ کی مرویات سے بھری پڑی ہیں، علم حدیث کے ایسے بالغ نظر علماء کا امام ابوحنیفہؒ سے حدیث سننا اور پھر ان کے اس قدر گرویدہ ہو جانا کہ انہی کے قول پر فتوے دینا حضرت امام کی علمی منزلت کی ناقابل انکار تاریخی شہادت ہے، حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ امام الجرح والتعدیل یحیٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں:۔

وكان (وكيع) يفتي برأي ابي حنيفة وكان يحفظ حديثه كله وكان قد سمع من ابي حنيفة حديثاً كثيرا.[۱]	حضرت وکیع حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے مطابق فتوے دیتے تھے، اور آپ کی روایت کردہ تمام احادیث یاد رکھتے تھے، اور انہوں نے آپ سے بہت سی احادیث سنی تھیں۔

[۱] کتاب الانتقاء ج ۲، ص ۱۵۰ جامع العلم ج ۲، ص ۱۴۹۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (۷۴۸ھ) بھی وکیع کے ترجمہ میں لکھتے ہیں :۔

قال یحی مارأیت افضل منه یقوم اللیل ویسرد الصوم ویفتی بقول ابی حنیفة.[1]

وکیع جیسے حافظ الحدیث اور عظیم محدث کا آپ کی تقلید کرنا، اور فقہ حنفی پر فتوے دینا حضرت امام صاحبؒ کے مقام حدیث کی ایک کھلی شہادت ہے، پھر چند نہیں آپ نے ان سے کثیر احادیث سنیں۔

علم حدیث اور علم فقہ کے علاوہ آپ کی کلام پر بھی گہری نظر تھی، عراق کے کوفی اور بصری، اعتقادی فتنوں نے حضرت امام صاحبؒ کو اس طرف بھی متوجہ کردیا تھا، آپ نے محدثین کے مسلک پر رہتے ہوئے، ان الحادی تحریکات کا خوب مقابلہ کیا، خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :۔

علم عقائد اور علم کلام میں لوگ امام ابوحنیفہؒ کے عیال اور خوشہ چیں ہیں ۔[2]

حضرت علّامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

والامام ابوحنیفة انما قلت روایته لماشدد فی الروایة والتحمل. (مقدمه ابن خلدون)	اور امام ابوحنیفہؒ کی روایت قلیل اس لئے ہیں، کہ آپ نے روایت اور تحمل روایت کی شرطوں میں سختی کی ہے۔

بایں ہمہ آپ کثیر الروایۃ تھے، امام وکیعؒ نے آپ سے کثیر احادیث سنی ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ علیہ السلام کے بارے میں حضرت فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کے بعض ارشادات نقل کئے جاتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج۱،ص۲۸۲۔ [2] بغدادی ج۱۳،ص۱۶۱

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے بارے میں

حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ
کے بعض ارشادات ملاحظہ فرمائیں:-

F.M.Fainal\Jild-1\02-Muqaddama

امام ابوحنیفہؒ اورامام اوزاعیؒ کا مباحثہ

امام اوزاعیؒ سے ملاقات ہوئی امام ابوحنیفہؒ کی ، انہوں نے پوچھا کیا آپ ہی ابوحنیفہؒ ہیں ؟ فرمایا جی ہاں ! کہامیں نے سنا ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے ؟

امام صاحبؒ نے فرمایا ، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتو مجھے انکار نہیں ، انہوں نے سمجھا کہ ابوحنیفہؒ بے چارہ غریب آدمی ہے ، احادیث ان کے پاس نہیں پہنچی ، فرمایا کہ اچھا میں ایک حدیث پیش کئے دیتا ہوں ، امام اوزاعیؒ نے حدیث پیش کی ، **حدثنی زهری عن سالم عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما ان النبی صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدیه حین یرکع وحین یرفع راسهٗ من الرکوع**[۱] اب تو رفع یدین کرینگے آپ ؟ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر ایک ہی روایت پر دارو مدار ہوتو میں بھی روایت پیش کروں گا ، **حدثنی حماد عن ابراهیم النخعی عن علقمة عن ابن مسعودؓ ان النبی صلی الله علیه وسلّم کان یرفع یدیه حین یکبر ثم لایرفع.** یعنی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے ، اس کے بعد ساری نماز میں نہیں کرتے تھے ، اس پر امام اوزاعیؒ خفا ہوگئے کہ آپ حدیث جانتے ہیں ؟ میں تو حدیث پیش کرر ہا ہوں زُہری کی ، سالم کی ، عبداللہ بن عمرؓ کی ، سب جلیل القدر راوی ہیں ، آپ جانتے ہیں کہ سلسلۃ الذہب (سونے کی لڑی) زہری ، سالم ، عبداللہ بن عمرؓ ہیں ، ان میں سے کسی پر کسی روایت میں کوئی جرح وقدح نہیں کی جاسکتی ، اورآپ حمادؒ ، ابراہیم نخعیؒ

---

[۱] حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین فرماتے تھے جب رکوع فرماتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے ۱۲۔

وغیرہ پیش کرتے ہیں، پھر دیکھئے میری حدیث میں تین ہی راوی کے واسطے ہیں حضور ﷺ تک اور آپ کی حدیث میں چار راوی ہیں، تب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں، تو سند کے اعتبار سے بھی میری حدیث ارفع ہے تمہاری حدیث سے۔

امام صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تین اور چار کی بحث تو بچوں کے لئے چھوڑ دو، وہ ایک اکائی دوا کائی گنتے رہیں گے، راویوں کا راویوں سے مقابلہ کر کے دیکھ لو، بتائے آپ کے استاذ زُہری افقہ ہیں یا میرے استاذ میرے راوی حماد افقہ ہیں، حدیث کا شغل اور حدیث کا حلقہ تو زہری کا بڑھا ہوا ہے، سب دنیا جانتی ہے لیکن جہاں تک حدیث کی بات کی تہ تک پہنچ کر مسئلہ کے نکالنے اور استنباط کرنیکا تعلق ہے فقہ کا تعلق ہے اس میں حماد ہی افقہ ہیں۔

امام صاحبؒ نے کہا کہ آپ کے راوی سالمؒ ہیں اور میرے راوی ابراہیم نخعیؒ ہیں، بتایئے سالم افقہ ہیں یا ابراہیم نخعیؒ؟ انہوں جواب دیا کہ حدیث جاننے میں تو سالم افقہ ہیں لیکن جہاں تک حدیث سے مسائل کے استنباط وفقہ کا تعلق ہے اس میں ابراہیم نخعیؒ ہی بڑے ہیں، اور ابراہیم نخعیؒ کا حال یہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں بھی ان سے مسئلہ اور فتویٰ دریافت کیا جاتا تھا، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کے بعد تمہارے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں اور میرے راوی حضرت علقمہؒ ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابی ہیں اگر ان کو صحابی ہونیکا شرف حاصل نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ علقمہؒ ان سے زیادہ افقہ ہیں، امام اوزاعیؒ نے فرمایا کہ ہاں یہ بات تو صحیح ہے، پھر فرمایا امام صاحب نے کہ چوتھے راوی میرے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں ابن مسعودؓ تو ابن مسعودؓ ہی ہیں آپ جانتے ہیں انہوں نے کہا بے شک اور بات مان لی۔

کیا امام ابوحنیفہؒ کو حدیث نہیں آتی تھی؟

س :۔ اعتراض کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو حدیث نہیں آتی تھی۔

ج :۔ یہ بات کہ امام ابوحنیفہؒ کو حدیث نہیں آتی تھی، علامہ ابن خلدون کے مقدمۂ تاریخ سے پھیلی ہے ایک غیر مقلد سے میری خط وکتابت دو برس تک رہی وہ حوالہ دیتے تھے کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، اور کچھ یاد نہیں تھا، امام ابوحنیفہؒ امام ضرور تھے مگر حدیث میں صفر تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ ذرا مہربانی کر کے یہ بتایئے کہ وہ کس فن کے امام تھے؟

بتایا کہ وہ فقہ کے امام تھے، میں نے کہا ماشاء اللہ فقہ کا امام وہ ہوگا جو اصول فقہ کا ماہر ہو اور اصول فقہ چار ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اجماع، قیاس، امام ابوحنیفہؒ کو فقہ کا امام ماننا پھر یہ کہنا کہ حدیث میں صفر تھے خود فقہ سے عدم واقفیت کی بناء پر ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ فقہ کس کو کہتے ہیں؟ پھر وہ فقہ کے امام کس بناء پر تھے، یہ بیان کریں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، میں نے کہا کتاب دیکھئے ابن خلدون، اصل عربی میں ہے، اور اردو میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، اس کو دیکھ لینا میں اس کا جواب نہیں دوں گا، وہ کتاب کیا دیکھتے کہاں سے دیکھتے؟ ان کے پاس کتاب تھی ہی نہیں، میں نے کہا میں جواب نہیں دوں گا، خود کتاب دیکھئے آخر وہ اکتاتے ہوئے کہنے لگے آپ اس کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ میں نے کہا کہ میں اس واسطے جواب نہیں دیتا کہ میں آپ کا احترام کرتا ہوں، اور اس میں کچھ ایسی بات ہے جو آپ کے احترام کے خلاف ہے، اس نے کہا کیا ہے؟ میں نے کہا اس میں لکھا ہے کہ بعضے ہٹ دھرم

آدمی یوں کہتے ہیں، کہ امام ابوحنیفہؒ کوصرف چند حدیثیں یاد تھیں[1] تو اس قول کوانہوں نے مؤیدنہیں کیا، اپنا قول نہیں کہا بلکہ بعض ہٹ دھرم آدمیوں کا قول اس کو بتایا تو کیا آپ ہٹ دھرم ہیں، جومیں کہدوں، بات وہی ہے، کہ امام ابوحنیفہؒ حدیث کواس طرح بیان کرنے کے عادی نہیں تھے، کہ یوں کہیں **حدثنا فلان عن فلان عن فلان عن فلان** بلکہ حدیث سے جو مسئلہ ثابت ہوتا اسکو اصول بنا کر دستور بنا کر پیش کرنے کے عادی تھے، ان کے یہاں مجلس فقہ منعقد ہوتی تھی، چالیس تلامذہ درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے،ایک ایک مسئلہ پیش ہوتا تھا اس مسئلے پر سب اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے تھے، اور جس بات پر امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ تینوں حضرات متفق ہوجاتے تھے اس کولکھد یا جاتا تھا وہ ظاہر الروایات کہلاتی ہے، چنانچہ جامع صغیر، جامع کبیر،مبسوط، زیادات، یہ سب اسی طرز کی لکھی ہوئی ہیں اور آج بھی موجود ہیں۔

بخاری شریف میں امام ابوحنیفہؒ کی حدیث نہ ہونے کا جواب

کہتے ہیں بخاری شریف میں کوئی حدیث امام ابوحنیفہؒ کی سند سے نہیں آئی ہے تحقیقی جواب وہ ہے جس کو ہمارے اکابر نے بیان کیا کہ جن محدثین کے تلامذہ اتنی کثرت سے موجود تھے کہ وہ اپنے استاذ کی احادیث کو جمع رکھ سکتے ہیں، محفوظ کرسکتے ہیں، ان کی طرف امام بخاریؒ وغیرہ نے زیادہ التفات نہیں کیا، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ انہیں میں سے ہیں، ہاں جن ائمہ ومحدثین کے یہاں اتنے تلامذہ وطلباء موجود نہیں کہ جوانکی احادیث کومحفوظ رکھ سکیں،

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص ۳۴۰ رج ۲ رمطبوعہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی

ان کی احادیث کو جمع کرنیکا اہتمام کیا تاکہ وہ ضائع نہ ہوجائیں، امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ میں ابھی گذرا کہ چالیس تو درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں کہ برابرانہوں نے اجتہاد کیا مسائل نکالے استنباط کیا اور فقہ کی جزئیات کو اکٹھا کرتے رہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی روایت سے صحیحین کا خالی ہونا

ارشاد فرمایا کہ مجھ سے بعض لوگوں نے کہا کہ صحیحین (بخاری ومسلم) امام ابوحنیفہؒ کی روایت سے خالی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ حدیث میں کمزور تھے، میں نے عرض کیا کہ امام شافعیؒ تو مشہور محدث ہیں صحیحین ان کی روایت سے کیوں خالی ہیں؟ نیز امام بخاریؒ کے استاذ امام احمد بن حنبلؒ ہیں مدت تک امام بخاریؒ ان کی خدمت میں رہے لیکن بخاری میں ان سے صرف ایک روایت لی ہے، وہ بھی احمد بن الحسنؒ کے واسطے سے، باب کم غزی النبی ﷺ ج ۲ رص ۶۴۲ ر پر حدیث **شهران لاینقصان شهراعید** الخ کے تحت ہے قال احمد بن حنبل" **ان نقص رمضان تم ذوالحجة وان نقص ذوالحجة تم رمضان**" معلوم ہوا کہ صحیحین کا امام صاحب کی روایت سے خالی ہونا ان کے حدیث میں کمزور ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی، ورنہ امام شافعیؒ وامام احمدؒ جیسے مشہور محدثین کو بھی ضعیف کہنا پڑے گا، اور آپ اس کے لئے تیار نہ ہوں گے۔

حدیث بیان کرنے کے مختلف طریقے

پھر ایک طریقہ حدیث بیان کرنے کا محدثین کا ہے **حدثنی فلان عن فلان عن فلان** اس طرح بیان کرتے چلے جاتے ہیں، ایک طریقہ فقہاء کا ہے، خاص کر امام ابوحنیفہؒ کا، عامۃً اس طرح نہیں کرتے۔

حدثنی فلان عن فلان، بلکہ حدیث سے کوئی مسئلہ ثابت ہوتا ہے، اس کو بصورت قانون بیان کرتے ہیں، کہ مسئلہ یہ ہے، جیسے کسی بزرگ کے متعلق جب آپ انکی خدمت میں ملاقات کیلئے جائیں ان کا کوئی خادم یہ کہے کہ مجھ سے فلاں شخص نے بیان کیا، ان سے فلاں شخص نے بیان کیا، اسوقت ملاقات نہیں ہوسکتی دوسرا خادم یہ کہتا ہے کہ بھئی یہ وقت ملاقات کا نہیں ہے، ساری سند حذف کی مختصر کر کے بس یہی کہہ دیا کہ اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی یہ بات بیان نہیں کی کہ مجھ سے فلاں نے بیان کیا اس سے فلاں نے بیان کیا، بس ضابطہ کلیہ بیان کر دیا، یہی چیز فقہاء نے بیان کی یہ بھی حدیث ہے اسکے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "**ازالة الخفا**" میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ سے احادیث کے دفتر کے دفتر بھرے ہوئے ہیں، اب وہ دفتر کے دفتر کہاں ہیں، معلوم نہیں ہوتا، ذرا سی طلب اور تلاش کیجئے، آپ قدوری پڑھئے، جامع صغیر پڑھئے، اوران میں جو مسائل بھرے پڑے ہیں ان مسائل کو تلاش کر کے دیکھئے عامۃً وہ متون حدیث ہیں، مثلاً ایک متن ہے، **اذااستیقظ احدکم من منامہٖ فلایغمسن یدہٗ فی الاناء حتی یغسلھا ثلثاً فانه لایدری این باتت یدہٗ**[1] اس کو نہیں کہیں گے کہ یہ حدیث ہے بلکہ ایک مسئلہ بیان کر رہے ہیں، کہ سو کر اٹھو تو پہلے ہاتھ دھوؤ۔

---

[1] جب تم میں کوئی اپنی نیند سے بیدار ہوں تو اپنا ہاتھ تین مرتبہ دھونے سے پہلے برتن میں داخل نہ کرے اسلئے کہ اسکو نہیں معلوم اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری ہے۔۱۲

ایک قانون ہے خدا کا، اس میں راوی مذکور نہیں، راوی کے ذریعہ سے یہ حدیث مذکور نہیں بلکہ ایک چیز اصولِ کلی ہے۔

اسی طرح **اذا خرج الامام فلاصلوٰۃ ولا کلام** (جب امام جمعہ کی نماز کے لئے نکلے تو نہ نماز ہے نہ کلام ہے) تم خاموش ہو جاؤ، امام کے خطبہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ، خطبہ سنو، یہ حدیث ہے زہری سے نقل کیا ہے فتح الباری نے۔

اسی طرح **لامھر اقل من عشرۃ دراھم**[۱] فتح القدیر میں ہے ابن حجرؒ نے اس حدیث کو بیان کیا سند کے ساتھ اور فرمایا کہ یہ کم سے کم حسن ہے اس سے کم درجہ کی نہیں ہے، لیکن ہدایہ میں اس کو مسئلۂ متن بیان کر دیا گیا ہے، کہ دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہے، اسی طریقہ پر آپ تلاش کریںگے تو فقہ کی کتابوں میں آپ کو بہت سارے الفاظ وہی ملیں گے۔

البتہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث ہے۔

بلکہ مزاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا، حضور ﷺ کی احادیث کو پہچانا ان کو سمجھا اور سمجھ کر امام ابوحنیفہؒ نے کتابوں میں اس کو پیش کیا کہ یہ اصول ہے قانون ہے۔

---

[۱] دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ۱۲۔

بخاری شریف میں بیس روایات کے سب راوی حنفی ہیں

ارشاد فرمایا کہ بخاری شریف میں ۲۲؍حدیثیں ثلاثی ہیں ان میں سے بیس احادیث ایسی ہیں جن میں راوی سب حنفی ہیں، اور دو حدیثوں میں غیر حنفی ہیں اسی طرح امام بخاری کے استاذ امام احمد بن حنبلؒ ہیں، مگر پوری بخاری شریف میں صرف چار جگہ امام احمد ابن حنبلؒ کا نام ہے، حالانکہ امام احمد بہت بڑے محدث ہیں، امام بخاریؒ نے ان کا تذکرہ صرف چار جگہ کیا ہے۔ (جن کی تفصیل ملفوظات قسط سوم، ص ۱۱۰ پر آگئی ہے ملاحظہ کرلیا جائے، اور شور ہے کہ بخاری شریف امام ابوحنیفہؒ کی روایت سے خالی ہے حالانکہ امام شافعیؒ کی بھی تو کوئی حدیث بخاری میں نہیں، ایک کتاب ہے علامہ حازمی کی ''شروط الائمۃ الخمسہ'' اس پر حاشیہ ہے علامہ زاہد کوثری کا، وہ حاشیہ کتاب کے مقابلہ میں بہت عمدہ ہے، اور صرف اسی مسئلہ پر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی احادیث بخاری میں کیوں نہیں ہیں۔

حضرت امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ)

آپؒ محدث تھے اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے، علامہ ذہبیؒ آپکو شیخ الاسلام اور الحافظ لکھتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ آپ اس قابل تھے کہ آپؒ کو خلیفہ وقت بنایا جائے،[۱] امام ابوزرعہؒ (۲۸۱ھ) فرماتے ہیں، کہ امام اوزاعیؒ سے دین اور فقہ کا بڑا ذخیرہ منقول ہے، آپؒ اہل شام کے مرجع اور مفتی اعظم تھے، مدتوں اہل شام میں آپؒ کی پیروی جاری رہی، امام ابن مہدیؒ کا بیان ہے کہ حدیث کے مرکزی امام چار ہیں، جن میں امام اوزاعیؒ بھی شامل ہیں، اور فرمایا کہ ان سے بڑا سنت کا کوئی عالم نہ تھا،[۲] امام ابواسحٰق فزاریؒ کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کے لئے خلفیہ انتخاب کرنے کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں امام اوزاعیؒ کا انتخاب کروں گا، اہل شام کے ساتھ اہل اندلس میں بھی، ایک عرصہ تک آپؒ کی تقلید جاری رہی[۳] آئمہ اربعہؒ بھی اس وقت کے امام متبوع رہے، عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اسی جہت سے کہا کرتے تھے کہ آپؒ امام فی السنہ ہیں،[۴] امام فی الحدیث نہیں، اس سے مراد ان کے محدث ہونے کا انکار نہ تھا، مطلب یہ تھا کہ آپؒ سنت قائمہ میں منسلک ہوئے، اور امت کے ایک طبقہ میں آپؒ کی پیروی جاری ہوئی۔

حافظ ابن کثیر آپؒ کو امام الجلیل علامۃ الوقت اور فقیہ اہل شام لکھتے ہیں، امام عبید اللہ بن عبدالکریمؒ (۲۶۴ھ) نے فرمایا کہ میں نے امام اوزاعیؒ سے بڑا عقلمند، پرہیزگار، عالم، فصیح باوقار، حلیم اور خاموش طبع کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔[۵]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ۔ [۲] تہذیب التہذیب، ص ۲۳۹ ج ۶۔ [۳] تذکرہ ج ۱، ص ۱۹۸۔

[۴] البدایہ والنہایہ، ج ۱۰، ص ۱۱۵ [۵] الاکمال، ص ۶۸۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۱ھ)

آپؒ کوفہ کے رہنے والے تھے کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کی آمد کے باعث علم کا گہوارہ بنا ہوا تھا، گو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مسند نشین حضرت امام ابوحنیفہؒ ہوئے، مگر اس میں شک نہیں کہ اختلافِ ائمہ میں اہل کوفہ کے الفاظ ان کو بھی شامل سمجھے جاتے ہیں، صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں:۔

سفیان الثوری امام فی الحدیث ولیس بامام فی السنة والاوزاعی امام فی السنة ولیس بامام فی الحدیث ومالک بن انسؓ امام فی جمیعها۔[۱]

آپؒ نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا تھا، جس کا نام جامع سفیان ثوری تھا، یہ مجموعہ آپؒ نے کوفہ میں تحریر کیا تھا، فتح الباری وغیرہ میں جامع سفیان الثوریؒ کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔[۲]

عن ثابت الزاهد قال کان اذا اشکل علی الثوری مسئلة قال ما یحسن جوابها الامن حسدناه ثم یسأل عن اصحابه ویقول ما قال فیه صاحبکم فیحفظ الجواب ثم یفتی به.[۳]

ثابت زاہدؒ جو کہ امام سفیان ثوریؒ کے تلامذہ اور امام بخاری اور امام ترمذیؒ کے اساتذہ میں ہیں، کہتے ہیں کہ جب امام سفیان ثوریؒ کو کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو فرماتے کہ اس کا جواب بہتر طور پر وہی دے سکتا ہے، جس پر ہم لوگ (یعنی تم لوگ) حسد کرتے ہیں، یعنی امام ابوحنیفہؒ پھر امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ سے پوچھتے کہ بتلاؤ تمہارے استاذ اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں، اور پھر اس کو یاد رکھتے اور اسی کے مطابق فتوے دیتے تھے۔

۱؎ الاکمال، ص ۶۲۸ ۲؎ دیکھئے فتح الباری کتاب الجهاد، ج ۶ ص ۵۳۔

۳؎ کتاب المناقب للموفق ج ۱ ص ۲۶۸

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حدیث کا عالم فقط وہی نہیں جسے کہ حدیث کے الفاظ یاد ہوں، بلکہ حدیث کا اصل عالم اور امام وہی ہے، جو حدیث کے معانی اور اس کے حقائق ودقائق کو بخوبی سمجھتا ہو، اور حدیث کی حفاظت وخدمت کا جذبہ رکھتا ہو، امام ابوحنیفہؒ حدیث کے اس قدر قائل تھے، کہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے ”**الحديث الضعيف احب الى من راى الرجال**“ ان کا مشہور قول ہے کوفہ کے محدثین حدیث کے بغیر فقیہ بننا جرم سمجھتے تھے۔

وكان سفيان الثورى وابن عيينه وعبدالله بن سنان يقولون لو كان احدنا قاضياً لضربنابالجريدفقيها لايتعلم الحديث ومحدثا لايتعلم الفقه. لوائح الانوار، ص۳۶

سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ اور عبداللہ بن سنان کہا کرتے تھے کہ اگر ہم میں سے کوئی قاضی ہوجائے تو دو شخصوں کو ضرور کوڑے لگائیں ایک وہ کہ جو فقہ سیکھتا ہو اور حدیث کا علم حاصل نہ کرتا ہو، اور ایک وہ جو حدیث پڑھتا ہو اور فقہ حاصل نہ کرتا ہو۔ لوائح الانوار، ص۳۶۔

علامہ ذہبیؒ نے امام ثوریؒ کو الامام، شیخ الاسلام، سید الحفاظ اور الفقیہ لکھا ہے[۱] امام شعبہؒ وابن معینؒ اور ایک کثیر تعداد جماعت کہتی ہے، کہ سفیانؒ فن حدیث میں امیر المؤمنین تھے، ابن مبارکؒ نے کہا کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث کی سماعت کی ہے، جن میں سفیان ثوریؒ سے افضل کسی کو نہ پایا، امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں، کہ اس سرزمین پر کوئی بھی ایسا نہیں رہا کہ جس پر تمام امت متفق ہو، ہاں مگر حضرت سفیان ثوریؒ ایسے ضرور تھے،[۲] حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ احد ائمۃ الاسلام اور عابد ومقتدیٰ اور احد التابعین تھے،[۳] علامہ خطیب لکھتے ہیں:۔

[۱] تذکرہ ج۱، ص۱۹۰۔

[۲] ایضاً۔ [۳] البدایہ والنہایہ، ج۱۰، ص۱۳۴۔

کہ وہ ائمہ مسلمین میں سے تھے اور بڑے امام اور اعلام دین کے بہت بڑے عالم تھے، سب کا انکی امامت پر اتفاق ہے،[۱] امام سیوطیؒ لکھتے ہیں آپؒ کے مقلد پانچویں صدی کے بعد تک پائے جاتے رہے ہیں۔[۲]

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ)

حضرت امام مالکؒ امام دار الہجرۃ کے نام سے معروف ہیں، حدیث کی خدمت میں آپؒ نے حدیث کی مشہور کتاب موطأ تالیف کی، اس کتاب کو مرتب کرنے کے بعد بعد ستر علماء کے سامنے پیش کیا گیا، تو سب نے مواطات (موافقت) ظاہر کی، اسی لئے اس کا نام موطأ رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے قول کے مطابق موطأ میں سترہ سو کے قریب روایات ہیں، جن میں سے ۶۰۰ ر مسند اور ۳۰۰، مرسل ہیں، بقایا فتاویٰ صحابہؓ اور اقوال تابعین ہیں، حضرت امام مالکؒ سے موطأ پڑھنے والے حضرت امام شافعیؒ اندلسی، یحیٰ اور امام محمدؒ کے اسماء سرفہرست ہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ **اصح الکتاب بعد کتاب اللہ المؤطا** ہے مگر یہ بات اس وقت کی ہے جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم تالیف نہ ہوئی تھیں محدث نے الفاظ حدیث کی خدمت کی تو اس کا نام حافظ حدیث ہوا اور مجتہد نے معانی حدیث کی خدمت کی تو اس کا لقب عالم حدیث اور فقیہ ہوا، امام مالکؒ میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں خصوصیات ودیعت فرمائی تھیں، کہ احادیث کا ذخیرہ بھی جمع کیا اور فقہ کے بھی امام ٹھہرے۔

---

[۱] بغداد، ج۹، ص۱۵۲۔ [۲] تہذیب التہذیب ج۴، ص۱۱۴۔

اخرج ابن حاتم من طریق مالک بن انسؓ عن ربیعة قال ان اللّٰہ تبارک وتعالیٰ انزل الیکم الکتاب مفصلا وترک فیہ موضعا للسنة وسن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم وترک فیھا موضعا للرأی.[۱]

امام مالکؒ امام ربیعہؒ سے نقل کرتے ہیں، کہ ربیعہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مفصل کتاب نازل فرمائی، اوراس میں حدیث کیلئے جگہ چھوڑی اور آنحضرت ﷺ نے بہت سی باتیں حدیث میں بیان فرمائیں، اورقیاس کے لئے جگہ رکھی۔

الفاظ مقصود بالذات نہیں، مقصود اطاعت اور اتباع شریعت ہے، اور یہ مقصد معانی کے سمجھنے سے ہی حاصل ہوسکتا ہے، مقصود بالذات معنی ہیں، الفاظ نہیں، الفاظ مقصود بالغرض ہیں۔

امام مالکؒ تبع تابعینؒ کے طبقہ میں تھے، آپ کے شیوخ واساتذہ کی تعداد نوسوتھی جن میں تین سوتابعینؒ اور چھ سو تبع تابعینؒ تھے،[۲] امام شافعیؒ کا فرمان ہے، کہ آپؒ کو اگر حدیث کے ایک ٹکڑے پر بھی شک پڑ جاتا تو پوری کی پوری ترک کردیتے تھے، محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے، مشہور ہے کہ جس کے راوی مالکؒ نافعؒ سے اور نافعؒ ابن عمرؓ سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے،[۳] لیث ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ جیسے مشاہیر امت آپؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، اور ابن وہبؒ فرماتے ہیں، کہ میں نے مدینہ میں منادی سنی کہ مدینہ میں ایک مالک بن انسؒ اور ابن ابی ذئبؒ کے سوا کوئی فتویٰ نہ دیا کرے،[۴] امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، کہ میں نے اسحٰق بن ابراہیمؒ سے سناوہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ کسی مسئلہ پر متفق ہوجائیں، تو وہی مسئلہ حق اور سنت ہوگا، اگرچہ اس میں نص نہ موجود

---

[۱] درمنثور للسیوطی۔ [۲] تہذیب الاسماء للنووی۔

[۳] ترجمان السنہ ج۱، ص۲۴۲۔ [۴] مشاہیر امت، ص ۲۹، از قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ۔

ہو[۱] ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ ثقہ، مامون، ثبت، متورع، فقیہ عالم، اور حجت ہیں[۲]
علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ الامام الحافظ فقیہ الامت شیخ الاسلام اور امام
دارالہجرت تھے،[۳] آپؒ کا مسلک زیادہ تر اُندلس ومغرب پہنچا،[۴] افریقی ممالک خصوصاً
مغربی افریقہ میں زیادہ تر انہی کے مقلد ہیں، بس جلالت علم کے باوجود وہ امام ابوحنیفہؒ
کے معتقد تھے، **نظر مالک فی کتب ابی حنیفةؒ وانتفاعه بها کما رواہ الدراوردی**
وغیرہ،[۵] سو یہ حقیقت ہے کہ امام مالکؒ کا امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو دیکھنا اور ان سے
نفع حاصل کرنا ثابت ہے۔

---

۱ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۹۵،
۲ تہذیب التہذیب، ج۱۰۔
۳ تذکرہ، ج۱، ص۱۹۳،
۴ بستان المحدثین، ص۲۶۔
۵ انتفاء، ص۱۴۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۲ھ)

الامام القاضی یعقوب ابو یوسفؒ کوفہ میں پیدا ہوئے، حدیث کے بہت بڑے عالم اور امام تھے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے آپؒ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحیٰ بن معینؒ آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے، آپ اپنے دور قضا میں ہر روز دو دو سو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے، ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں قاضی القضاۃ کا لقب دیا گیا، آپؒ امام ابوحنیفہؒ کے معروف تلامذہ میں سے تھے سترہ سال آپؒ کے ساتھ رہے، سب سے پہلے اصولِ فقہ آپؒ نے ہی مرتب کئے۔

ابن خلکان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

ولم یختلف یحیٰ بن معین واحمد بن حنبل وعلی ابن المدینی فی ثقته فی النقل[۱]

نقل کے بارے میں یحیٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینی کو آپؒ کی ثقاہت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

امام ابن عبد البرؒ امام طبریؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ فقیہ عالم اور حافظ تھے، پچاس ساٹھ تک احادیث وہ ایک ہی مجلس میں یاد کرایا کرتے تھے،

[۱] ترجمان السنہ ج۱ ص۲۵۰۔

F.M.Fainal\Jild-1\02-Muqaddama

اور وہ کثیر الحدیث تھے[۱] علامہ ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ ابو یوسفؒ حسن الحدیث ہیں،[۲] امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے حدیث کا شوق پیدا ہوا تو سب سے پہلے امام ابو یوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا،[۳] اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ کس درجہ کے محدث تھے، علامہ عبد القادرؒ (۶۹۶ھ) کہتے ہیں کہ مشرق ومغرب تک کی قضا ان کے سپرد تھی،[۴] امام نسائیؒ آپ کو ثقہ لکھتے ہیں، امام بیہقیؒ نے بھی آپ کو ثقہ فرمایا ہے،[۵] امام مزنیؒ کا بیان ہے کہ فقہاء اور اصحاب الرائے میں ابویوسفؒ سب سے زیادہ حدیث کی اتباع کرنیوالے تھے،[۶] امام ابن معینؒ آپؒ کو صاحب حدیث اور صاحب سنت کہتے ہیں،[۷] اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اصحاب الرائے میں آپؒ سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے تھے، اور اثبت فی الحدیث تھے، علامہ ذہبیؒ نے آپؒ کو الامام العلامہ اور رافقہ العراقین لکھا ہے،[۸] امام ابن قتیبہؒ (۲۷۶ھ) بھی آپؒ کو صاحب سنت اور حافظ لکھتے ہیں،[۹] ہلال بن یحییٰؒ نے فرمایا کہ تفسیر ومغازی اور تاریخ عرب کے حافظ تھے، اور فقہ تو آپؒ کے علوم کا ادنیٰ جزء تھا، آپؒ نے اعمشؒ، ہشام بن عروہؒ، سلیمان تیمی، ابو اسحاق شیبانیؒ، یحییٰ بن سعید الانصاری سے بھی احادیث روایت کیں، آپؒ نے مختلف علوم میں تصانیف کیں، ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست لکھی ہے، کتاب الخراج آپؒ کی مشہور تصنیف ہے، جو خلیفہ ہارون الرشید کے نام آپؒ کی چند تحریروں کا مجموعہ ہے،[۱۰] آپ کا ارشاد ہے:۔

"وكنت ربما ملت الى الحديث فكان هو ابصر بالحديث الصحيح منى".[۱۱]

۱؎ انتقاء، ص۱۷۲۔ ۲؎ تلخیص المستدرک ج۱، ص۲۷۷۔ ۳؎ بغدادی، ج۴، ص۲۵۵۔ ۴؎ الجواہر المنیفہ ج۲ رص۲۶۱ ۵؎ کتاب الضعفاء الصغیر ص۸۲۔ ۶؎ البدایہ والنہایہ، ص۱۸۰، ج۱۰۔ ۷؎ تذکرہ، ج۱، ص۲۷۰۔ ۸؎ معارف ابن قتیبہ، ص۱۷۱۔ ۹؎ ترجمان السنہ ج۱، ص۲۴۹۔ ۱۰؎ سیرت النعمان، ص۱۷۱-۱۷۲۔ ۱۱؎ مقدمہ اعلاء السنن، ص۲۔

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹ھ)

آپؒ امام ابوحنیفہؒ کے نہایت قابل اعتماد شاگرد تھے، بلکہ یوں کہئے کہ حضرت امام صاحبؒ کے علوم زیادہ تر آپؒ ہی کے ذریعہ پھیلے، آپ نے حضرت امام صاحبؒ کی وفات کے بعد مزید تکمیل امام ابو یوسفؒ سے کی اور اس کے بعد امام مالکؒ سے بھی موطأ سنا، مگر جو عقیدت حضرت امام صاحبؒ سے ہو چکی تھی، اس کے نقوش کسی دائرہ علم میں مٹ نہ سکے، ابوعبیدہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر قرآن کا عالم اور کوئی نہیں دیکھا مشہور ہے کہ آپؒ نے علوم دینیہ میں ۹۹۰؍ کتب تصنیف کیں[۱] امام شافعیؒ بھی آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے، حدیث کی مشہور کتاب، موطأ امام محمدؒ، آپؒ ہی کے نام سے معنون ہے اسکی محدثِ کبیر ملا علی قاریؒ نے مبسوط شرح لکھی ہے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے التعلیق الممجد کے نام سے اس پر ایک مبسوط حاشیہ لکھا ہے[۲] موطأ امام مالکؒ اور موطأ امام محمدؒ ہر دو کتب آج بھی دینی مدارس میں دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہیں، امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے بقدر ایک اونٹ کی کتابوں کے علم حاصل کیا[۳] امام بخاریؒ کے استاذ یحیٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع صغیر خود امام محمدؒ سے لے کر لکھی ہے، جو ان کی مشہور تصنیف ہے، امام حربیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ آپؒ یہ

---

۱ الفوائد البہیہ و ترجمان السنہ، ج۱، ص۲۵۱۔

۲ بستان المحدثین، ص۳۹

۳ تہذیب الاسماء، ج۱، ص۸۱۔

مسائل دقیقہ کہاں سے بیان فرماتے ہیں، تو کہا کہ امام محمدؒ کی کتب سے،[1] امام محمدؒ نے مسعر بن کدامؒ، سفیان ثوریؒ، مالک ابن دینارؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ حضرات سے بھی احادیث روایت کیں، امام محمدؒ کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے، مگر وہ تفسیر، حدیث اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں، امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے تیس ہزار ترکہ میں چھوڑے تھے، پندرہ ہزار میں نے نحو، شعر اور ادب پر خرچ کئے، اور پندرہ ہزار فقہ وحدیث کی تعلیم پر صرف کئے،[2] امام دار قطنیؒ (۳۸۵ھ) آپؒ کو ثقات اور حفاظ حدیث میں شمار کرتے ہوئے،:۔

ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بیس عدد ثقات اور حفاظ حدیث نے بیان کی ہے، جن میں امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ، یحیٰ بن سعید القطانؒ، عبد اللہ بن المبارکؒ، عبد الرحمٰن بن مہدیؒ اور ابن وہبؒ وغیرہ شامل ہیں[3]۔

۱؎ تہذیب الاسماء

۲؎ بغدادی، ص۱۷۳، ج۲، ص۱۷۳۔

۳؎ نصب الرایہ، ج۱/ص۴۰۹۔

حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)

امام محمدؒ بن ادریس الشافعیؒ کی پرورش انتہائی نامساعد حالات اور تنگدستی میں ہوئی، بسا اوقات آپؒ کو علمی یادداشتوں کو تحریر کرنے کے لئے کاغذ بھی میسر نہ آتا تھا، آپؒ جانوروں کی ہڈیوں پر بھی لکھ لیتے تھے، تیرہ سال کی عمر میں امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے موطأ حفظ کر چکے تھے، دوسرے سال عراق چلے گئے، آپؒ کو پندرہ سال کی عمر میں آپؒ کے شیخ مسلم بن خالدؒ نے فتوے نویسی کی اجازت دیدی تھی، علم حدیث وفقہ اور تفسیر وادب میں کمال حاصل کیا، امام نوویؒ نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کے فرمانے پر آپؒ نے اصولِ فقہ پر ''الرسالہ'' تحریر کیا، آپؒ کو اصول فقہ کا موسس کہا جاتا ہے، فقہ میں آپؒ صرف صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک کردیتے، آپؒ کی تصنیف کتاب الام اور الرسالہ آج بھی دستیاب ہیں

وقال الزعفرانی کان اصحاب الحدیث رقوداً حتیٰ ایقظھم الشافعی وقال ربیع بن سلیمان کان اصحاب الحدیث لایعرفون تفسیر الحدیث حتی جاء الشافعیؒ[۱]

زعفرانیؒ کہتے ہیں کہ اصحاب حدیث محوخواب تھے، امام شافعیؒ نے آکر انہیں بیدار کیا (یعنی معانی اور فقہ کی طرف متوجہ کیا) ربیع بن سلیمانؒ کہتے ہیں کہ اصحابِ حدیث تفسیر اور شرح سے واقف نہ تھے، امام شافعیؒ نے آکر حدیث کے معانی سمجھائے۔

---

[۱] توالی التاسیس لحافظ ابن حجرؒ، ص ۵۹،

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ آپؒ کی تعریف یوں کرتے ہیں:۔

الامام العلم، حبر الامت وناصر السنۃ[۱]۔ اونچے درجے کے امام امت کے عالم اور سنت کے مددگار تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں اگر امام شافعیؒ نہ ہوتے تو میں حدیث کے ناسخ ومنسوخ کو ہرگز نہ پہنچتا، ان کی مجلس میں بیٹھنے سے مجھ کو یہ سب کچھ حاصل ہوا[۲]، علماء کا آپؒ کی ثقاہت وعبادت اور نزاہت وامانت اور زہد وورع پر اتفاق ہے، حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ جب بغداد تشریف لائے، تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس حلقۂ درس کو چھوڑ دیا، جس میں یحیٰ بن معین اور ان کے معاصرین شریک ہوتے تھے، اور امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی، حتی کہ امام شافعیؒ کہیں جاتے تو امام احمدؒ ان کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے، یحیٰ بن معینؒ کو یہ ناگوار گزرا اور کہہ بھیجا کہ یہ طریقہ ترک کردیں، امام احمد بن حنبلؒ نے کہلا بھیجا کہ اگر فقہ (مفہوم حدیث) سمجھنا چاہتے ہو تو امام شافعیؒ کی سواری کی دُم پکڑ کر چلو، آپؒ کے خادم بنو[۳] آپؒ فقہ وحدیث کے امام اور جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سخی بھی تھے، بقول حمیدیؒ آپ ایک مرتبہ صنعاء سے تشریف لائے، خیمہ مکہ سے باہر لگا ہوا تھا، اور آپؒ کے پاس دس ہزار دینار تھے، لوگ آپؒ کی ملاقات کیلئے آتے تھے، تو آپؒ ان میں تقسیم فرماتے، یہاں تک کہ دس ہزار دینار اسی جگہ تقسیم کردیئے[۴]۔

---

۱ تذکرہ، ج۱، ص۳۰۹۔

۲ مشاہیر امت از قاری محمد طیب صاحب، ص۲۸،

۳ توالی التاسیس (ابن حجر) ص۵۷۔

۴ ترجمان السنۃ، ج۱، ص۲۴۰

شروع شروع میں تحقیق اسناد پر آپؒ کی توجہ زیادہ تھی، ان کے یہاں حدیث کی قبولیت کا معیار اس کی صحت سند تھا، استفاضہ عمل کو کچھ نہ سمجھتے تھے، لیکن آخری دور میں آپؒ بھی اس طرف چلے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا نظریہ تھا، کہ تواترِ عمل کے ہوتے ہوئے، اسناد کی ضرورت نہیں رہتی، بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں ان کے پاس کوئی صحیح حدیث نہ تھی، آپؒ نے یہاں اہل مکہ کے عملی استفاضہ سے استدلال کیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

وقال الشافعي وهكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة. (جامع ترمذی، ج ۱/ص ۱۳۹)

اور امام شافعیؒ نے کہا اور اسی طرح پایا ہم نے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔

اس فکری تبدیلی کے باعث بہت سے مسائل میں آپؒ کے دو دو قول ملتے ہیں قول قدیم اور قول جدید، اور فقہاء شافعیہ میں اس کی بحث رہی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے تفردات

کبھی آپؒ اپنی تحقیق میں سب ائمہ کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں، ان مسائل کو آپ کے تفردات کہا جاتا ہے، فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھنے میں آپؒ دوسرے سب اماموں سے علیحدہ ہیں، امام احمد بن حنبلؒ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے، مگر اسے فرض نہ سمجھتے تھے، ائمہ اربعہ میں سے تین امام، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض نہیں کہتے، امام شافعیؒ اس مسئلہ میں سب سے علیحدہ ہیں، اس طرح آپؒ کے کچھ اور تفردات بھی ہیں۔

مسئلہ طلاق میں آپؒ جمہور امت کے ساتھ ہیں، منفرد نہیں، آپؒ ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو تین طلاق قرار دیتے تھے، آپؒ کے مقلدین کو بھی اس مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں ہوا، ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق گو سنت کے خلاف ہے طلاق بدعت ہے، لیکن اس کے واقع ہو جانے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں۔

حضرت امام نوویؒ شافعیؒ لکھتے ہیں:۔

وقداختلف العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلثا فقال الشافعيؒ ومالك وابوحنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث[1].

سو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ مسئلہ طلاق میں آپ دوسرے ائمہ سے منفرد تھے، اور ان کا طریقہ موجودہ دور کے غیر مقلد حضرات کا سا تھا۔

آپؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا بہت احترام کرتے دل ودماغ سے ان کی جلالتِ علمی کا اعتراف کرتے، ایک دفعہ حضرت امام صاحبؒ کی مسجد میں نماز پڑھی تو رکوع کے وقت رفع یدین نہ کیا، لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ حضرت امام صاحبؒ کا علمی رعب میرے دل پر چھا گیا تھا، احترام اکابر کی اس سے روشن مثال اور کیا ہوگی۔

---

[1] نووی شرح مسلم، ج۱، ص۲۹۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)

اپنے زمانہ کے متفق علیہ امام اور جلیل القدر محدث تھے، علی بن المدینیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو دو اشخاص کے ذریعہ عزت نصیب فرمائی، پہلے شخص فتنہ ارتداد کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، اور دوسرے فتنۂ خلقِ قرآن کے وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ تھے، امام احمدؒ امام المحدثین تھے، بخاری، مسلم، اور ابوداؤد سب حضراتؒ آپؒ کے تلامذہ میں سے ہیں، آپؒ صاحب مذہب ہیں، آپؒ کی فقہ فقہ حنبلی کے نام سے موسوم ہے، آپؒ کو ایک لاکھ کے قریب احادیث یاد تھیں، آپ کی مسند احمد میں بہت سی وہ احادیث جمع ہیں جو دوسرے محدثین کے ہاں نہیں ملتیں، ثابت قدمی حق گوئی، اور اتباع سنت میں اپنی مثال آپ تھے، یہ آپؒ کا استقلال ہی تھا کہ فتنہ خلقِ قرآن میں روزانہ کوڑے کھاتے مگر خلقِ قرآن کا اقرار ہرگز نہ کرتے جب انتقال ہوا تو آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں جنازہ میں شریک ہوئیں۔

حنبل بن اسحٰق جو امام احمدؒ کے بھتیجے ہیں، انہوں نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ آپؒ نے مسند احمد سات لاکھ سے زیادہ ذخیرۂ احادیث سے منتخب کی ہے۔

علامہ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) اپنی سند کے ساتھ احمد بن محمد بن خالد البراثی سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک شخص امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حلال وحرام کے مسئلے کے بارے میں دریافت کیا؟ انہوں نے کہا خدا تجھ پر رحم کرے، کسی اور سے پوچھ لے، سائل نے کہا حضرتؒ ہم تو آپؒ

ہی سے اس کا جواب سننا چاہتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:۔

سل عافاک اللّٰہ غیرنا سل الفقہاء سل اباثور. (بغدادی، ج٦، ص......)

اللہ تعالیٰ تجھے عافیت سے رکھے کسی اور سے پوچھ لے فقہاء سے پوچھ ابوثور سے پوچھ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ پر حدیث کا غلبہ تھا، فقہ میں آپؒ دوسرے ائمہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتے تھے، آپؒ سرخیل محدثین اور مقتدائے ملت ہیں اور اہل سنت کے امام ہیں، مگر مسائل کے بارے میں کس قدر احتیاط سے چلتے ہیں کہ دوسرے فقہاء کا راستہ دکھاتے ہیں، اور خود فتوے دینے سے حتی الوسع احتراز کرتے ہیں، آپؒ فقہاء کی طرف رجوع کرنے کا اس لئے حکم دیتے کہ فقہاء قرآن وحدیث کے کے مطابق ہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں، علامہ ذہبیؒ، امام احمدؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں، شیخ الاسلام سید المسلمین، الحافظ، اور الحجۃ[١] امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں امام احمدؒ سے بڑا کوئی نہیں دیکھا[٢] محدث ابراہیم حربیؒ کہا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ میں اللہ تعالیٰ نے اوّلین وآخرین کے علوم جمع کردیئے تھے۔[٣]

---

١ تذکرہ، ج١، ص ١٧۔

٢ بغدادی، ج٤، ص ٤١٩۔ تذکرہ جلد٢، ص ١٧۔ البدایہ والنہایہ جلد١، ص ٣٣٥۔

٣ تذکرہ، جلد٢، ص ١٧۔

حضرت امام احمدؒ کا نظریۂ حدیث

حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ آثارِ صحابہؓ کو اپنے لئے حجت اور سند سمجھتے تھے، آپؒ کا عقیدہ تھا، کہ صحابہؓ آسمان ہدایت کے روشن ستارے ہیں، امت پر ان کی پیروی لازم ہے صحابی کی بات کو حجت تسلیم کرنے میں آپؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

(قال ابوعمرو) جعل للصحابة فی ذالک مالم یجعل لغیرهم واظنه مال الی ظاهر حدیث اصحابی کالنجوم واللّٰه اعلم والیٰ نحوهذا کان احمد بن حنبلؒ یذهب[1]

امام ابوحنیفہؒ نے صحابیؓ کے لئے وہ درجہ مانا ہے، جو دوسرے راویوں کے لئے نہیں، آپ حدیث اصحابی کالنجوم کے ظاہر کی طرف مائل ہیں، امام احمدؒ کی بھی یہی رائے تھی۔

اسی اصول پر آپؒ کا موقف یہ تھا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے کیونکہ حضور ﷺ کے صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ پوری صراحت سے فرما چکے ہیں، کہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی، مگر امام کے پیچھے[2] آپ ہی سوچیں کہ صحابی کا اس قدر صریح فیصلہ کیا نظرانداز کیا جاسکتا ہے؟

---

[1] جامع بیان العلم، جلد۲، ص ۱۳۵۔
[2] جامع بیان العلم، جلد۲، ص ۱۳۵۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا موقف بھی یہی ہیکہ حدیث ضعیف کو اپنے قیاس اور اجتہاد پر مقدم کرنا چاہئے ،ضعیف حدیث کو کلیۃً نظر انداز کردینا قطعاً صحیح نہیں جب کسی موضوع پر صحیح حدیث نہ ملے تو وہاں ضعیف حدیث کو ہی لے لینا چاہئے ،حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک اس باب میں ایک ہے:۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

تقدیم الحدیث الضعیف واثار الصحابة علی القیاس والرای قوله وقول احمد.[۱]

سوضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور یہی قول امام احمدؒ کا ہے۔

نوٹ: ۔صحابی کی پیروی سے جو فقہ مرتب ہوئی اللہ تعالیٰ اسے بڑی قبولیت سے نوازتے رہے ہیں، تاریخ اسلام میں حکومتی سطح پر زیادہ تر دو ہی فقہ نافذ العمل رہی ہیں، فقہ حنفی اور فقہ حنبلی دور اول میں قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ تھے، اس دور میں سعودی عرب کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ انہوں نے اللہ کی حدود قائم کیں، اور فقہ حنبلی کے مطابق فیصلے کئے۔

جن حضرات کا ہم نے یہاں تذکرہ کیا ہے، وہ سب ائمہ حدیث تھے، ائمہ حدیث میں صرف وہی حضرات شامل نہیں ہوتے جو کہ صرف روایات کو اسانید اور مختلف طرق سے بیان کرسکیں، بلکہ وہ بھی ائمہ حدیث ہوتے ہیں، جو حدیث کی کسی بھی نوع

---

[۱] اعلام الموقعین۔

کی خدمت کریں، خواہ اسناد بیان کریں، خواہ مسائل کا استنباط کریں، اور علماء کا اس پر اجماع ہے۔

صاحب کنز العمال لکھتے ہیں:۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو اہل الرائے اور اہل الفقہ کو مشورہ کیلئے بلاتے، مہاجرینؓ وانصار میں سے اہل علم کو بلاتے، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو بلاتے یہی لوگ حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت میں فتوے دیا کرتے تھے، پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے، وہ بھی انہی حضرات سے مشورہ لیا کرتے تھے، اور فتوے کا مدار انہی حضرات پر تھا۔[1]

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ علماء حدیث سب صحابہ کرامؓ تھے، مگر اہل الرائے اور اہل الفقہ صرف فقہاء صحابہؓ ہی تھے، فقہ حدیث سے جدا کوئی چیز نہ تھی، یہ حدیث کی ہی تفسیر ہوتی تھی، اسے محض رائے سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہے، سوید بن نصرؒ جو کہ امام ترمذی اور امام نسائیؒ کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارکؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔

لاتقولوا رأی ابو حنیفةؒ ولکن قولوا تفسیر الحدیث۔[2] یہ نہ کہا کرو ابوحنیفہؒ کی رائے بلکہ کہو یہ حدیث کی شرح اور تفسیر ہے۔

فقہ حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں فقہ کے خلاف ذہن بنانا خود حدیث سے بدگمان کرتا ہے، لفظ رائے یہ فقہی استنباط کا ہی دوسرا نام ہے، اجتہاد رائے سے ہی تو ہوتا ہے، حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو لکھا تھا:۔

---

[1] کنز العمال، ج ۲، ص ۱۳۴۔

[2] کتاب المناقب للموفق، ج ۲، ص ۵۱۔

فاختر ای الامرین شئت ان تجتهد برائک.[1] ان دوکاموں میں سے جس کو چاہئے اختیار کرلے چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرلینا۔

حضرت زید بن ثابتؓ نے اس کے ساتھ دوسرے مجتہدین سے معلوم کرلینے کی بھی تعلیم دی ہے "**فارع اهل الرأی ثم اجتهد واختر لنفسک ولاحرج**"[1] دوسرے اہل الرائے سے بھی پوچھ لینا پھر اجتہاد کرنا اور اپنا موقف اختیار کرنا، اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ[2] حضرت عمرؓ[3] حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ[4] حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ[5] اور مغیرہ بن شعبہ[6] اہل الرائے تھے۔

---

۱ سنن دارمی ج۱،ص۶۰۔
۲ ایضاً۔
۳ مستدرک حاکم ج۴،ص۳۴۰۔
۴ میزان کبریٰ للشعرانی ج۱رص۴۹۔
۴ شرح فقہ اکبر،ص۷۹،
۵ سنن دارمی، ج۱،ص۵۹- مستدرک ج۱،ص۱۳۷،سنن بیہقی، ج۱۰،ص۱۱۵۔
۶ مستدرک حاکم، ج۲،ص۴۴۷۔

ضرورت تدوین فقہ

جس طرح انسان ترقی کرتا گیا، اس کی ضرورتیں بڑھتی اور پھیلتی گئیں، پھر اسلامی حکومتوں کی وسعت سے نئے نئے مسائل پیدا ہوتے چلے گئے، ادھر مزاجوں میں بڑی تیزی سے انقلاب آرہا تھا، سوز وگداز اور سادہ زندگی جو صحابہ کرامؓ کا شیوۂ خاص تھا، ختم ہوتا جارہا تھا، ایران وروم اور دوسرے عجمی ممالک کی سہل پسندی طبیعتوں میں مرکوز ہوتی جارہی تھی، اس لئے حالات کا تقاضہ ہوا کہ کتاب وسنت کی تعلیمات ایک نئے انداز سے مرتب ہوں، صحابۂ کرامؓ کے اقوال تلاش کئے جائیں اور دین کا سارا ذخیرہ سامنے رکھ کر ''نظام حیات'' کی ترتیب ایسے جاذب نظر اور دل کش انداز میں ہو کہ جسے عالم وجاہل، ذہین وغبی، عربی وعجمی، اور شہری وبدوی ہر ایک بآسانی سمجھ لے، اور جو مسائل صراحتاً کتاب وسنت اور اقوال صحابہؓ میں موجود نہیں ہیں، علماء کے باہمی غور وفکر اور بحث وتمحیص سے مستنبط ہوں، تا کہ آنے والی نسلیں پریشانیوں سے دوچار نہ ہونے پائیں، اور کتاب وسنت کی روشنی میں تیز گامی سے چل سکیں، اور ساتھ ہی ان کی عجلت پسند اور سہل طلب طبیعتیں تلاش وتجسس کی مشقت سے محفوظ ہوجائیں۔

تدوین فقہ اور امام ابوحنیفہؒ

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلام ایک ہمہ گیر، وسیع اور دائمی ''نظام حیات'' ہے اور اس نے اپنی اس امتیازی شانِ ہمہ گیری اور دوامی حیثیت کی بقاء کی خاطر اپنے اندر ایسی لچک اور گنجائش رکھی ہے، کہ ہر دور میں اور ہر جگہ انسانی ضروریات کا ساتھ دے سکے، اور کسی منزل پر اپنے پیرو کی رہبری سے قاصر نہ رہے۔
چنانچہ علماء ربانیین نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس کے لئے سب سے پہلے سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ) آمادہ ہوئے اور اپنے اپنے عہد کے علماء کرام کی ایک ایسی معقول تعداد جمع کی جس میں ہر علم وفن کے ماہرین شریک تھے اور جو اپنے علم وفن میں بصیرت ومہارت کے ساتھ ساتھ زہد واتقاء، خدا ترسی اور فرض شناسی اور دوسرے اوصاف سے متصف تھے۔

تدوین فقہ میں احتیاط

کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کا پورہ ذخیرہ سامنے رکھا تا کہ کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ رہنے پائے، اور ہر طرح چھان پھٹک کر جچے تلے جملوں میں اسے قلمبند کیا، اور اس دیدہ ریزی، غور وفکر، اخلاص وللّٰہیت اور فضل وکمال کے ساتھ فقہ کا وجود عمل میں آیا، جو ہر جہت سے مہذب ومرتب اور زندگی کے تمام شعبہ جات پر حاوی ہے۔

طریقۂ تدوین

جن علماء قائمین بالحق کی مجلس میں استنباط واستخراج مسائل کا مہتم بالشان کام انجام پایا،ان کی تعداد سیکڑوں سے بڑھ کر ہزار تک تھی،ان میں چالیس علماء خصوصی صلاحیتوں کے مالک تھے،اور مختلف علم وفن کے ماہرین شمار ہوتے تھے[1]۔

روی الامام ابوجعفر الشیراماذی عن شقیق البلخی، انه یقول کان الامام ابوحنیفة من اورع الناس واعبد الناس واکرم الناس واکثرهم احتیاطافی الدین وابعدهم عن القول بالرائی فی دین اللّٰه عزوجل وکان لایضع مسئلة فی العلم حتی یجمع اصحابهٗ علیها ویعقد علیهامجلسا فاذا اتفق اصحابه کلهم علی موافقتها للشریعة قال لابی یوسف اوغیره ضعها فی الباب الفلانی اھ۔

(ردالمختار،ص۶۷،ج۱رمطبوعہ کراچی)

امام ابوجعفر الشیراماذیؒ شقیق بلخی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہؒ لوگوں میں سب بڑھ کر پرہیزگار عبادت گزار کریم النفس اوردین کے باب میں محتاط تھے، آپ اللہ تعالیٰ کے دین میں ذاتی رائے کے اظہار سے کوسوں دور تھے کسی علمی مسئلہ کی اس وقت تک تصریح نہیں کرتے جب تک تمام احباب کو جمع کرکے اس پر بحث نہ کرلیتے ، جب سارے علماء شریعت کے اس مسئلہ میں متفق ہوجاتے ،توکہیں جاکرامام ابویوسفؒ سے یاان کے سواکسی اورسے فرماتے کہ اسے فلاں باب میں داخل کرلو۔

---

[1] **ونقل عن مسند الخوارزمی ان الامام اجتمع معه الف من اصحابه اجلهم وافضلهم اربعون قدبلغوا حدالاجتهاد فقربهم وادناهم (ردالمختار ،ص۱۳،ج۱)**

(ان چالیس علماء کے حالات کے لئے (جوخصوصی طور پر مجلس تدوین فقہ میں شریک تھے)

(دیکھئے مقدمہ انوارالباری مولفہ مولانا احمد رضا صاحب،۱۲۔ظفیر)

ایک ایک مسئلہ پر بحث

امام شعرانیؒ نے (م۹۷۳ھ) بھی امام صاحبؒ کے طرز استنباط کا تذکرہ کیا ہے، اورتقریباً کم وبیش انہی کے الفاظ کے ساتھ، چنانچہ علامہ شامیؒ نے بھی لکھا ہے:۔

وکذا فی المیزان للامام الشعرانی قدس سرہٗ(ایضاً)

امام شعرانیؒ کی ''کتاب المیزان'' میں ایسا ہی ہے۔

پھر علامہ ابن عابدین شامی (م۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

فکان اذاوقعت واقعة شاورھم وناظرھم وجاورھم وسألھم فیسمع ماعندھم من الاخبار والاثار ویقول ماعندہٗ ویناظرھم شھرا واکثر حتی یستقر آخرالاقوال فیثبته ابویوسف حتی اثبت الاصول علی ھذاالمنھاج شوریٰ لانه تفرد بذلک. (ایضاً)

جب کوئی واقعہ (مسئلہ) آ پڑتا تو امام ابوحنیفہؒ اپنے تمام اصحاب علم وفن سے مشورہ، بحث ومباحثہ اور تبادلہ خیال کرتے، پہلے ان سے فرماتے کہ جو کچھ ان کے پاس حدیث اوراقوال صحابہ کا ذخیرہ ہے وہ پیش کریں، پھر خود اپنا حدیثی ذخیرہ سامنے رکھتے اوراس کے بعد ایک ماہ یا اس سے زیادہ اس مسئلہ پر بحث کرتے تا آنکہ آخری بات طے پائی، اور امام ابویوسفؒ اسے قلم بند کرتے، اس طرح شورائی طریقہ پر سارے اصول منضبط ہوئے ایسا نہیں ہوا کہ تنہا کبھی کوئی بات کہی ہو۔

کتاب وسنت کی حیثیت

اخبار وآثار کے الفاظ بتارہے ہیں کہ پہلے ان علماء کے پاس کتاب وسنت کا جو ذخیرہ ہوتا تھا، وہ سنایا جاتا تھا، پھر صدر مجلس کے علم میں کتاب وسنت کا جو خزانہ محفوظ ہوتا وہ پیش ہوتا، احادیث اور احکام پر غور ہوتا ناسخ ومنسوخ کی بھی پوری چھان بین ہوتی رجال پر بھی نظر ہوتی تھی، آثار صحابہؓ وفتاویٰ تابعین کو بھی دیکھا جاتا تھا اوران تمام مرحلوں کے بعد انکی روشنی میں ہرشخص پیش آمدہ مسئلہ پر بحث کرتا، اوراپنی رائے دیتا، دوسرے اس پر مختلف پہلو سے اعتراض اوراشکالات پیدا کرتے، پھر اشکالات کا ہرایک اپنے فہم کے مطابق مگر کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دیتا، خود امام ابوحنیفہؒ بھی اس بحث ومباحثہ میں حصہ لیتے اورجیسا کہ آپ نے ابھی پڑھا ایک ایک مسئلہ پر مہینوں بحث جاری رہتی، جب ہر پہلو سے اطمینان حاصل کرلیا جاتا، تواسے جچے تلے الفاظ میں درج رجسٹر کیا جاتا۔

خودسوچئے، اگرتنہا کسی ایک کی بات ہوتی توغلطی کا احتمال تھا، مگر جہاں چالیس چالیس جید ماہرفن علماء ہوں اور پوری سنجیدگی اوردیانت داری سے ہفتوں اورمہینوں تک ایک ایک اصل پر کتاب اللہ سنت رسول اللہ اوراقوال صحابہؓ کی روشنی میں بحث وتمحیص ہو، غلطی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

انسانی غلطی کا تدارک

لیکن بہر حال تھے یہ سارے علماء ربانیین انسان ہی، اس لئے ممکن تھا کہ کہیں کسی مسئلہ میں لغزش رہ گئی ہو، یا آیات واحادیث سے استنباط واستخراج میں نظر چوک گئی ہواس لئے صدر مجلس نے ضروری سمجھا کہ باایں ہمہ حزم واحتیاط اور کدوکاوش انسانی بھول چوک اور محدودنظری سے صرفِ نظر کسی طرح بھی مناسب نہیں، چنانچہ اعلان کر دیا کہ اگر کسی مستنبط مسئلہ کا کتاب وسنت کے خلاف ہونا ثابت ہوجائے، توہر مسلمان کواختیار، بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ اسے ترک کردے اور صراحۃً حدیث سے جو مسئلہ جس طرح ثابت ہوتا ہے اسی پر عمل کرے۔

فقد صح عن ابی حنیفةؒ انه قال اذا صح الحدیث فهو مذهبی وقد حکی ذلک الامام ابن عبدالبر عن ابی حنیفة وغیره من الائمة ونقله ایضا الامام الشعرانی.
(عقود رسم المفتی،۱۷)

یہ روایت امام ابوحنیفہؒ سے بالکل درست ہے، کہ آپ نے فرمایا جب حدیث صحت کو پہنچ جائے تو پھر میرا مذہب وہی حدیث ہے اسے امام عبدالبر اور دوسرے ائمہ دین نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں بیان کیا ہے، اور امام شعرانی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

امام اعظم کا اعلان

صاحب ہدایہ (م ۵۹۳ھ) سے مختلف حضرات نے ان کی یہ روایت نقل کی ہے جو روضۃ العلماء زندوسیہ کے باب فضل صحابہ میں ہے۔

سئل ابوحنیفہؒ اذاقلت قولا وکتاب اللّٰہ یخالفہ قال اترکوا قولی بکتاب اللّٰہ فقیل اذا کان خبر الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخالفہ، قال اترکوا قولی بخبر رسول اللّٰہ ﷺ فقیل اذا کان قول الصحابۃ یخالفہ قال اترکوا قولی بقول الصحابۃؓ. (عقد الجید للشاہ ولی اللّٰہ، ص ۵۳)

امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ جب آپ کے کسی قول کی کتاب اللہ سے مخالفت ہوتی ہو تو ایسی حالت میں کیا کیا جائے آپ نے فرمایا کتاب اللہ کے مقابلہ میں میرا قول ترک کردو، کہا گیا اگر حدیث رسول ﷺ سے اس کی مخالفت ہوتی ہو تو؟ فرمایا آنحضرت ﷺ کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دو، کہا گیا اور اگر ایسا ہی قول صحابہؓ اس کے خلاف پڑے؟ تو فرمایا قول صحابہؓ کے مقابلہ میں بھی میرا قول چھوڑ دو، یعنی میرے قول کی وقعت اس وقت کچھ نہیں جب وہ ان میں سے کسی کے بھی خلاف ثابت ہو۔

بات بالکل درست ہے، کہ دراصل جو جدید ترتیب مسائل کی ہورہی تھی، یہ کتاب وسنت اور اقوال صحابہؓ کی روشنی ہی میں تو ہورہی تھی، اس طرز جدید کا منشاء صرف یہی تھا کہ امت کے سامنے زمانۂ حال کے مطابق مسائل سہل اسلوب میں آجائیں، اسلئے کہ زمانہ کی رفتار کا جو رخ تھا، وہ بتارہا تھا کہ انسانی مزاج سہل پسند بنتا جارہا ہے اگر اس وقت توجہ نہیں دی گئی تو آگے چل کر دشواری بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

دلائل پر بنیاد

امام ابوحنیفہؒ نے اسی پر بس نہیں کیا تھا بلکہ اپنے تلامذہ اور اصحاب کو حکم دے رکھا تھا، کہ تم خواہ مخواہ کسی ایک بات پر جم نہ جانا، بلکہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی وزنی اور قابل اعتماد دلیل شرعی مل جائے تو پھر اس کو اختیار کرنا، اور اسکا دوسروں کو حکم دینا، اس لئے کہ مقصد کتاب وسنت اور اقوال صحابہ پر عمل ہے، اپنی بات پر ضد اور اپنے فہم کی اشاعت پیش نظر نہیں ہے۔

فاعلم ان اباحنیفةؒ من شدة احتیاطه وعلمه بان الاختلاف من اٰثار الرحمة قال لاصحابه ان توجه لکم دلیل فقولوا به.
(عقود رسم المتفی، ص ۱۶)

غایت احتیاط اور اس یقین کی وجہ سے کہ اختلاف آثار رحمت میں سے ہے، امام ابوحنیفہؒ نے اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ اگر کوئی دلیل تم کو ملجائے تو پھر اسی پر عمل کرو اور اسی کا حکم دو

بعد والوں کی احتیاط

چنانچہ آپکے تلامذہ واصحاب اور بعد والوں نے اس قول کی اہمیت محسوس کی اور جب کبھی اور جہاں کہیں کسی مسئلہ کے اندر دلائل وبراہین کی روشنی میں شبہ پیدا ہوا اُسے ترک کردیا اور کتاب وسنت کے دائرہ میں جو دوسری صحیح صورت نظر آئی اس پر عمل کیا

F.M.Fainal\Jild-1\02-Muqaddama

وقدیتفق لھم ان یخالفوا اصحاب المذھب لدلائل و اسباب ظھرت لھم. (ردالمختار، ج۱)

اور کبھی کبھی دلائل و براہین کے پیش نظر اصحاب مذہب کی مخالفت بھی ان لوگوں نے کی ہے۔

ضد سے اجتناب کی بکثرت مثالیں

یہ تو آپ کے اصحاب وتلامذہ کا حال تھا کہ انہوں نے بیسیوں مسئلہ میں آپ سے دلائل اور اپنے فہم کی بنیاد پر اختلاف کیا، اور اسی پر ان کا عمل رہا دوسری طرف خود امام اعظمؒ کا حال یہ تھا کہ اگر کسی طے کردہ مسئلہ کے خلاف کوئی دوسری رائے کتاب وسنت کی روشنی میں وزنی معلوم ہوئی اور کتاب وسنت سے قریب تر، تو آپ نے اس طے کردہ مسئلہ کو ترک کر دیا، اور اس سے رجوع کر کے دوسری طرف کے قائل ہو گئے ایک دو نہیں بیسیوں مسائل ایسے ہیں جن میں آپ کا رجوع ثابت ہے جن لوگوں نے دقت نظر سے فقہ کا مطالعہ کیا ہے انکی نگاہوں سے یہ چیزیں پوشیدہ نہیں ہیں۔

کتاب وسنت کے مقابلہ میں رائے کی شدید مذمت

یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس رائے کی مذمت کرتے تھے جو کتاب وسنت سے مستفاد نہ ہو بلکہ اسے ضلالت سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

وقد روی الشیخ محی الدین فی الفتوحات المکیۃ بسندہ الی الامام ابی حنیفۃ رضی اللّٰہ عنہ انہ کان یقول

فتوحات مکیہ میں شیخ محی الدینؒ نے مسلسل ابوحنیفہؒ تک اپنی سند بیان کرنے کے بعد ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام صاحبؒ فرماتے تھے

ایاکم والقول فی دین اللّٰہ تعالیٰ بالرائے وعلیکم باتباع السنة فمن خرج عنھا ضل..
(کتاب المیزان، ص۵۱، ج۱)

اللہ تعالیٰ کے دین میں محض رائے کی بنیاد پر حکم کرنے سے بچواوراپنے اوپر سنت کی پیروی ضروری کرلو، اس لئے کہ جواس سے خارج ہوا، وہ گمراہ ہوگیا۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ جب تک شریعت میں کسی بات کا ثبوت نہ مل جائے اسے زبان پرلانا بھی گناہ ہے۔

وکان یقول لاینبغی لاحد ان یقول قولا حتی یعلم ان شریعة رسول اللّٰہ ﷺ تقبلہ..
(کتاب المیزان للشعرانی، ص۵۱، ج۱)

امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے جب تک یہ یقین نہ ہوجائے کہ یہ بات شریعت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہے کسی کے لئے اس کا زبان پرلانا درست نہیں ہے۔

استنباط مسائل اوراس کے لئے اہتمام

جومسائل صراحتاً کتاب وسنت اوراقوال صحابہ میں نہیں ملتے ان کیلئے پوری مجلس طلب کرتے، بحث وتمحیص سے کام لیتے، اورجب تک کوئی چیز باہمی اتفاق سے طے نہ ہوجاتی، اطمینان خاطر نہ ہوتا، امام شعرانیؒ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وکان یجمع العلماء فی کل مسئلة لم یجدھا صریحة فی الکتاب والسنة یعمل بمایتفقون علیہ فیھا.
(کتاب المیزان للشعرانی، ص۵۱، ج۱)

جومسئلہ کتاب وسنت میں صراحتاً نہیں ملتا اس کے لئے تمام علماء کوجمع کرتے اورجس پرسبھوں کا اتفاق ہوتا عمل فرماتے۔

استنباط واستخراج کے موقع پر بھی یہی کرتے، علماء عصر سے مشورہ اوران کا اتفاق ضروری سمجھتے، تنہا اس طرح کا کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔

وکذالک یفعل اذا استنبط حکما فلا یکتبه حتی یجمع علیه علماء عصره فان رضوه قال لابی یوسف اکتبه. (ایضاً)

جب کبھی کسی حکم کا استنباط مقصود ہوتا تو اس وقت تک اسے ضبط تحریر میں نہیں لاتے جب تک تمام علماء کو جمع کر کے مشورہ نہ کر لیتے اگر سب اس سے متفق ہوتے اور پسند کرتے تو امام ابو یوسف سے فرماتے اُسے لکھ لو۔

اصحاب الرائے کا حاصل

علماء نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو جو صاحب الرائے قرار دیا ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی ذاتی یا من مانی رائے ہوا کرتی تھی، اس لئے کہ آپ پڑھ چکے کہ امام صاحبؒ ایسی رائے کو گمراہی فرمایا کرتے تھے، لہٰذا اگر کسی نے ایسا کہا ہے یا سمجھا ہے تو اس سے کھلی ہوئی غلطی کا ارتکاب ہوا ہے، وہ بڑے سے بڑا محدث کیوں نہ ہوا امام موصوف اور آپ کے اصحاب اس سے بالکل بری ہیں۔

ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۳ھ) نے درست لکھا ہے:۔

اعلم انه یتعین علیک ان لاتفهم من اقوال العلماء عن ابی حنیفة واصحابه انهم اصحاب الرای علی سنة رسول اللّٰه ﷺ وعلیٰ قول الصحابه لانهم براء من ذلک.. (الخیرات الحسان، ص ۲۹)

خوب یقین کرلو کہ علماء کے اقوال کی وجہ سے ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے اصحاب سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہ کے مقابلہ میں اصحاب الرائے کی حیثیت رکھتے تھے، اسلئے کہ یہ حضرات اس سے بالکلیہ بری ہیں۔

تدوین فقہ میں ترتیب

آگے دلائل کے طور پر لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ اور آپ کے اصحاب کا طرز فکر اور استنباط واستخراج کیا تھا، اور آپ کس اصول پر گامزن تھے، فرماتے ہیں:۔

فقد جاء عن ابی حنیفۃؒ من طرق کثیرۃ ما ملخصہ انہ اولا یأخذبما فی القرآن فان لم یجدفبالسنۃ فان لم یجد فقول الصحابۃ فان اختلفوا اخذبما کان اقرب الی القرآن اوالسنۃ من اقوالھم ولم یخرج عنھم فان لم یجد لاحد منھم قولا، لم یاخذبقول احد من التابعین، بل یجتھد کما اجتھدوا.
(الخیرات الحسان، ص ۲۹)

امام ابوحنیفہؒ کے متعلق کثرت طرق سے جوثابت شدہ حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ آپ پہلے قرآن اختیار کرتے، اگر قرآن میں وہ چیز نہیں ملتی تو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتے اور اگر سنت میں بھی کوئی چیز نہیں ملتی تو پھر قول صحابہ اختیار کرتے، اگر کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہوتا ان میں جو کتاب وسنت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا اسے قبول کرتے اور اس حد سے باہر نہ جاتے اور اگر صحابہ کا بھی کوئی قول نہیں ملتا تو تابعین میں سے کسی کا قول نہیں اختیار کرتے بلکہ خود اجتہاد کرتے جیسا کہ دوسرے لوگ کرتے

تدوین فقہ میں اوّلیت کا شرف

امت میں ترتیب فقہ اور مسائل کے استنباط واستخراج میں آپ کو اولیت کا شرف حاصل ہے، اس سے پہلے عام طور پر لوگوں کا دار و مدار حافظہ پر تھا امام مالکؒ بھی اس سلسلہ میں آپ کے خوشہ چیں ہیں۔

ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:۔

انہ اول من دون علم الفقه ورتبه ابوابها وکتبها علی نحو ماعلیه الیوم وتبعه مالک فی موطأه ومن قبله انما کانوا یعتمدون علیٰ حفظهم.
(الخیرات الحسان، ص ۲۱)

امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے علم فقہ کو مدون کیا اور اسے اس طرح باب وفصل وار مرتب کیا جس طرح آج اس کی مرتب شکل پائی جاتی ہے، امام مالکؒ نے اپنی موطأ میں آپ کی پیروی کی ہے امام ابوحنیفہؒ سے پہلے لوگوں کا اعتماد حافظہ پر ہوا کرتا تھا۔

امام اعظمؒ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب پہلے محدث پھر فقیہ تھے، اس لئے کہ جس زمانہ میں احادیث کے مجموعے پائے نہیں جاتے تھے، بغیر علم حدیث کے مسائل کا استخراج

کہاں ہوسکتا تھا، فقہ حنفی کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ جس سے ساری دنیا اور بعد کے مجتہدین نے اپنے زمانہ میں استفادہ کیا، بغیر حدیث کے کہاں سے آ گیا، اور آج اسکے سارے مسائل واصول کس طرح حدیث کے مطابق ہو گئے، لہٰذا ماننا پڑیگا کہ فقہ حنفی کتاب وسنت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔

ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۳ھ) نے لکھا ہے:

مر انہ اخذ عن اربعۃ الآف شیخ من ائمۃ التابعین وغیرھم ومن ثم ذکرہ الذھبی وغیرہ فی طبقات الحفاظ من المحدثین. (ایضاً، ص ۲۶)

یہ بات گذر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے چار ہزار ائمہ تابعین اور دوسرے شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی وغیرہ نے محدثین کے طبقہ حفاظ میں آپ کا شمار کیا ہے

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا ذوق حدیث[۱] ان کی ان کتابوں سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے لکھی ہیں، کتاب الاثار، کتاب الخراج، کتاب الرد علی سیر الاوزاعیؒ،

---

[۱] امام علاؤالدین الطرابلسی نے اپنی کتاب معین الحکام میں نقل کیا ہے **فان ابایوسف صاحب حدیث حتی روی انہ قال احفظ عشرین الف حدیث من المنسوخ ھذا القدرفما ظنک بالناسخ وکان صاحب فقہ ومعنی** (ص ۳۰) جس کا ماحصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف محدث تھے، اور بعض روایت کے مطابق خود امام موصوف کا بیان ہے کہ مجھے منسوخ حدیثیں بیس ہزار یاد ہیں، اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ناسخ حدیثیں کتنی ہزار یاد ہونگی، اسی طرح امام محمدؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کو احادیث کی معرفت حاصل تھی فقیہ اور ذہین تو تھے ہی **ومحمد صاحب قریحۃ یعرف رجال الناس وعاداتھم صاحب فقہ ومعنی ولھذا اقل رجوعہ فی المسائل وکان مقدما فی معرفۃ اللغۃ ولہ معرفۃ بالاحادیث ایضا** (ایضاً) اور امام اعظم ہر چیز میں بڑھے ہوئے تھے، وابوحنیفۃ کان مقدما فی ذلک کلہ ۱۲۔

کتاب الحجۃ، موطأ امام محمد، اور دوسری کتابیں عام طور پر ملتی ہیں، ان کو لے کر پڑھا جائے، تو اندازہ لگایا جائے۔

آج بھی فقہ حنفی کا کوئی طالب العلم اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک ایک ایک مسئلہ حنفی کی تحقیق کتاب وسنت کی روشنی میں نہیں کر لیتا۔

غلط پروپیگنڈا

یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ان حضرات کو حدیث نبوی سے اتنا شغف نہیں تھا جتنا فقہ سے، اور نہ یہ کہنا بجا ہے کہ ان حضرات کی تمام تر توجہ آیات اور احادیث سے مسائل واحکام کے استنباط واستخراج پر مرکوز تھی اور تدوین وجمع احادیث سے انکو کوئی دلچسپی نہ تھی، بلکہ بات صرف اس قدر ہے کہ تدوین فقہ جس کی طرف اب تک کسی نے توجہ نہیں دی تھی، انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی اور اجتماعی طور پر پوری محنت کے ساتھ یہ کام شروع کر دیا وجہ ظاہر ہے کہ استنباط مسائل واحکام اس وقت کا سب سے اہم کام تھا اور یہ سب کے بس کی بات بھی نہ تھی کیونکہ اس میں بڑے غور وفکر اور فہم وبصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، باقی تدوین حدیث کا کام، تو یہ عہد نبوی سے ہوتا آرہا ہے، اور اس وقت بھی بطور خود ہر شخص کو دلچسپی تھی، جسکا بڑا ثبوت امام اعظمؒ کی ''جامع المسانید'' ہے اور پھر پہلی صدی ہجری کے ختم پر جبکہ صحابہ کرامؓ کو روپوش ہوئے ابھی دس بیس سال بھی نہ گذرے تھے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جمع حدیث میں اہم کام اسناد اور رواۃ پر نظر ہے اور سچ پوچھئے تو یہی معیار ہے، امام اعظمؒ کے دور میں جس وقت تابعین کا بڑا طبقہ بقیہ حیات

تھا اسناد ورواۃ کی اس بحث کی گنجائش ہی کہاں تھی جو بعد میں ہوئی صحابہؓ کے متعلق یہ مسلم ہے "**الصحابة کلهم عدول**"، صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل ہیں، رہ گئے تابعین تو یہ موجود ہی تھے۔

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جب فقہ کی تدوین آیات واحادیث سے ہی ہورہی تھی تو ان چیزوں سے بے توجہی کا موقع بھی کیا تھا، اس لئے کہ اس کام میں پہلے احادیث کی ہی ضرورت پڑتی ہے، ابن حجر مکی شافعیؒ نے لکھا ہے کہ جسطرح صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے باوجود جلالت علم اور آنحضرت ﷺ کی اقربیت کے احادیث کا وہ ذخیرہ مروی نہیں ہے جو دوسرے چھوٹے بڑے صحابہ کرامؓ سے کہ یہ حضرات عامۃ المسلمین اور اسلام کے مصالح اور احکام میں اس طرح منہمک تھے کہ ان کو روایت کی طرف وہ توجہ نہ رہی جو لوگوں کی تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ آپ حضرات احادیث سے شغف نہیں رکھتے تھے۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب، فقہ کی ترتیب اور استنباط واستخراج مسائل کے اشتغال کی وجہ سے اگر احادیث کی روایت میں نمایاں نظر نہیں آتے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ حضرات نے حدیث کی دولت سے وافر حصہ نہیں پایا تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

ولاجل اشتغاله بهذا الاهم لم يظهر حديثه في الخارج كماان ابابكر وعمر رضي الله عنهما لما اشتغلا لمصالح المسلمين العامة لم يظهر عنهما من رواية الاحاديث مثل ماظهر عمن دونها حتى صغار الصحابة رضوان الله عليهم وكذلك مالك والشافعي

امام ابوحنیفہؒ حدیث وقرآن سے چونکہ مسائل کے استنباط استخراج میں منہمک تھے، جو بڑا اہم کام تھا، اس وجہ سے آپ کی خدمت حدیث نمایاں نہ ہوسکی اس کی مثال ایسی ہے جیسے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ ومصالح عامہ سے متعلقہ امور میں اشتغال کی وجہ سے روایت حدیث میں وہ نمایاں مقام نہیں حاصل کرسکے جو دوسرے چھوٹے

لم يظهر عنهما مثل ماظهر عمن تفرغ للرواية كابي زرعة وابن معين. (الخيرات الحسان، ص ٦٦)

بڑے صحابہ کرامؓ کو حاصل رہا اور یہی حال امام مالک امام شافعیؒ کا ہے کہ ان کی خدمت حدیث ان لوگوں کی طرح نمایاں نہیں جو اسی کام میں ہو کر رہ گئے تھے جیسے ابوذرعہ اور ابن معینؒ

بہر حال حقیقت یہ ہے کہ امام صاحبؒ اور آپ کے اصحابؒ نے احادیث کے ساتھ بھی اپنے دور کے مذاق کے مطابق وہی شغف رکھا جو رکھنا چاہئے تھا۔

تدوین فقہ اور مسائل کا پھیلاؤ

فقہ کا جو کام امام اعظمؒ کی زیرنگرانی انجام پایا تھا وہ ضرورت اور تقاضائے وقت کے ساتھ پھیلتا اور بڑھتا ہی گیا، کسی منزل پر جا کر رکا نہیں، اور یہی ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ انسانی ضرورتیں نئی نئی شکلیں اختیار کرتی رہیں اور نئی ایجادات اور جدت پسندی کے ساتھ نئے مسائل اُبھرتے رہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ تا قیامت یوں ہی جاری رہیگا۔

فتویٰ اور اس کی اہمیت

فقہ اور دین کے درپیش آمدہ مسائل جو دریافت کرنیوالوں اور سائلین کے جواب میں بتائے گئے سادہ انداز پر مرتب ہوئے وہ فتاویٰ کے قالب میں جلوہ گر ہوئے اور اس سلسلہ نے انسانی ضرورتوں کا پورا پورا ساتھ دیا، کتاب وسنت اور فقہ سے

مستنبط اس مفید وجدید شکل نے عام مسلمانوں کو تحقیق وجستجو کی ایک صبر آزما مصیبت سے بچالیا، فتاویٰ کا یہ پھیلاؤ انسانی ضرورتوں اور سوالات کیساتھ بڑھتا گیا، انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات سے متعلق مسائل جس جس طرح پیدا ہوتے گئے، کتاب وسنت اور فقہ سے ان مستنبط مسائل کے ذخیرہ میں بھی اضافہ ہوتا گیا، کسی مرحلہ پر جمود پیدا نہیں ہوا، چنانچہ آج انسانی زندگی سے متعلق کوئی ایسا سوال نہیں ہے جس کا جواب مفتی آپ کو فراہم کر کے نہ دے سکے۔

تنگ نظری کا الزام

جن لوگوں نے اپنی کم علمی اور وسعت مطالعہ کی کمی کی وجہ سے علماء دیوبند پر جمود اور تنگ نظری کا الزام لگایا ہے، وہ بڑی حد تک معذور ہیں، البتہ قابل صد ملالت وہ حاسدین ہیں جو از راہ کینہ پروری ایسی باتیں کہتے ہیں، ہر دور کے فتاویٰ کی کتابیں مختلف زبانوں میں چھپی ہوئی ملتی ہیں، ان میں ہر دور کے نئے مسائل بھی درج ہیں، اور انکے جوابات بھی ان کتابوں سے بڑھ کر ثبوت میں اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

فقہ وفتاویٰ ایسا فن ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں ہے اس لئے کہ انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ اس فن اور اسکے اصول وجزئیات سے پڑتا ہے، اور جس قدر آئے دن کے مسائل کا جواب یہاں ملتا ہے کہیں اور سے ممکن نہیں ہے۔

تاریخ فتاویٰ

فتاویٰ کی تاریخ بہت قدیم اوراس کی نسبت بہت اونچی ہے اس لئے کہ کوئی بھی انسان ہوفقہی معلومات میں مفتی کا محتاج ہے،اس کی کدوکاوش اور تحقیق وجواب کے بغیر مسئلہ کا حل آسان نہیں ہے کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی میں کسی مرحلہ پر کوئی ایسا سوال سامنے نہیں آیا،جس میں فقہ وفتاویٰ کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں پڑی۔

ایک شخص اپنے کو مسلمان بھی کہے یعنی وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات کا پابند بھی ہواور اسے دینی مسائل اوراس کی صحیح صورت سے بے پرواہی بھی ہو ممکن نہیں عبادات ومعاملات اوراخلاق واعمال میں سینکڑوں مواقع ایسے آتے ہیں جہاں اسے رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے،اوروہ ان کٹھن مواقع میں یقینی طور پرفتاویٰ اورفقہائے کرام ومفتیانِ عظام کی رہبری کا محتاج ہوتا ہے، ہر شخص کو اپنی منہمک زندگی میں اس قدر مہلت کہاں ہے کہ وہ یک سرقرآن وحدیث کاغوروفکر کے ساتھ مطالعہ کرے اوروقت کے پیش آمدہ مشکل مسئلہ کاحل تلاش کرلے۔

فقہ وفتاویٰ کے لئے مخصوص جماعت اوراسکی وجہ

یہ درست ہے کہ مسائل واحکام کا ساراذخیرہ اوراس کی بنیاد دراصل کتاب وسنت ہی ہے،لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حدیث وقرآن کے اندرایک

خاص انداز میں حقائق واحکام پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور دوسری طرف یہ بھی مسلم ہے کہ عموماً ہر شخص کو ہر زمانہ میں حالات یکساں پیش نہیں آتے بلکہ مختلف ڈھنگ سے صورت حال سامنے آتی ہے، سبھوں میں یہ فہم وبصیرت کہاں ہے جو کلام اللہ اور سنت نبوی سے اپنے حالات کے مطابق ہر ہر جزئیہ کا جواب حاصل کرلے، اور وہ جواب بالکل صحیح بھی ہو، اگر گنے چنے کچھ افراد اس طرح کے نکلیں بھی تو کوئی ضروری نہیں کہ انہیں کتاب وسنت میں مہارت بھی ہو، اور وہ اپنے اندران تمام شرائط کو پاتے ہوں، جو ایک صاحب نظر کے لئے ضروری ہے، اور اگر ان تمام اوصاف کے جامع بھی ہوں تو ان کو اتنی مہلت کہاں؟ کہ اس عظیم الشان ذخیرہ سے مفید مطلب آیت وحدیث فوراً تلاش کرلیں اور اس طرح کہ وہ آیت وحدیث دوسری آیتوں اور احادیث سے متعارض بھی نہ ہوں، اس لئے عقل کا بھی تقاضہ ہے کہ قرآن وحدیث پر گہری نظر رکھنے والی ایک معتمد جماعت مسائل ضرور یہ مستنبط کر کے یکجا کرتی رہے تاکہ امت کے عام افراد دن ورات کے پیش آمدہ مسائل کے اندر کہیں الجھاؤ میں گرفتار نہ ہونے پائیں، اور بلاشبہ اور بلا مبالغہ انہیں مستنبط احکام ومسائل کا نام فقہ وفتویٰ ہے[١]۔

مفتیان کرام کی جماعت جن کو فقہ سے مناسبت تامہ ہوتی ہے ہر زمانہ میں پائی گئی اور عوام وخواص ہر ایک کا اس جماعت کی طرف رجوع عام رہا، اور یہ اپنے علمی رسوخ خداداد صلاحیت اور مخصوص فہم کی وجہ سے اس کام میں ممتاز اور نمایاں رہی اور اسے رات دن اسی کام کے ساتھ اشتغال رہا۔

---

[١] صاحب تفسیر المنار لکھتے ہیں کہ ذكرت هذه المادة (اى الفقه) فى عشرين موضعا من القرآن تسعة عشر منها تدل على ان المراد به نوع خاص من دقة الفهم والتعمق فى العلم الذى يترتب عليها لانتفاع به (تفسیر المنار، ص ۴۲۱، ج ۹۔ ظفیر۔

ترتیب فتاویٰ

فتاویٰ کی ترتیب اوران کی طباعت واشاعت کا سلسلہ بھی ہرزمانہ میں رہاہے۔

اردوفتاویٰ میں میں :۔ فتاویٰ رشیدیہ، مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی ،فتاویٰ دارالعلوم، فتاویٰ امدادیہ، فتاویٰ امدادالاحکام ''فتاویٰ رحیمیہ'' فتاویٰ نظامیہ'' زیادہ مشہور ومقبول ہیں،اسی سلسلہ کی ایک کڑی ''**فتاویٰ محمودیه**'' بھی ہے، جواردو فتاویٰ میں سب سے زیادہ ضخیم ہے،اب نئی ترتیب کے ساتھ بحمداللہ(۳۱) جلدوں میں مکمل ومدلل حوالوں کے ساتھ آپ کے سامنے ہے۔

''**فتاویٰ محمودیه**'' کواللہ تعالیٰ نے قبول عام سےنوازاہے، دنیا کا کوئی دارالعلوم ودارالافتاءلائبریری کسی بڑے مفتی کا اپناذاتی کتب خانہ، **فتاویٰ محمودیه** سے بمشکل خالی ہوگا۔

فالحمدللّٰہ علی ذٰلک.

تدوین فتاویٰ

تدوین فتاویٰ کا سلسلہ عہد نبوت ہی سے شروع ہو گیا تھا، اور اس کے بعد سے یہ سلسلہ برابر جاری رہا ہر دور میں مفتیان کرام کے فتاویٰ کو مدون کیا جاتا رہا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری کا مضمون نقل کیا جاتا ہے، جو موصوف نے جامع الفتاویٰ کے لئے تحریر فرمایا تھا۔

ملاحظہ ہو:۔

تدوین فتاویٰ

عهد به عهد

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

عربی زبان ولغت کے بہت سے الفاظ اسلامی دور میں اپنے قدیم اور اصلی معنیٰ ومفہوم کے بجائے اسلامی مفہوم ومعنی میں استعمال کئے جانے لگے، اور ان کی حیثیت اسلامی اصطلاح کی ہوگئی، صلوٰۃ، صیام، زکوٰۃ، حج وغیرہ اسی قبیل سے ہیں اسی طرح لفظ فتی اپنے قدیم معنی میں (باب سمع سے) نوجوانی، کریم النفسی اور نجات وسخاوت کے معنی میں تھا، مگر اسلام میں دینی معلومات حاصل کرنے کرانے کے لئے بولا جانے لگا، استفتاء سوال کرنے اور افتاء جواب دینے کے لئے بطور اصطلاح کے مستعمل ہوا۔

قرآن کریم کی ایک آیت میں یہ دونوں الفاظ آئے ہیں۔

یستفتونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ (سورہ نساء) لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں استفتاء کرتے ہیں) آپ فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے (فتویٰ دیتا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موقع بہ موقع یہ دونوں الفاظ استعمال فرمائے ہیں ’’**استفت قلبک**‘‘ اپنے دل سے فتویٰ معلوم کرو، **وان افتاک وافتوک** (اگرچہ کوئی شخص اور لوگ تم کو فتویٰ دیں) وغیرہ۔

دینی امور میں استفتاء اور سوال کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’ **فسئلو اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون**‘‘ تم لوگ اہل علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

"**اذاشک احدکم فی الامر فلیسئلنی عنه**" جب تم میں سے کوئی دینی امر میں شک کرے تو اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرے، البتہ غیر ضروری اور بیجا سوال کرنے سے شدت سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ یہ جنگ وجدال اور تباہی کا باعث ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید **الفقهاء والمفتيين** تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس فقہ وفتاویٰ میں مرجع تھی، نیز خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم فتوی دیا کرتے تھے، ان کے علاوہ صحابہ میں جو لوگ کتاب وسنت کے ممتاز عالم تھے، اور قراء کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، وہ بھی بوقت ضرورت یہ خدمت انجام دیتے تھے، خاص طور سے یہ سات حضرات مشہور تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام بن قیمؒ کا قول ہے، کہ ان حضرات میں سے ہر ایک کے فتاوے علیٰحدہ علیٰحدہ ضخیم جلدوں میں جمع کئے جاسکتے ہیں۔

ان سات اہل فقہ وفتویٰ میں سے تین حضرات کے تلامذہ واصحاب نے ان کے فقہی مسلک کی نشر واشاعت کی، حضرت زید بن ثابت کے شاگردوں نے مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب نے مکہ مکرمہ میں، اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے تلامذہ نے کوفہ میں اپنے اپنے شیخ کے فقہ وفتویٰ کو عام کیا، تفصیل کے لئے یوسف بن عبدالبر اندلسی کی کتاب "جامع العلم ج ۲/ص ۶۱/ ۶۲/ اور ابن قیم کی کتاب: "اعلام الموقعین ج ۱/ ص ۱۸/ تا ۲۲/ ملاحظہ ہو۔

امام الفقہ والمحدثین حضرت علی بن عبداللہ مدینی متوفی ۲۳۴ھ نے اس کی تفصیل اپنی کتاب میں یوں بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلک فقہ وفتویٰ کے حامل تین حضرات تھے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان ہی تینوں حضرات کے اصحاب وتلامذہ ان کے مسلک پر فتویٰ دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت اور فتویٰ پر یہ چھ حضرات عمل کرتے تھے۔

علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، مسروق بن اجدع، عبید سلمانی، حارث ابن قیس عمرو بن شرحبیل رحمہم اللہ، اوران جملہ حضرات کے تلامذہ ابراہیم نخعی، اعمش، ابو اسحاق، سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید القطان رحمہم اللہ نے اپنے اپنے شیخ کے مسلک کے مطابق فقہ وفتویٰ کی خدمت انجام دی۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس کے مسلک پر یہ حضرات فتویٰ دیتے تھے، عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان، مجاہد بن جبیر، جابر بن زید، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، سعید بن جبیر، عمرو بن دینار، ابن جریج، سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ۔

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہی مسلک پر فتویٰ دینے والے یہ بارہ حضرات تھے، سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، قبیصہ بن ذویب، خارجہ بن زید بن ثابت، سلیمان بن یسار، ابان بن عثمان بن عفان، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق، سالم بن عبداللہ بن عمر، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، طلحہ بن عبداللہ بن عوف، نافع بن جبیر بن مطعم رحمہم اللہ، یہ سب حضرات مدینہ منورہ کے اصحاب فقہ وفتویٰ تھے، ان کے بعد امام محمد بن شہاب زہری اس مسلک کے سب سے بڑے عالم تھے ان کے بعد امام مالک اوران کے بعد عبدالرحمٰن بن مہدی اس کے امین وترجمان تھے۔

مذکورہ بالافقہاء میں سے فقہائے سبعہ فتویٰ میں حجت کا درجہ رکھتے تھے، اور حوادث ونوازل میں جب تک یہ حضرات متفقہ فتویٰ صادر نہیں کرتے تھے، ان کے بارے میں مدینہ کے قاضی اپنا فیصلہ صادر نہیں کرتے تھے، ایک شاعر نے ان کے نام یوں جمع کئے ہیں:۔

اذاقیل من فی العلم سبعة ابحر

روایتهم لیست عن العلم خارجه

فقل هم عبیداللّٰه ،عروه، قاسم

سعید ،ابوبکر،سلیمان خارجه

مکہ مکرمہ مدینہ منورہ اور کوفہ کے اصحاب فقہ وفتویٰ کا یہ مختصر سا جائزہ ہے، تفصیل کے لئے امام علی مدینی کی کتاب علل الحدیث ومعرفۃ الرجال، ص۴۲/تا۵۱/اور امام ابن قیم کی کتاب اعلام الموقعین، ج۱/ص۹/تا۲۴/ملاحظہ ہو۔

اسی طرح بصرہ، شام، مصر، یمن، بغداداور دوسرے اسلامی بلادوامصار میں اصحاب فقہ وفتویٰ اپنے اپنے شیوخ واساتذہ کے مسلک کے مطابق کتاب وسنت اور سنن ماضیہ کی روشنی میں فتویٰ کی خدمت انجام دیتے تھے۔

فتاویٰ کے جمع وتالیف کا سلسلہ کسی نہ کسی حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں شروع ہوگیا تھا، متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کی حیات میں احادیث کے صحیفے اور مجموعے لکھے، ان میں آپ کے احکام، اوامر، نواہی، مرضیات بھی تھے جن کو آپ نے خود بیان فرمایا، یا صحابہ کے سوال (استفتاء) کے جواب میں جو باتیں بیان فرمائیں، وہ سب آپ کے فتاویٰ ہیں، بلکہ احادیث کا ذخیرہ زیادہ تر فتاویٰ نبویہ پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے قضایا وفتاوے ان کے تلامذہ ومنتسبین نے اپنے صحیفوں اور مجموعوں میں درج کئے جن میں احادیث رسول کے ساتھ فتاوے اور قضایا بھی تھے، اس دور تک کے نوشتوں کا یہی حال تھا، پہلی صدی کے خاتمہ پر حضرت عمر بن عبدالعزیز متوفیٰ ۱۰۱ھ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث اور سنن ماضیہ کے جمع وتدوین کی طرف خاص توجہ فرمائی، اور تمام امراء وعمال کو لکھ کر اس کی تاکید کی، مدینہ منورہ کے امام محمد بن شہاب زہری متوفی ۱۲۴ھ کو اس کا ذمہ دار مقرر کیا، انہوں نے بوجہ احسن یہ خدمت انجام دی، اسی لئے کہا گیا ہے کہ علم اور حدیث کو سب سے پہلے امام زہری نے مدون کیا ہے، اس دور کی مدونات میں احادیث رسول کے ساتھ صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے فتاویٰ بھی درج تھے، اسطرح پہلی صدی میں احادیث وآثار، اور فتاوے مرتب شکل میں جمع ہوگئے تھے۔

اس کے بعد دوسری صدی کے وسط تک عالم اسلام کے ہر مرکزی شہر میں ائمہ فقہ وفتویٰ اور محدثین نے کتابیں فقہی ترتیب پر لکھیں، مکہ مکرمہ میں ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ مدینہ منورہ میں محمد بن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ، یا امام مالک متوفی ۱۷۹ھ بصرہ میں ربیع بن جلیح متوفی ۱۶۰ھ، یا سعید بن ابی عروبہ متوفی ۱۵۶ھ یا حماد بن سلمہ متوفی ۱۷۶ھ کوفہ میں سفیان ثوریؒ متوفی ۱۶۱ھ شام میں عبدالرحمٰن اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ واسط میں ہشیم بن بشیر متوفی ۱۸۸ھ یمن میں معمر بن راشد متوفی ۱۵۳ھ رے میں جریر بن عبدالحمید متوفی ۱۸۸ھ خراسان میں عبداللہ ابن مبارک متوفی ۱۸۱ھ رحمہم اللہ نے اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق کتابیں لکھیں، جن میں احادیث وآثار اور صحابہ وتابعین کے قضایا وفتاوے بھی درج تھے۔

اس کے بعد تیسری صدی میں احادیث رسول اور صحابہ وتابعین کے فتاویٰ پر علیحدہ علیحدہ مستقل تصانیف کی ابتدا ہوئی اور فتاوے گویا فقہ کی ایک صنف کے طور پر جمع کئے گئے، یا ہمارے علم میں اس سلسلہ میں نہایت مفید ضخیم کتاب اندلس کے امام بقی بن مخلد قرطبیؒ متوفی

۲۷۶ھ نے تصنیف کی، احمد بن یحییٰ ضبی اندلسی نے ان کی تصانیف کے ذکر میں لکھا ہے:۔

ومنها مصنفة فی فتاویٰ الصحابة والتابعين اومن دونهم الذی اربیٰ فيه علی مصنف ابی بکر بن ابی شيبة ومصنف عبدالرزاق ابن همام،ومصنف سعيد بن منصور،وغير ها وانتظم علماً عظيماً.
(بغية الملتمس ص ۲۳۰ / طبع ميڈرڈ)

ان کی تصانیف میں صحابہ وتابعین وغیرہ کے فتاویٰ میں کتاب المصنف ہے جس میں وہ مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق ابن ہمام اور مصنف سعید بن منصور وغیرہ سے بہت آگے ہیں اور اس میں بہت زیادہ علم جمع کیا ہے۔

امام بقی بن مخلد کی اس کتاب کو بڑی اہمیت حاصل تھی، اوران کے تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر خاص طور سے کیا ہے، شمس الدین داؤدی مصری نے لکھا ہے۔

وله تواليف فی فتاویٰ الصحابة والتابعين فمن دونهم اربیٰ فيه علی مصنف عبدالرزاق وابن ابی شيبه.
(طبقات المسرین،ص ۱۱۷)

صحابہ وتابعین وغیرہ کے فتاویٰ میں انکی تالیفات ہیں جن میں وہ مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ سے بہت آگے ہیں۔

مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ ہمارے زمانے میں آٹھ آٹھ دس، دس ضخیم جلدوں میں چھپ گئی ہیں، جن میں احادیث کے ساتھ فتاویٰ بھی ہیں، مگر بقی بن مخلد کی کتاب ان کے مقابلہ میں صحابہ وتابعین وغیرہم کے فتاوے کا دائرۃ المعارف کا حکم رکھتی ہے اوراس دور میں صحابہ وتابعین کے فتاوے دوسرے علماء نے بھی جمع کئے ہیں، خلیفہ مامون کے پڑپوتے امام ابوبکر محمد بن موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فتاوے بیس جلدوں میں جمع کئے، علامہ ابن حزم اندلسی کا بیان ہے:۔

منهم الفقيه المحدث الشافعي محمد بن موسىٰ بن يعقوب بن المامون مات بمصروله تواليف منها فقه عبدالله بن عباس رضى اللّٰه عنهما فجزأ على ابواب الفقه فى عشرين كتاباً. (جمهرة انساب العرب، ص ۲۴)

مامون کی اولاد میں شافعیؒ فقیہ ومحدث محمد بن موسیٰ بن یعقوب بن مامون ہیں، ان کا انتقال مصر میں ہوا، اوران کی تصنیفات ہیں، ان میں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی فقہ میں کتاب ہے جس کو فقہی ابواب پر تقسیم کر کے بیس جلدوں میں لکھا ہے۔

امام ابن قیم نے ابن حزم کے حوالہ سے یوں کہا ہے:۔

قال قد جمع ابوبكر محمدبن موسىٰ بن يعقوب بن امير المؤمنين فتياابن عباس رضى الله عنه فى عشرين كتاباً، وابوبكر المذكور احد ائمة الاسلام فى العلم والحديث. (اعلام الموقعین ص ۱/۱۸)

ابوبکر محمد بن موسیٰ، بن یعقوب بن امیر المومنین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کو بیس جلدوں میں جمع کیا ہے، یہ ابوبکر علم ودین اور حدیث میں ائمہ اسلام میں سے ہیں۔

اور امام محمد بن نوح عجلی متوفی ۲۱۸ھ نے امام ابن شہاب زہری کے فتاوے فقہی ابواب پر تین ضخیم جلدوں میں مرتب کئے، ابن قیم کا بیان ہے:۔

وجمع محمدبن بن نوح فتاويه فى ثلاثة اسفار ضخمةعلى ابواب الفقه. (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۸)

محمد بن نوح نے امام زہری کے فتاوے کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا ہے۔

امام محمد بن نوح عجلی ناصر السنتہ خلق قرآن میں امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ قید کر کے خلیفہ مامون کے پاس مقام رقہ میں بھیجے گئے، مگر راستہ ہی میں ان کا انتقال عین جوانی میں ہوگیا، اور امام احمدؒ نے ان کی تجہیز وتکفین فرمائی۔

مشہورامام لغت وادب احمد بن فارسی متوفی ۳۹۵ھ کی تصانیف میں ایک کتاب فتاویٰ فقیہ العرب ہے، یہ معلوم نہ ہوسکا کہ فقیہ العرب کس بزرگ کا لقب ہے، فتویٰ نویسی نے اس دور میں اوراس کے بعد کافی ترقی کی، اورائمہ فقہ وحدیث کے فتاوے ان کے تلامذہ اور منتسبین نے جمع کئے، امام احمد بن حنبل اپنے اقوال وآراء اور فتاویٰ کے لکھنے کے سخت مخالف تھے، مگران کے شاگرد حبیش بن سندی نے دوجلدوں میں ان کے نادرفتاوے اور مسائل جمع کئے، ابوبکر خلال (احمد بن محمد بن ہارون) متوفی ۳۲۱ھ نے پوری زندگی امام احمدؒ کے مسلک کے جمع وترتیب میں بسر کی، اوراپنی کتاب الجامع الکبیر میں امام صاحب کے آراء واقوال اور فتاویٰ ومسائل مرتب کئے یہ کتاب تقریباً بیس جلدوں میں تھی، اسی طرح دوسرے اہل علم اوراہل فقہ وفتویٰ کے فتاوے مدون ومرتب ہوتے رہے، حتی کہ فقہاء ومحدثین نے اپنے فتاوے خود مرتب کئے اوراس کا رواج عام ہوا۔

امام بغوی (ابومحمد حسین بن مسعود شافعی) متوفی ۵۱۶ھ نے اپنے فتاویٰ خود جمع کئے، اوران کی زندگی ہی میں قاضی حسین نے ان سے مزید فتاوے حاصل کرکے اس پر تعلیق کی، یہ کتاب اہل علم میں بہت مشہور تھی، (طبقات المفسرین، ج۱رص۱۵۸)

سلطان العلماء، ابومحمد عزالدین بن عبدالعزیز سلمی متوفی ۶۶۰ھ نے اپنے فتاویٰ مرتب کئے، ان کی تصانیف میں کتاب الفتاویٰ المجموعہ اورالفتاویٰ الموصلیہ کے نام ہیں، امام تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی متوفی ۷۵۶ھ نے دوجلدوں میں اپنے فتاویٰ لکھے جن میں ان کے بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے شامل تھے، جوخاص خاص استفتاء کے

جواب میں لکھے گئے تھے، امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے الحاوی للفتاوی کے نام سے اپنے فتاوے کتابی شکل میں جمع کئے، ان میں بھی ان کے رسائل و کتب ہیں، یہ کتاب دو جلدوں میں مصر میں چھپ گئی ہے، کل صفحات ساڑھے گیارہ سو کے قریب ہیں۔

تاتاری غارت گری کے بعد علمائے اسلام نے علم دین کے احیاء وتجدید کی مہم شروع کی اور حدیث، فقہ، رجال، تاریخ، طبقات اور دوسرے علوم میں بے شمار کتابیں تصنیف کیں اس زمانہ میں بہت سے صاحب تصانیف کثیرہ علماء ومحدثین پیدا ہوئے جنہوں نے فتاوے کے جمع وتالیف کی شاندار خدمات انجام دیں، اور شام، مصر، خراسان اور ماوراء النہر کے فقہاء نے خاص طور پر فتویٰ میں کتابیں لکھیں، کتابوں کے شروح وحواشی لکھے، کشف الظنون، اور ہدیۃ العارفین وغیرہ سے ان کی تفصیل معلوم ہوسکتی ہے۔

ہندوستان میں فتاویٰ کی تدوین وتالیف کی ابتداء کب ہوئی؟ اسکی تعیین نہیں ہوسکتی، یہاں کا ابتدائی چارسو سالہ اسلامی دور عرب حکمرانوں کا تھا، اور یہاں کے اہل علم کے تصنیفی وتدریسی کارناموں کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے، اس کے بعد غزنوی اور غوری دور میں علماء ومشائخ کی کثرت ہوئی اوران کے دور میں فقہ اور معقولات کا زور رہا، ہمارے علم میں فتاویٰ نویسی کا سلسلہ خلجی دور سلطنت میں شروع ہوا، اور سلطان جلال الدین فیروزشاہ خلجی متوفی ۶۹۶ھ کے دور میں دو عظیم فتاوے مدون ہوئے، ایک کتاب سلطان موصوف کے حکم سے ملا محمد عطاری نے فوائد فیروزشاہی کے نام سے فارسی زبان میں لکھی، اور دوسری کتاب مولانا عالم بن علاؤ اندرپتی دہلوی نے عربی زبان میں زادالسفر کے نام سے تصنیف کی، سلطان کی خواہش تھی کہ یہ کتاب بھی اس کے نام سے منسوب ہو، مگر امیر تارتار خاں سے خصوصی تعلق کی بناپر مولانا نے اسی کے نام پر معنون کیا، اور فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے مشہور ہوئی،

جو فقہ حنفی کی عظیم کتاب ہے، حکومت ہند کے زیر اہتمام اس کی طباعت ہو رہی تھی، اور تین ضخیم جلدیں شائع ہوئیں، غالباً پوری کتاب آٹھ جلدوں میں مکمل ہوتی، اللہ تعالیٰ اس کی طباعت واشاعت کا سامان مہیا کردے۔

اس کے بعد بہت سے فتاوے فارسی اور عربی میں لکھے گئے، مجموعہ خانی امیر الغ قتلغ بہرام خاں کے لئے مولانا کمال الدین بن عبدالکریم ناگوری نے لکھی، خزانۃ الروایات قاضی جگنی گجراتی نے تصنیف کی، مفتی ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین ناگوری نے فتاویٰ حمادیہ کے نام سے کتاب لکھی، قاضی ضیاء الدین عمر سنامی نے الفتاویٰ الضیائیہ کے نام سے اپنے فتاویٰ مرتب کئے، اور قاضی نظام الدین گیلانی جونپوری نے سلطان ابراہیم شاہ شرقی والی جونپوری کے نام سے فتاویٰ ابراہیم شاہیہ لکھی جس کو چلپی نے کشف الظنون میں فتاویٰ قاضی خاں کے مانند کتاب کبیر من افخر الکتب لکھا ہے، اور یہ کہ مصنف نے ایک سوساٹھ کتابوں سے اس کو جمع کیا ہے۔

ان کے علاوہ یہاں کے اصحاب فقہ وفتویٰ اور مشائخ نے بہت سی کتابیں فتاویٰ پر لکھیں، یہاں مثال کے طور پر چند کتابوں کی نشاندہی کردی گئی ہے، اس سلسلہ میں سب سے عظیم خدمت سلطان محمد اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۱۱۸ھ نے انجام دی ہے سلطان موصوف نے اوائل سلطنت میں مولانا نظام الدین برہان پوری کی زیر نگرانی ان چار حنفی علماء وفقہاء کو جمع کرکے فتاویٰ عالمگیری کو مرتب کرایا، قاضی محمد حسین جونپوری، شیخ حامد جونپوری، شیخ علی اکبر حسینی اسعد اللہ خاں، اور مفتی محمد اکرم لاہوری، نیز ان علماء وفقہاء کے تعاون کے لئے تقریباً بیس اہل علم مقرر کئے گئے، یہی فتاویٰ عالمگیری عرب ممالک اور عالم اسلام میں فتاویٰ ہندیہ کے نام سے مشہور ومقبول اور متداول ہے، اور موجودہ دور میں

اسلامی تحریکات ورجال کے نزدیک اسلامی قوانین کے سلسلہ میں فتاویٰ ہندیہ کی افادیت واہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔

اردوزبان میں سب سے پہلے کس نے فتاوے جمع کئے؟اس کی تعین نہیں ہوسکی، گذشتہ صدی تک فارسی زبان کا عام چلن تھا، اورعلماء عام طور سے اسی زبان میں کتابیں لکھتے تھے،اردو میں مذہبی کتابیں لکھنے کا سلسلہ حضرت شاہ عبدالقادر،حضرت شاہ رفیع الدین کے ترجمۂ قرآن کریم اورحضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ وغیرہ کی تصانیف سے شروع ہوا، اسی دور میں مولانا خرم علی بلّہوری نے فقہ حنفی کی مشہور کتاب الدرالمختار کا اردو میں ترجمہ ''غایۃ الاوطار'' کے نام سے شروع کیا،مگراس کی تکمیل سے پہلے ان کا انتقال ہوگیا، نیز انہوں نے مشارق الانوار کا ترجمہ اورشرح اردو میں لکھی،نصیحۃ المسلمین ان کی مشہور کتاب ہے۔

مگران حضرات سے بہت پہلے اردو میں بعض تصانیف ملتی ہیں، جوخالص فقہ وفتویٰ کے موضوع پر ہیں،راقم کے کتب خانہ میں فقہ المبین کے نام سے اردو میں منظوم ۴۶ رصفحہ کا ایک رسالہ ہے، پہلا ورق غائب ہے اس لئے مصنف کا نام معلوم نہیں ہوسکا،یہ رسالہ ۲۳۴ رسال پہلے ۱۱۸۲ھ میں لکھا گیاہے،جیسا کہ مصنف نے کتاب کے خاتمہ پرلکھا ہے۔

یقیں فقہ المبین کوں کر لی مختوم ....بحق دین پناہ وآل معصوم
صدو ہشتاد دو،الف ہجرت ....بتاریخ مبارک گشت تمت
گیارہ سو برس اسی اوپر دو..................سنہ ہجری سین کٹی تھی جب بنایو

کتاب کے عنوانات فارسی میں ہیں، اور مسائل اردو نظم میں ہیں، نمونہ ملاحظہ ہو:۔

فرائض غسل کے سب تین ہیں مان..................اگر باور نہیں تو دیکھ تبیان
اوّل موں میں پانی غرغرہ کر..................پچھیں لے ناک میں پانی برادر
سیوم پانی بہانا سب بدن پر..................فرائض غسل کے کر دل میں از بر

مصنف نے اس کتاب میں اپنے زمانہ کی بدعات وخرافات کا نہایت شدت سے رد کیا ہے، فقہ المبین کو مقبولیت حاصل ہوئی اور لوگوں نے اس کو نقل کیا، اور پڑھا پیش نظر نسخہ ۱۵/شوال ۱۲۲۴ھ میں لکھا گیا ہے، عجب کیا ہے کہ یہ فقہ وفتویٰ میں اردو زبان میں پہلی کتاب ہو۔

قاضی اطہر مبارک پوری

۲۸/جمادی اولیٰ ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
صاحب فتاویٰ فقیہ الامت
حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ
مفتی اعظم ہند ودار العلوم دیوبند

F.M.Fainal\Jild-1\03-Muqaddama

مختصر سوانحی خاکہ صاحب فتاویٰ

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ

مفتی اعظم ہند و دار العلوم دیوبند

نام: محمود حسن

وطن: گنگوہ

خطاب: فقیہ الامت اور مفتی اعظم ہند و دار العلوم دیو بند

ولادت باسعادت: ۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ شب جمعہ محدث وقت فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی وفات کے ٹھیک دو سال بعد۔

بشارت: گنگوہ میں ایک مجذوب رہتے تھے جس وقت ان کو اطلاع ملی کہ حضرت مولا حامد حسن گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں بچہ پیدا ہوا ہے تو فرمایا۔ مولانا رشید احمد صاحبؒ کا بدل آ گیا۔

والد ماجد حضرت مولانا حامد حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ

جو حضرت شیخ الہندؒ کے خاص شاگرد اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب قدس سرہٗ کے رفیق درس تھے۔ زاہد وقت اور درویش صفت تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے نہٹور ضلع بجنور تشریف لے گئے تھے، اور پوری زندگی وہیں گزاردی وہیں مدفون ہوئے، شدت علالت کے باوجود وہاں سے اس خیال کیوجہ سے منتقل نہیں ہوئے کہ اگر قیامت میں استاذ محترم نے پوچھ لیا کہ ایک مدرسہ حوالہ کیا تھا، اس کو چھوڑ کر چلے گئے، تو کیا جواب دونگا، کسی کی دعوت قبول نہیں کرتے تھے، کسی سے خدمت نہیں لیتے تھے، امامت پر کبھی اجرت نہیں لیتے تھے، مسجد کا لوٹا تک استعمال نہیں فرماتے تھے

مسجد میں کوئی عالم وعظ کہتا اس کو بغور سنتے، دوران وعظ کوئی مسئلہ یا حدیث غلط بیان کرتا، دوران وعظ ہی کھڑے ہوکر ٹوک دیتے اور اصل مسئلہ یا حدیث بیان فرماتے۔

کوئی نکاح کا اصرار کرتا، تو نکاح کے لئے تشریف لے جاتے، کوئی خلاف شرع چیز دیکھتے اس پر نکیر فرماتے، اگر وہ اصلاح کر لیتے تو ٹھیک ورنہ بلا نکاح پڑھائے واپس ہوجاتے، نکاح کی نہ اجرت لیتے نہ وہاں کھانا کھاتے، اگر شادی والے کھانا مکان پر بھیجتے تو واپس نہ فرماتے، مگر نہ خود کھاتے نہ اپنے اہل خانہ کو کھلاتے بلکہ پڑوس میں ایک غریب شخص تھا اس کے یہاں بھیجدیتے۔

۲۱ر محرم الحرام ۱۳۷۱ھ دن میں نو بجے کے قریب انتقال فرمایا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً (اناللّٰہ و انا الیہ راجعون)

داداصاحب: حاجی خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ

قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند سے بیعت تھے، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ سے خاص تعلق تھا، حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی گھریلو بہت سی خدمات مکان کی مرمت وغیرہ آپ کے سپرد تھیں، کہ مستری یامزدور کو بلاکر مرمت کرادیتے تھے۔

اورادواشغال کے پابند، متبع سنت، گوشہ نشیں بزرگ تھے، حضرت مفتی صاحبؒ کی پانچ چھ سال کی عمر تھی کہ ان کی وفات ہوگئی، اناللّٰہ وانا الیہ راجعون.

نسبت وخاندان: ایوبی، انصاری۔

جداعلی: میزبان رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

جن کی اولاد میں بڑے بڑے مشائخ، اولیاء کرام اہل کمال پیدا ہوئے۔

صاحب بذل المجہود، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری مہاجر مدنی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ بھی اسی خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔

بسم اللہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہٗ نے بسم اللہ کرائی۔

ابتدائی تعلیم: حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی صاحبزادی صاحبہ قدس سرہا کی بیٹھک میں مکتب چلتا تھا، اس میں ابتدائی تعلیم ہوئی۔

حفظ کلام پاک: حافظ کریم بخش گنگوہیؒ اور حافظ عبدالکریم صاحب گنگوہی قدس سرہٗ سے کلام پاک حفظ کیا۔

ابتدائی فارسی: حضرت مولانا مظہر نانوتوی قدس سرہٗ (جن کے نام کی طرف نسبت کرتے ہوئے مظاہر علوم سہارنپور کا نام رکھا گیا ہے) کے شاگرد خاص حضرت مولانا فخر الدین گنگوہی قدس سرہٗ سے آمدنامہ اور بوستاں کے چند اشعار پڑھے۔

پھر نہٹور میں مولانا امتیاز حسن صاحبؒ اور اپنے والد ماجد صاحب قدس سرہٗ سے فارسی کی بقیہ کتابیں اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

مظاہر علوم میں حاضری

۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم میں حاضری ہوئی اور سات سال تک مظاہر علوم میں جلالین شریف تک تکمیل علوم کی۔

دارالعلوم دیوبند میں حاضری

سات سال مظاہر علوم میں رہکر پھر دارالعلوم دیوبند حاضری ہوئی، اور ۱۳۴۸ھ میں مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھی۔

اور ۱۳۴۹ھ اور ۱۳۵۰ھ دو سال میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

دارالعلوم سے فراغت

اس طرح دورہ حدیث شریف ایک سال کے بجائے دو سال میں پڑھ کرتا کہ ہر کتاب میں خوب محنت کی جا سکے، ۱۳۵۰ھ میں فراغت حاصل ہوئی۔

مظاہر علوم میں دوبارہ آمد

دارالعلوم سے فراغت کے بعد شوال ۱۳۵۰ھ میں پھر دوبارہ مظاہر علوم میں حاضری ہوئی، اور محدث عصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ سے ابو داؤد شریف اور بعض دیگر کتب حدیث دیگر اساتذہ سے پڑھیں۔

تمرین فتاویٰ نویسی

رسم المفتی حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری صدر مدرس مظاہر علوم سے پڑھی، اور فتاویٰ کے جوابات لکھ کر، حضرت مفتی سعید احمد صاحب قدس سرہٗ مفتی اعظم مظاہر علوم۔
حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ ناظم مظاہر علوم ہر دو حضرات کو دکھایا کرتے، ہر دو حضرات اصلاح اور مفید مشوروں سے نوازا کرتے، گو اصلاح کی ضرورت شاذ و نادر ہی پیش آیا کرتی۔

اساتذہ کرام

مظاہر علوم کے اساتذہ:۔

☆ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدوسی قدس سرہٗ
☆ حضرت مولانا مفتی ضیاء احمد صاحب قدس سرہٗ
☆ حضرت مولانا ظہور الحق صاحب قدس سرہٗ
☆ حضرت مولانا اخلاق صاحب قدس سرہٗ
☆ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کیمل پوری قدس سرہٗ
☆ حضرت مولانا عبد الرحمٰن اورنگ آبادی صاحب قدس سرہٗ
☆ حضرت مولانا عبد المجید صاحب قدس سرہٗ
☆ مناظر عصر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم قدس سرہٗ
☆ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمل پوری قدس سرہٗ صدر مدرس مظاہر علوم
☆ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم
☆ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب قدس سرہٗ مفتی اعظم مظاہر علوم۔
☆ محدث عصر حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ شیخ الحدیث مظاہر علوم مہاجر مدنیؒ

اساتذہ دارالعلوم دیوبند

- شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہٗ
- حضرت مولانا نبیہ حسن صاحب قدس سرہٗ
- حضرت علاّمہ ابرہیم صاحب قدس سرہٗ
- حضرت مولانا قاری میاں سید اصغر حسین صاحب قدس سرہٗ
- شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب قدس سرہٗ

زمانۂ طالب علمی میں محنت

کسی شاعر کا شعر ہے:۔

بَقَدْرِ الْكَدِّ تُكْتَسَبُ الْمَعَالِیْ...... وَمَنْ طَلَبَ الْعُلٰی سَهَرَ اللَّيَالِیْ

محنت ومشقت کے بقدر بلندیاں حاصل کی جاتی ہیں، جو بلندیوں کا ارادہ کرتا ہے، راتوں کو جاگتا ہے۔

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ نے جس محنت ومشقت اور جفاکشی سے علم حاصل کیا ہے، اس سے اسلاف کرام کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، اس محنت ومشقت کا اس دور میں تصور بھی دشوار ہے، خود حضرت قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

پڑھائی کے وقت میں نے محنت بہت کی تھی، محض اس وجہ سے کہ میں بہت کند ذہن تھا یہ سوچتا تھا کہ پڑھنے کے بعد پڑھانے کا موقع تو ملے گا نہیں چونکہ ذہن کمزور ہے، بس اسی وقت جو کچھ محنت کرسکتا ہوں کرلوں تمہاری اس ''میبذی'' کا تکرار میں نے دس مرتبہ کیا ہے، اور اس کی تمام عبارت مجھے حفظ یاد ہوگئی تھی۔

جب ''میبذی'' جیسی خشک کتاب کے ساتھ محنت کا یہ حال ہے تو دوسری کتب کے ساتھ محنت کا کیا حال ہوگا، جن کے پڑھنے کا خود سے ذوق وشوق ہوتا ہے۔

یہ تو عام معمول تھا، کہ جو کتاب پڑھتے تھے اس کا تکرار بھی ضرور کراتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت مولانا احمد صاحب قدس سرہٗ حسن پور مرادآباد سے تشریف لائے حضرت قدس سرہٗ نے ان سے ملاقات کی انہوں نے تکرار ومطالعہ وغیرہ کے بارہ میں دریافت

فرمایا، حضرت قدس سرہٗ نے عرض کیا میرا معمول یہ ہے کہ جو کتاب گذشتہ سال پڑھی اس سال اسکا تکرار کرایا، مولانا احمد شاہ صاحبؒ نے فرمایا، لاؤ تو پھر میں آپکے ہاتھ چوم لوں۔ تکرار کے ساتھ یہ بھی معمول تھا کہ جو کتاب پڑھ چکے وہ نچلی جماعت کے بعض طلبہ کو جو خواہشمند ہوتے پڑھاتے بھی تھے، اور حضرت قدس سرہٗ کے اس معمول کا علم اساتذہ کرام کو بھی تھا، جس کی وجہ سے حضرات اساتذہ حضرت قدس سرہٗ کی بہت قدر کرتے تھے، اور بعض اپنے خاص طلبہ کی سفارش بھی فرماتے کہ فلاں طالب علم کو فلاں کتاب پڑھادو۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا ایک ملفوظ ملاحظہ فرمائیں:۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہٗ کی طلبہ پر ہیبت بہت تھی احاطۂ مسجد میں جس کمرہ میں میرا قیام تھا اس کمرہ میں حضرت مولاناؒ کا قیام تھا کمرہ کے پیچھے کو کھڑکی کے پاس سے طلبہ گزرتے ہوئے، گھبراتے تھے، کہ کہیں حضرت کی نظر نہ پڑ جائے، جس درسگاہ میں، میں تکرار کرایا کرتا تھا، اس کے پاس سے گزرتے تھے، ایک طالب علم کی سفارش بھی فرمائی، کہ آپ طلبہ کے ساتھ بہت احسان کا معاملہ فرماتے ہیں اس کو فلاں کتاب میری خاطر پڑھادیجئے؟۔

مطالعہ کا بہت اہتمام فرماتے تھے، ہر کتاب سے متعلق شروح وحواشی بھی تفصیل سے دیکھتے، دوتین گھنٹے سونے کے نکال کر بقیہ پوری رات تکرار مطالعہ وکتب بینی میں گزرتی اور بعض دفعہ پوری رات مطالعہ میں گزر جاتی تھی، مطالعہ کا اہتمام اسلئے بھی زیادہ تھا کہ حضرت قدس سرہٗ کے والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے جو طالبعلم ایک روز مطالعہ نہ کرے تو چالیس روز کی برکت جاتی رہتی ہے، اور چالیس روز کی استعداد کم ہوجاتی ہے۔

نظام الاوقات :۔اکابر کے یہاں انضباط اوقات کا اہتمام ہمیشہ رہا ہے، کہ اس کے بغیر ہر کام وقت پر مشکل ہوتا ہے ،اور معمولات کی پابندی میں دشواری ہوتی ہے ، اور معمولات کی پابندی ہی ترقی کا زینہ ہے، جس نے جو پایا ہے، وہ معمولات کی پابندی ہی سے پایا ہے، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں انضباط اوقات کا بہت اہتمام تھا اپنے متوسلین و متعلقین کو بھی اسطرف توجہ دلاتے رہتے تھے، حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کو زمانہ طالب علمی سے ہی اسکا اہتمام تھا چنانچہ زمانۂ طالب علمی کا نظام اولاقات حضرت قدس سرہٗ کے تحریر فرمودہ کاغذات میں مل گیا جس کو حضرت نے شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں پیش کیا ہوگا ،اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے قلم سے اس میں کچھ اصلاح و ترمیم بھی فرمائی۔

وَهُوَهٰذا

بعد صلوٰۃ الفجر	تلاوت
پہلا اور دوسرا گھنٹہ	سبق اقلیدس ومطالعہ ابوداؤد شریف
تیسرا گھنٹہ	مراجعت کتب نزد بندہ

(یہ اصلاح حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کی معلوم ہوتی ہے)

چوتھا گھنٹہ	سبق طحاوی شریف
۱۱/ سے ۱۲/ تک	کھانا
۱۲/ سے ۱/ تک	سونا
۱/ سے ظہر تک	مطالعہ وتکرار اقلیدس
بعد ظہر	حزب الاعظم
پانچواں گھنٹہ	سبق ابوداؤد شریف
چھٹا گھنٹہ	سبق نسائی شریف
۴/ سے ۵/ تک	تکرار نسائی شریف
بعد عصر مغرب تک	کھانا وچہل قدمی
بعد مغرب عشاء تک	تکرار ابوداؤد شریف وطحاوی
اذان سے نماز تک	تسبیحات
بعد عشاء ۳/ تک	سونا
۳/ سے صبح تک	مطالعہ نسائی وطحاوی شریف
قبل صلوٰۃ الفجر	تسبیحات

زمانۂ طالب علمی میں تلاوت کلام پاک کا معمول

گذشتہ پرچہ میں مذکورہ نظام الاوقات کے ساتھ کمرہ سے درسگاہ جاتے آتے دارقدیم سے دارجدید آنے جانے کے درمیانی اوقات میں تلاوت کلام پاک کا سلسلہ رہتا تھا، ایک معتمد نے زمانۂ طالبعلمی کا حضرت قدس سرہٗ کا ارشاد نقل کیا ہے:۔

میں دارقدیم سے دارجدید تک ایک پارہ پڑھ لیتا ہوں، اتنی قلیل مسافت میں ایک پارہ پڑھ لینا، مجھ جیسوں کے لئے موجب تعجب ضرور ہے، مگر ناممکن نہیں، حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کا عصر مغرب کے درمیان قرآن پاک ختم کر لینے کا واقعہ مشہور ہے، بزرگوں کے لئے جس طرح طی ارض ہوتا ہے، اسی طرح طی کلام بھی ہوتا ہے، اس لئے اس میں کچھ استحالہ نہیں۔

راقم الحروف کی زمانۂ طالب علمی میں ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ نے ارشادفرمایا میں جب تمہاری عمر میں تھا، قرآن پاک کی ایک منزل یومیہ پڑھنے کا معمول تھا، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی زمانہ طالب علمی کا نظام الاوقات آپ ملاحظہ فرما ہی چکے اس میں تمام وقت چوبیس گھنٹہ کا مشغول ہے اس کے باوجود ایک منزل یومیہ پڑھ لینا بطور کرامت ہی ہوسکتا ہے۔

ایثار و قناعت :۔حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو بچپن سے ہی اس ایثار وقناعت اورمحنت و جفاکشی کا خوگر بنایا تھا ،کہ اس کی نظیر بمشکل ملے گی ، بلکہ اگر کہا جائے کہ جو ایثار وقناعت بڑے مجاہدات کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہےاور بڑی ریاضتوں کے بعد طبیعت اس کی خوگر ہوتی ہے ،اور وہ بھی ہر کسی کی نہیں ، بلکہ کسی پر اللہ پاک کا خاص فضل ہو جائے ،وہ ایثار وقناعت پسندی حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے اندر بچپن سے رکھی تھی ، طالب علمی کا زمانہ کس حد تک آزادی کا سمجھا جاتا ہے ،مگر وہاں اس زمانہ میں بھی یہ حال تھا کہ مدرسہ سے جو دو وقت کا کھانا ملتا تھا ،حضرت قدس سرہٗ ہمیشہ ایک وقت کا کھانا خود کھاتے اور ایک وقت کا کھانا کسی غریب طالب علم کو کھلاتے ،جس کا مدرسہ سے کھانا نہیں ہوتا ، ناشتہ وغیرہ کرنا حضرت جانتے ہی نہ تھے ،کہ کیا ہوتا ہے ، یہ معمول حضرت قدس سرہٗ کا پورے زمانہ طالب علمی میں رہا ،اور فراغت کے بعد مدرسی کے زمانہ میں بھی یہی معمول تھا ، جب مہمانوں کا ہجوم شروع ہو گیا ، تو مہمانوں کی رعایت میں دوسرے وقت کھانے اور ناشتہ میں شرکت شروع فرمائی وہ بھی برائے نام ہی شرکت ہوتی ، اسی کو کسی نے کہا ہے۔

نیم نانے گر خورد مردِ خدا............ بذل درویشاں کند نیمے دگر

جس کے بچپن کا یہ حال ہو ، ریاضت ومجاہدات کے بعد اس کا کیا حال ہوا ہوگا اس کا سمجھنا اور اندازہ لگانا مشکل نہیں ۔

اعتماد اور توکل علی اللہ:۔ برسوں مجاہدات کے بعد توکل علی اللہ کی دولت کسی خوش نصیب کو حاصل ہوتی ہے، اور جس خوش نصیب کو یہ دولت میسر آگئی، اسکو ہفت اقلیم سے کہیں زیادہ بڑھ کر دولت وسلطنت مل گئی جس ماحول میں حضرت قدس سرہٗ نے آنکھ کھولی اور جن گودوں میں پرورش پائی یہ اسی کا اثر تھا۔

زمانہ طالب علمی میں والد صاحب قدس سرہٗ نے خط لکھا کہ اگر کچھ ضرورت ہو تو لکھو حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میرے پاس اس وقت دو پیسے تھے اور اسی وقت کارڈ دو پیسے کا ہوا تھا، انہیں دو پیسے کا میں نے ایک کارڈ منگایا اور لکھا الحمد للہ مجھے کوئی ضرورت نہیں اللہ اکبر! اس قناعت اور توکل علی اللہ کی نظیر بمشکل ہی شاید کہیں مل سکے خود سے کسی سے کہنا یا ضرورت کا اظہار کرنا تو کجا، یہاں تو والد صاحبؒ کے دریافت کرنے پر بھی غیور وقانع اور توکل علی اللہ کی خوگر طبیعت اظہار ضرورت کی اجازت نہیں دیتی جس کے بچپن کا یہ حال ہو ریاضت ومجاہدات کے بعد اس کا کیا حال ہوا ہوگا، اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے، اندازہ وہی لگا سکتا ہے، جو خود بھی اس کوچہ سے آشنا ہو، ناآشنا کیا خاک اندازہ لگا سکتا ہے۔

حیرت انگیز محنت وجفاکشی

تحصیل علوم کا جذبہ آپ پر اس قدر غالب تھا کہ دن رات اسی میں غرق رہتے تھے، اور زندگی کی ساری دلچسپیاں اسی میں سمٹ کر جمع ہوگئیں تھیں۔

حضرت قدس سرہٗ کی طلب وشوق کا حال شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے حسب حال تھا، انہوں نے اپنا حال اس طرح بیان فرمایا ہے:۔

از ابتدائے ایام طفولیت نمی دانم کہ بازی چیست وخواب کدام ومصاحبت کیست وآرام چہ آسائش وسیر کجا۔

بچپن سے (میرا یہ حال ہے کہ) مجھے یہ نہیں معلوم کہ کھیل کود کیا ہے، خواب ومصاحبت وآرام اور آسائش کے کیا معنی ہیں، میں نہیں جانتا کہ سیر کیسی ہوتی ہے۔

شب خواب چہ وسکوں کدام است

خودخواب بعاشقاں حرام است

ہرگز درشوق کسب وکارطعام بوقت .... نخوردہ خواب درمحل نبردہ[1]

ترجمہ:۔تحصیل علم میں مشغولیت کی بناء پرکھانا کبھی بروقت نہیں کھایا اورنیند بھرکرنہیں سویا۔

بعض دفعہ مطالعہ کی مشغولیت میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے عمامہ اور بال جل گئے اور آگ لگنے کی خبرتک نہ ہوئی خود فرماتے ہیں:۔

چہ دودہائے چراغ کہ دردماغ نرفت — کدام بادۂ محنت کہ درایاغ نرفت

کدام خواب وچہ آسائش وکجا آرام — چہ خارخار کہ درشہرۂ فراغ نرفت

بجیرتم زدل خود کہ عمر رفت ولے — زکنج کدہ ہرگز بہ صحن باغ نرفت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ نے اپنا حال ذکر فرمایا ہے،فقیہ الامت حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے طلب وشوق کا حال خودان کے ملفوظ سے سمجھئے فرماتے ہیں:۔

---

[1] حیات شیخ عبدالحق صاحبؒ ص۸۴،بحوالہ اخبارالاخبار،ص۳۰۲)

جس وقت میں مظاہر علوم (سہارنپور) میں مدرس تھا تو رات کو اپنے کمرہ میں لالٹین جلائی اور کمرہ بند کر کے مطالعہ کرنے بیٹھ گیا اچانک میری کمر دکھنے لگی میں نے کمر پر ہاتھ پھیرا اس کے بعد گھڑی میں جو دیکھا تو مجھ کو بیٹھے ہوئے آٹھ گھنٹے ہو گئے تھے، درمیان میں صرف عشاء کی نماز کے لئے اُٹھا تھا، اس کے بعد جو لالٹین کو دیکھا تو اس میں تیل بھی ختم ہو گیا تھا، میں نے کہا تیری خطا نہیں اس کے بعد لالٹین بجھا کر سو گیا۔

پھر فرمایا میں چاہے جتنی دیر تک کتاب وغیرہ دیکھتا لیکن کبھی الحمدللہ نہ تو دماغ تھکا نہ کمر دکھی۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اصلی گھی کھائے ہوں گے۔

فرمایا کہ یہ تو مجھ کو نقصان دیا کرتا تھا ایک شخص ایک مرتبہ اصلی گھی کی دیگچی بھر کر لائے تو میں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اصلی گھی مجھ کو نقصان دیتا ہے۔

آٹھ گھنٹہ مسلسل کتاب دیکھنا اور وقت کا پتہ نہ چلے کہ کتنا گزر گیا کس شوق اور لگن کی خبر دے رہا ہے اور پھر کتنی بھی دیر تک کتاب دیکھیں نہ کمر دکھے نہ دماغ تھکے، معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے پیدا ہی اسی کام کے لئے فرمایا تھا، ورنہ کون شخص ایسا ہوگا کہ گھنٹوں پڑھے اور مطالعہ کرے نہ کمر دکھے نہ دماغ تھکے۔

زمانۂ طالب علمی کا ایک معمول :۔حضرت والا قدس سرہٗ نے زمانہ طالب علمی کا معمول بیان فرمایا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ ہم چار ساتھی مظاہر علوم میں طالب علمی کے دور میں ایک جگہ کھانا کھایا کرتے تھے، رہتے تھے علیٰحدہ علیٰحدہ کمروں میں، لیکن کھانا ایک جگہ کھایا کرتے تھے، لیکن جب امتحان قریب ہوتا تھا تو آپس میں ہاتھ ملایا کرتے تھے کہ بس بھائی کھانا علیٰحدہ علیٰحدہ کھالیا کرو اور انشاءاللہ، امتحان کے بعد ملاقات ہوگی۔

محنت وجفاکشی اور عزم وھمت:۔حضرت والا قدس سرہٗ زمانۂ طالب علمی میں سہارنپور سے گنگوہ ،گنگوہ سے سہارنپور اکثر پیدل سفر فرمایا کرتے تھے ، ایک مرتبہ سہارنپور سے دیوبند بھی کسی ضرورت سے جانا تھا گاڑی میں دیر تھی گاڑی کا انتظار نہیں فرمایا بلکہ پیدل ہی چل دیئے، گاڑی راستہ میں ملی تب اس میں سوار ہوئے ، واپسی میں ٹرین سے جانے کے لئے اسٹیشن پہنچے معلوم ہوا کہ ٹرین چھوٹ گئی ،تو اب دوسری ٹرین کا انتظار نہیں فرمایا کہ وہ لمبے وقفہ کے بعد تھی اور اس وقت ٹھہرنے میں حرج ہوتا اس لئے اسی وقت پیدل چلدیئے اور پیدل ہی سہارنپور پہنچے تو گویا سہارنپور سے دیوبند، دیوبند سے سہارنپور کا پورا سفر پیدل ہی فرمایا جس سے وقت کی قدر ارادہ کی پختگی کہ اگر پہاڑ بھی سامنے آجائے تو گویا وہ بھی حائل نہ ہوسکے اور اسکے لئے انتہائی محنت وجفاکشی جیسی عظیم صفات کا علم ہوتا ہے۔

پہلا سفر فرمانے کا واقعہ خود حضرت قدس سرہٗ نے بیان فرمایا خود حضرت قدس سرہٗ کے الفاظ میں سنئے ارشاد فرمایا:۔

اب تو ہمارے طلبہ کو ذراسی دور بھی پیدل چلنا مشکل ہوتا ہے ، حالانکہ پہلے طلبہ پیدل سفر بہت کیا کرتے تھے، میں گنگوہ سے سہارنپور،سہارنپور سے گنگوہ کئی مرتبہ پیدل گیا ہوں ایک مرتبہ دیوبند کچھ کام تھا،گاڑی میں کچھ دیر تھی میں نے سوچا کون انتظار کریگا، میں پیدل ہی چل دیا راستہ میں گاڑی مل گئی اس میں سوار ہوگیا اس کے بعد جب دیوبند سے سہارنپور واپس آنا تھا اسٹیشن پہنچا تو معلوم ہوا کہ گاڑی چھوٹ گئی اسی وقت پیدل سہارنپور کے لئے چل دیا عصر کے قریب سہارنپور پہنچا۔

سفر میں تلاوت کلام پاک

گنگوہ کے قاری عبدالحمید صاحب جن کا گنگوہ قیام تھا، حسن پور مرادآباد کے رہنے والے تھے، ان سے ملاقات ہوئی، دوران گفتگو حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے تذکرہ پرانہوں نے فرمایا: حضرت مفتی صاحب سہارنپور سے گنگوہ پیدل سفرفرمایا کرتے تھے، ہم پوچھتے کہ کتنے گھنٹے میں پہنچے توفرماتے گھنٹوں کا توعلم نہیں البتہ میں نے راستہ میں بیس پارے ختم کرلئے،کبھی فرماتے بائیس پارے کبھی اٹھارہ پارے فرماتے راستہ میں پڑھے۔

سبق کی پابندی:۔حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سبق کی پابندی کا بہت اہتمام فرماتے تھے، کہ ایک سبق کی بھی غیرحاضری نہ ہوایک دفعہ ارشادفرمایا، بخاری شریف ازاول تاآخرحضرت مدنیؒ سے اس شان سے پڑھی کہ کبھی سبق میں غیرحاضری نہیں ہوئی کوئی حدیث نہیں چھوٹی۔

ایک دفعہ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ سخت علیل ہوئے طبیعت چاہتی تھی کہ عیادت کے لئے سہارنپور شیخ کی خدمت میں حاضری دیں مگرادھرسبق ناغہ ہونے کا خیال دامن گیرہوتا تھا، اپنی اس کشمکش کوحضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کوخط میں لکھ بھیجا، آناچاہتاہوں صرف ایک سبق کا ناغہ ہوگا۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے جواب میں تحریرفرمایا کہ میری صلاح نہیں کہ تم اس حالت میں سہارنپور کا ارادہ کروسال کا ختم ہے اسباق کی کثرت ہوگی۔ایک سبق توبہت

کچھ ہوتا ہے، ایک حدیث کا استاذ کی نظروں سے رہ جانا بھی میرے نزدیک ناقابل تلافی نقصان ہے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کوٹرین کے ذریعہ سہارنپور سے میرٹھ تشریف لے جانا تھا، دیوبند راستہ میں پڑتا ہے، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ اسٹیشن پر حاضر ہوکر ملاقات کرنا چاہتے تھے، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ سے اجازت طلب کی؟ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے جواب تحریر فرمایا، سبق کا حرج کرکے تو ملنا گراں ہے اور سخت گراں، سبق نہ ہو تو ضرور تکلیف کریں۔

ذکاوت وذہانت

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت قدس سرہٗ کو ذکاوت وذہانت بھی بدرجۂ کمال عطا فرمائی تھی کہ اس کی نظیر اس دور میں بمشکل ملے گی، اصل تو یہ صفات حق تعالیٰ شانہٗ نے فطری طور پر حضرت کے اندر رکھی تھیں، اور حضرت کی شب وروز کی محنت وجفاکشی نے ان صفات کو اور زیادہ جلا بخشی اور نکھار دیا، زمانۂ طالب علمی میں ذکاوت وذہانت اور فہم وفراست سے متعلق ایک دو مثالیں پیش خدمت ہیں:۔

حضرت سہارنپوی مولانا خلیل احمد صاحب، مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ گنگوہ تشریف لائے، حافظ محمد یعقوب صاحب کے یہاں مہمان ہوئے تھے، میں مٹھائی لے کر حاضر ہوا، حضرت سہارنپوری کی خدمت میں پیش کی، فرمایا کون، حافظ محمد یعقوب صاحبؒ نے بتایا محمود مدرسہ مظاہر علوم میں پڑھتا ہے، مولوی حامد حسن صاحب کا بیٹا، لے لیا، حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے سنگوا کر رکھ دیا، مولانا عبداللطیف صاحبؒ نے فرمایا محمود ہمیں اجازت ہے چکھنے کی؟ میں نے کہا جب حضرت کی خدمت میں پہنچ گیا پھر

اجازت کی کیا بات ہے، (یعنی میری ملکیت ختم ہوگئی، اب اجازت کا اختیار باقی نہیں رہا) مولانا عبداللطیف صاحبؒ نے شیخ علیہ الرحمہ سے فرمایا دیکھو کیسا جواب دیا، اس وقت حضرت شیخ قدس سرہٗ مجھ کو نہیں پہچانتے تھے، مولانا عبداللطیف صاحبؒ پہچانتے تھے۔

نسائی شریف کے درس میں حضرت قدس سرہٗ نے اپنا ایک اشکال اور استاد کی طرف سے جواب بیان فرمایا، ملاحظہ ہو:۔

ارشاد:۔ نسائی شریف کے سبق میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ سے عرض کیا کہ جب سبق میں دعاء وسیلہ کی بحث آئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امتیوں کو حکم فرمایا ہے "**سلوا اللّٰہ لی الوسیلة**" کہ میرے لئے وسیلہ طلب کریں، حالانکہ وہ حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے ہی، دعاء کا حاصل سفارش ہے، امت کی حیثیت کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سفارش کرے، امت کی تو نجات کا مدار ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر ہے، پھر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وسیلہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے، مگر دعاؤں کی ایک مقدار اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے، اس مقدار کے پورا ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا جائیگا، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کی درخواست کی کہ میری دعا کے ذریعہ اس عدد کی تکمیل کردی جائے، جواب ملا یہ تمہاری تقدیر میں نہیں، اس کے بعد شیخ محی الدین قدس سرہٗ کے کلام میں دیکھا کہ مومن کی دعا تقدیر کو بدل دیتی ہے، تو میں نے بہت لجاجت اور آہ وزاری سے اللہ پاک سے دعا کی کہ میری دعاء کے ذریعہ اس عدد کی تکمیل فرمادیجئے، دعا قبول ہوگئی اور بشارت بھی ہوگئی کہ تمہاری دعاء کے ذریعہ اس عدد کی تکمیل کردی گئی اور وسیلہ عطا کردیا گیا۔

میں نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہٗ سے عرض کیا جب اس عدد کی تکمیل ہوگئی، اور وسیلہ عطا کر دیا گیا، تو اب دعاء تحصیل حاصل ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ بھائی مجدد صاحبؒ کے کشف کو آنکھوں سے لگا کر ہونٹوں سے چوم کر سر پر رکھ کر ادب سے اٹھا کر طاق میں رکھ دو اور حدیث پر عمل کرو۔

(بتایا کہ ادب بزرگوں کے کشف کا بھی کیا جائے، مگر عمل کے لئے حدیث ہے کشف حجت نہیں، حدیث حجت ہے، تعارض کی صورت میں حدیث پر ہی عمل ہوگا، مگر احترام بزرگوں کے کشف کا بھی ضروری ہے)

درس جلالین شریف

جلالین شریف کے سبق میں ایک استاذ شاگرد کا واقعہ حضرت قدس سرہٗ نے سنایا تھا اندازہ یہ ہے کہ وہ خود حضرت قدس سرہٗ کا اپنا واقعہ ہے مگر چوں کہ حضرت قدس سرہٗ میں اپنے کمالات کا اخفا بہت ہے، اس لئے طالبین کی اصلاح کے لئے اپنے کسی کمال کا ذکر کرنا ہو تب بھی اسکی نسبت اپنی طرف نہیں فرماتے بلکہ آپ کا طرز علم اس شعر کا مصداق ہوتا ہے۔

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں .... گفتہ آید در حدیث دیگراں

ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک جگہ جلالین شریف کا سبق ہو رہا تھا، استاد نے کہہ دیا طالبعلم جو چاہے سوال کرے اس کے بعد استاذ نے پڑھانا شروع کیا "وَاِذْاَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ لَاتَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰه، الآية" اَخَذَ صیغہ واحد مذکر غائب اَخَذَ يَاخُذُ، نَصَرَ يَنْصُرُ سے، یہ مہموز الفاء ہے اس سے امر آتا ہے خذ، مہموز الفاء کے دو مصدر اور آتے ہیں جن کے امر کا ہمزہ خلاف قیاس حذف ہو جاتا ہے، اَكَلَ يَاكُلُ سے كُلْ

اَمَرَيَامُرُ سے مُرُ. مِيْثَاق کے معنی عہد وثوق سے مشتق ہے۔

اِسْرَائِيْلَ ،اِسْرَا کے معنی عبد کےاور ایل کے معنی اللہ اسرائیل کے معنی عبداللہ یہ لقب ہے حضرت سیدنا یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا۔ لَاتَعْبُدُوْنَ ،مضارع منفی جمع حاضر کا صیغہ ہے جو نہی کے معنی میں ہے ''عَبَدَيَعْبُدُ سے مشتق ہے عبد مادہ ہے عبد کے دو معنی ہیں، غلام، انسانوں کے غلام، اس معنی میں جب عبد آتا ہے اسکی جمع عبید آتی ہے، دوسرے معنی اللہ کا بندہ، جب یہ لفظ عبد اس معنی میں آتا ہے، اس کی جمع عباد آتی ہے۔

شاگرد! عبید اسم جمع ہے۔

استاذ! کہاں لکھا ہے؟

شاگرد! فصول اکبری کی شرح میں ہے!

استاذ! اس میں دو قول ہیں، ایک سیبویہ کا دوسرا اخفش کا میں نے اخفش کا قول لیا ہے، اخفش کے نزدیک یہ جمع ہے، سیبویہ کے نزدیک اسم جمع ہے۔

شاگرد! سیبویہ استاذ تھا، اخفش شاگرد، آپ نے استاذ کا قول چھوڑ کر شاگرد کا قول کیوں لیا؟

استاذ! جس اخفش کا قول میں نے لیا ہے وہ سیبویہ کا استاذ تھا، اخفش تین ہیں، ایک سیبویہ کا استاذ ہے، ایک ہم عصر ہے، ایک شاگرد ہے۔

شاگرد! ''اِنَّ اللّٰه لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيْد'' میں کس کے غلام مراد ہیں؟

استاذ! عبید، مشترک ہے انسان کے غلاموں میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے بھی البتہ عباد اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے خاص ہے۔

شاگرد! ''وَاَنْكِحُوا الاَيَامىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَائِكُمْ '' الآية میں ''عباد'' کی اضافت ''کم'' ضمیر کی طرف ہے جو جمع مذکر حاضر کیلئے ہے تو یہاں عباد انسانوں کے غلاموں کے لئے متعین ہے۔

استاذ نے خفا ہو کر کہا نا معقول تم سے ایسی باتیں پوچھنے کو کس نے کہا اور خاموش ہو گئے، اس گفتگو سے استاذ و شاگرد دونوں کی لیاقت و ذہانت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

وزیرے چنیں شہریار چنیں

اور جس شاگرد کا زمانۂ طالب علمی میں یہ حال ہو تکمیل علوم کے بعد اس کا کیا حال ہوا ہوگا چنانچہ آج دنیا حضرت قدس سرہٗ کی ذہانت و فطانت سے حیران ہے اور اس بانوے برس کی عمر میں بھی اس استحضار اور تیقظ کو عجوبہ روزگار اور قدرت خداوندی کی عظیم نشانی ہی کہا جا سکتا ہے۔

تیری عظمت، تیری شوکت، وہ ترا جاہ و جلال
تیری شانِ دلرُبائی، وہ ترا حسن و جمال
فرش سے پہونچا ہے بامِ عرش پر شہرہ ترا
ہے امینِ جلوہ ہائے طور آئینہ ترا

۱

نقشہ

اسناد حدیث فقیہ الامّت قدس سرہٗ

اوّل

شجرہ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء

مرکز الاسانید الشاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم العمری الدہلوی

مرجع الاسانید الشاہ عبدالعزیز بن الشاہ ولی اللہ احمد العمری الدہلوی

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد المدنی

فقیہ الامت حضرت اقدس مولانامفتی محمود حسن صاحب قدس سرہٗ

دوم

شجره طيبة اصلها ثابت وفرعها فى السماء

المہاجر المدنی صاحب اوجز المسالک

فقیہ الامت حضرت مولانامفتی محمود حسن صاحب قدس سرہٗ

یہ سب سلسلہ اسناد منتہی ہوتے ہیں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نور اللہ مرقدہٗ پر اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی سند حدیث مصنف کتاب تک، رسالہ ''شفاء العلیل'' اور ترمذی شریف، نسائی شریف کے شروع میں اور مصفی، مسوّیٰ، شرح موطاء میں موجود ہے[۱] وہاں دیکھ سکتے ہیں، اور مصنف کتاب سے لیکر حضرت نبی اکرم ﷺ تک کی سند ہر حدیث کے شروع میں ہوتی ہے، اسطرح ان واسطوں سے فقیہ الامت حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی سند حدیث حضرت نبی اکرم ﷺ تک متصل ہو جاتی ہے۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ حضرات اکابر جن کی صحبتوں سے آپ فیضیاب ہوئے

حضرات اساتذہ اور اپنے شیخ قدس سرہٗ کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات اکابر کی صحبتوں سے آپ بطور خاص فیضیاب ہوئے۔

(۱) حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری قدس سرہٗ جن کی خدمت میں بار بار حاضری دیتے اور بعض مرتبہ طویل قیام فرماتے، اور حضرت مولانا قدس سرہٗ پوری توجہ مبذول فرماتے۔

(۲) داعی الی اللہ حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ بانی تبلیغ مرکز نظام الدین دہلی جن کی خدمت میں بار بار حاضری دیتے اور بعض مرتبہ طویل قیام فرماتے اور تبلیغی اسفار میں بھی ساتھ ہوتے۔

(۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ جن کی مجالس میں بار بار شرکت فرمائی۔

(حاشیہ گذشتہ صفحہ کا) [۱] اکابر دارالعلوم ومظاہر علوم کی اسناد کی تفصیل ''العناقید الغالیۃ من الاسانید العالیۃ'' مصنفہ حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ، میں ملاحظہ ہو۔۱۲

بیعت وتکمیل سلوک

قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ شیخ الحدیث مظاہر علوم ومہاجر مدنی سے بیعت ہوئے، اورسلوک کی تکمیل فرمائی، اوراجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کوآپ پر بہت اعتماد تھا اخیر میں اہل علم حضرات کوآپ کی طرف ہی متوجہ فرمایا کرتے تھے،اوراپنے ذاتی مسائل میں بھی آپ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

خلفائے حضرت شیخ کا بڑا تجویز کرنا

حضرت مولانا عبدالجبار صاحب قدس سرہٗ شیخ الحدیث شاہی مرادآباد۔

حضرت مولانا منورحسین صاحب قدس سرہٗ شیخ الحدیث پورنیہ بہار۔

ہردو حضرات حضرت شیخ الحدیث کے خلفاء میں اونچا مقام رکھتے ہیں، ہر دوحضرات نے حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کواپنا بڑا تجویز کرلیا تھا، کہ حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعداہم امورمیں ہم آپ سے مشورہ کرینگے،اوراسی پر عمل کرینگے۔

مرجعیت

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیثؒ کے متوسلین اور دیگر عوام وخواص کا رجوع آپ کی طرف ہوا جس کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کی نیابت خاصہ اور مرجعیت آپ کے ہی حصہ میں آئی۔

مظاہر علوم میں تقرر

۱۳۵۱ھ ہی میں جو آپ کے تمرین فتویٰ اور ابوداؤد شریف کی سماعت کا سال تھا حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ ناظم مظاہر علوم نے باہمی مشورہ سے ازخود ہی حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی درخواست وطلب کے بغیر معین مفتی کے عہدہ پر آپ کا تقرر فرمالیا۔

طلبہ پر شفقت اور خورد ونوش میں معمولات کو نقل کرتا ہوں تفصیل ''حیات محمود'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

طلبہ پر شفقت

محترم مفتی ظہیر الاسلام زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:۔

ذہین طالب علموم کو شرح وقایہ سے ہی فتویٰ نویسی کی طرف متوجہ فرماتے تخریج مسائل میں لگاتے، مختصر سوالات تحریر کرا دیتے اور درسی کتابوں سے جوابات لکھواتے۔

ہردوئی زمانہ قیام میں طلبہ کو ہدایت تھی کہ وقت کی پابندی کرو اور نماز میں گڑبڑ نہ کرو باقی سب شرارت معاف، نماز کے بعد طلبہ کو جمع فرماتے اور شرارت کرنے والے طلبہ کو درمیان سے نکالتے اور جوتے سے پٹائی کرتے، پٹائی کے بعد (عموماً) ایک روپیہ مٹھائی کے لئے عنایت فرماتے جس کی وجہ سے طلبہ ہنستے کھیلتے چلے جاتے۔

حضرت سفر میں تشریف لے گئے، احقر بیمار ہوگیا، سفر سے واپسی پر دریافت فرمایا، کسی نے بتادیا بیمار ہے کمرہ میں لیٹا ہے، کمرہ میں تشریف لائے، اور مزاحاً فرمایا ظہیر دروازہ پر جوتے کس کے پڑے ہیں؟ بندہ نے عرض کیا، میرے حضرت ہنس دیئے پھر بندہ بھی سمجھ کر ہنس دیا، اور پھر احقر کو اٹھا کر ساتھ اپنی درسگاہ میں لائے اور وہیں اپنے قریب لٹایا خود مطالعہ میں مشغول ہوگئے، بندہ لیٹا رہا اور بندہ کے لئے پرہیزی کھانے اور علاج معالجہ کا پورا انتظام فرمایا اور پوری نگہداشت فرمائی، اور دوسرے اساتذہ کو متوجہ فرمایا کہ دیکھ بھال کرتے رہیں۔

ایک دفعہ حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب موجودہ قاضی شہر کانپور کی طبیعت سخت خراب ہوگئی، نہ بیوی نہ بچے نہ کوئی دیکھنے والا نہ کوئی تیمارداری کرنے والا سخت پریشان

ہوئے، حضرت والا قدس سرہٗ نے اپنے پاس اپنی درسگاہ میں رکھا اور ایسی خاطر داری اور بہتر تیمارداری فرمائی کہ شاید و باید۔

ایک دفعہ حضرت مولانا سید بشارت علی صاحب نائب ناظم دعوۃ الحق ہردوئی کانپور پہنچے سخت بیمار ہوگئے کہ چلنے پھرنے اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہوگئے، حضرت والا نے ان کا ایسا خیال فرمایا اور ایسی دیکھ بھال فرمائی کہ انہیں یہ خیال نہ ہوا کہ وہ اگر اپنے گھر میں تشریف رکھتے تو اس سے بہتر دیکھ بھال ہوسکتی، حضرت والا ان پر برابر اصرار فرماتے کہ حضرت کے کمرہ یا حضرت کی درسگاہ میں قیام فرماویں تا کہ اور مزید دیکھ بھال ہوسکے، مگر انہوں نے یہ کہہ کر عذر فرمادیا کہ یہاں بے تکلفی زیادہ رہے گی، اور بندہ کے کمرہ پر ہی قیام فرمارہے۔

ایک طالب علم نے اپنا آپریشن کرایا اور کسی کو خبر بھی نہ ہونے دی، حضرت والا کو اس کا علم ہوا فوراً ہسپتال پہنچے اور مدرسین کو بھی بھیجا اور تمام ضروریات کا انتظام فرمایا، اور پوری دیکھ بھال رکھی۔

حضرت مولانا قمرالدین صاحب زیدمجدہم بیمار ہوئے آپریشن کرانا ہوا، حضرت والا قدس سرہٗ نے اکثر وقت ہسپتال میں گزارا اور باقی ہسپتال میں قیام کے زمانہ میں ہر روز عصر پڑھ کر یا قبل عصر پیدل ہی شہر کی گلیوں میں کو گزرتے ہوئے، ہسپتال تشریف لے جاتے، اور مغرب تک وہاں رہ کر واپس ہوتے واپسی رکشا سے ہوتی۔

حضرت والا طالب علموں کی ضروریات کے آگے کبھی اپنی راحت وآرام کا خیال نہ فرماتے بندہ کے پاس مشکوٰۃ شریف کے سال صرف ایک گرم چادر تھی اسی میں سردی گزر رہی تھی، طریقہ یہ تھا کہ جتنی دیر بیٹھے بیٹھے نیند آتی سولیا کرتا، حضرت نے اس کو محسوس کیا یا کسی نے حضرت کوصورت حال سے مطلع کیا، حضرت والا خود اپنا لحاف لئے ہوئے تشریف لائے، اور بندہ کو عنایت فرمایا کہ میں نے دوسرا لحاف بنوالیا ہے، تم اس کو استعمال کرو۔

مدرسہ میں ایک شخص عبداللہ نام کے رہتے تھے ان کے عزیز قریب سب محلے میں رہتے تھے، ایک بوڑھی عورت کسی کسی وقت کھانا دے کر جایا کرتی اوڑھنے کے لئے بیچارے کے پاس ایک پرانی گدڑی تھی، جس کے میل نے نشان بھی داب لئے تھے، روئی کے نام پر کہیں کہیں گومڑ جیسے تھے، طلباء اس کو ماموں کہہ کر پکارا کرتے وہ چڑ تا تھا، حضرت طلبہ کو سمجھاتے تھے، مگر طالب علم تو پھر طالب علم ہیں، باز نہ آتے۔

ایک دفعہ عبداللہ سخت بیمار ہوگیا اور چلنا پھرنا مشکل ہوگیا گندگی اور تعفن کی وجہ سے کوئی طالب علم بھی پاس نہ جاتا اور بات تک کرنا گوارا نہ کرتا، مگر حضرت والا ایسی حالت میں بھی برابر اس کے پاس تشریف لے جاتے، اور اس کی خبر گیری فرماتے، اپنے کھانے میں سے اس کے لئے کھانا بھجواتے، خود جا کر کچھ نقدی بھی دیدیا کرتے، غرض کہ تمام ضروریات کا بندوبست فرماتے، ایک دفعہ سردی کے شروع میں اس کے اوڑھنے بچھانے کے کپڑے ملاحظہ فرمائے، اور یہ دیکھ کر کہ سردی سے حفاظت کے لئے کپڑے ناکافی ہیں، اپنا بہترین لحاف اور گدّا خود بنفس نفیس لے جا کر اس کو دے دیا اور اس کی راحت وآرام کا ایسا بہترین انتظام فرمادیا کہ نہ صرف اس نے بلکہ اس کے لواحقین نے بھی برسوں اس سے گرمی حاصل کی اور ظاہری حیثیت بنائی۔

بعض طالب علموں کے مستقل اپنے پاس سے وظیفے مقرر فرما رکھے تھے، اور نہ جانے کتنے طالب علم تھے جو چائے اور مٹھائی کا مطالبہ کرتے حضرت والا بے تکلف پیسے عنایت فرمایا کرتے اور یہ سلسلہ ہر جماعت کے طلبہ کیساتھ رہتا۔

ایک دفعہ طلبہ سے فرمایا تم سوال مت کیا کرو، سوال کرنا اچھا نہیں لگتا، ایک بے تکلف طالب علم نے کہا کہ حضرت آپ نے ہماری عادت خراب کر دی، اتنا کھلاتے پلاتے ہیں جب آپ نہیں کھلاتے تو ہم مانگنا شروع کر دیتے ہیں۔

حضرت والا نے ارشاد فرمایا! استغفر اللہ آپ حضرات کا احسان ہے کہ آپ کھا لیتے ہیں، نیک لوگ طالب علم نہیں کھائینگے تو یہ پیسہ تو خرچ ہونا ہی ہے دنیا دار کھائینگے۔

اس سلسلہ کی ایک مزہ دار بات یہ ہوئی کہ ایک روز جناب حبیب احمد صاحب مالک مطبع رزاقی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا حضرت جب ہماری جیب میں پیسہ ہوتا ہے تو کسی سے کہتے اچھا لگتا ہے کہ کچھ کھلاؤ، حضرت والا نے ارشاد فرمایا، حبیب صاحب اپنا حال تو یہ ہیکہ جب جیب میں پیسہ ہوتا ہے تو ساتھیوں اور دوستوں سے کہتے ہیں کہ لو کھاؤ، جب پیسہ نہیں ہوتا ہے تو نہ کسی سے سوال کرتے ہیں نہ کسی پر ظاہر ہونے دیتے ہیں۔

حضرت والا قدس سرہٗ کا یہ فتوحات کا دور نہیں تھا، کبھی کبھی جیب بالکل خالی بھی ہو جاتی، مگر اپنی ضرورتوں کی فکر نہ فرماتے طلبہ کی ضرورتوں پر دھیان دیتے۔

جب مدرسہ میں مطبخ نہیں تھا، طلبہ محلّہ سے کھانا لاتے اور چودہ روپیہ وظیفہ مدرسہ سے فقط وصول کر کے اپنی ضروریات پر صرف کرتے، مگر بعض طلبہ جو گھر کے بھی انتہائی مفلس جنکا اس طرح بھی گزارہ مشکل ہوتا، حضرت سب پر نظر رکھتے، بندہ (مولانا مفتی ظہیر الاسلام صاحب) انہیں میں تھا، حضرت نے مہربانی فرما کر توجہ دلائی، کہ ہوٹل کے بجائے خود پکا لیا

کرو، اور میرے ساتھ کھالیا کرو، بندہ نے روٹی پکانا شروع کی، آہستہ آہستہ ٹیڑھی میڑھی روٹی خود تناول فرمالیتے اور اپنی روٹی بندہ کی جانب سرکا دیتے۔

مطبخ شروع ہونے کے بعد حضرت والا سے تعلق رکھنے والے چند طلبہ حضرت والاؒ کیساتھ کھانے میں شرکت کرنے لگے، سب کا سالن ایک کونڈے میں ڈال دیا جاتا، اور سب اردگرد بیٹھ کر کھانا کھاتے کھانیکے وقت بھی حضرت والا سب کھانے والوں پر نظر رکھتے۔

ایک دفعہ بندہ کے ایک مہمان آئے، حضرت نے فرمایا، ظہیر کھچڑی کے لئے خیال ہورہا ہے، بندہ نے کھچڑی تیار کی حضرت اپنے کمرہ سے گھی کا ڈبہ لیکر تشریف لائے، اور فرمایا اس میں گھی ڈالو بندہ نے پلیٹ میں کھچڑی پر گھی ڈالا، حضرت والا نے فرمایا بس اور پھر خود ہاتھ ڈال کر ڈبہ میں سے دو دفعہ ہاتھ بھر کر گھی نکال کر کھچڑی پر ڈالتے رہے، اس کے بعد دوبارہ تبارہ کھچڑی نکالی تب بھی اسی طرح گھی نکالتے رہے، وہ عزیز مہمان اب بھی حیات ہیں، اور اس واقعہ کو یاد کرکے بہت مزے لیتے ہیں، اور فرماتے ہیں کھاتے تو ہم بھی ضرور ہیں، مگر کھاتے اصل یہ مولوی لوگ ہیں۔

تربوز کا آپ کو شوق تھا مگر کبھی فرمائش نہیں کہ جمعہ کے دن گنگا پرلڑ کے کبڈی کھیلنے جاتے، تربوز لانے کا ذکر کرتے، حضرت والاؒ ان کو پیسے دے دیتے وہ تربوز لاتے اور بڑی پلیٹ میں اس کو کاٹ کرر کھا جاتا، اور سب طلبہ اردگرد بیٹھ کر حضرتؒ کے ساتھ کھاتے کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ آپ نے ظہر کی نماز کے بعد بندہ کو اشارہ کیا، حجرہ میں لے جاکر جہاں ایک پلیٹ میں بہترین برف سے ٹھنڈا کیا ہوا تربوز رکھا ہوتا آپ فرماتے جلدی جلدی نبٹالو کبھی مدرسہ کا وقت ہوجائے، اور ساتھ بیٹھ کر تناول فرماتے، خود جلدی سے اٹھ جاتے، اور فرماتے

کھاؤ اور دروازہ بند کر کے آ جانا، قفل، چابی، چھوڑ جاتے، تربوز کون لایا کس نے اس کی قاشیں کیں، اور برف کس نے لگایا، کاٹنے اور برف لگانے کا عمل غالبًا آپ نے اپنے دست مبارک سے کیا ہوگا۔

طلبہ کی تربیت سے متعلق چند عادات مبارکہ

مدرسہ میں غسل خانوں کے اوپر حوض سے متصل کپڑا دھونے کی جگہ تھی، بعض طالبعلم سہولت کے لئے غسل خانہ میں کپڑے دھونے لگتے، آپ اس کو سخت ناپسند فرماتے، بلکہ بعض دفعہ طالب علم کو تنبیہ بھی فرماتے چونکہ اس سے دوسرے طلبہ کو جو نہانا چاہتے ہوں دشواری ہوتی ہے۔

آپ طالب علموں کو صبح کے وقت سویرے (فجر سے قبل) اٹھانا پسند فرماتے اس کی ذمہ داری بھی بعض اساتذہ پر رکھی تھی، اور نگرانی بھی اساتذہ کے سپرد فرمائی تھی، تاکہ تہجد پڑھنے کی عادت بھی طلبہ کو پڑ جائے، اور اس وقت سبق بھی جلد یاد ہوتا ہے، کتاب بھی اچھی سمجھ میں آتی ہے، کہ طبیعت زیادہ حاضر رہتی ہے۔

نماز کی حاضری اور درسگاہ کی حاضری کی سخت تاکید تھی اور یہ جرم (غیر حاضری) قابل عفو نہ خیال فرماتے آپ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ آپ کسی طالب علم کو مسجد کے اندر شرارت کرتے دیکھیں۔

کھیل کے وقت کبھی کبھی آپ بھی پاس کھڑے ہو کر طالب علموں کو کبڈی کھیلتے

ہوئے دیکھتے اور تحسین فرماتے، کہ صحت وتندرستی کا ذریعہ ہے جسم میں چستی وچالاکی بھی اس سے پیدا ہوتی ہے۔

بعض طالب علم رات کو سر کے نیچے رحل یا کتاب رکھ کر سوجاتے یہ بات آپ کو ناپسند تھی، آپ فرمایا کرتے پہلے کتاب کو اس کی جگہ رکھ دو پھر بستر بچھا کر اگر ضرورت ہو تو مسجد میں (بنیت اعتکاف) سوجاؤ، ورنہ اپنے کمرہ میں جا کر سوجاؤ۔

طالب علم کے چہار زانوں بیٹھنے کو ناپسند فرماتے کہ یہ خلاف ادب ہے، اور بے ادبی علم سے محرومی کا ذریعہ بن جاتی ہے، جس درجہ ادب ہوگا، اسی درجہ علم میں ترقی ہوگی کسی نے کہا ہے:۔

ادب ہی سے انسان انسان ہے............ادب جو نہ سیکھے وہ حیوان ہے

ادب تاجیست از فضل الٰہی ....بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد ....بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

ایک دفعہ ایک گدا بچھا ہوا تھا، کچھ طالب علم اس پر بیٹھ گئے باقی دوسری جگہ بیٹھ کر کتاب دیکھ رہے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا اس گدے کو اٹھا کر بیٹھو گدے بچھا کر بیٹھنے والے علم کی برکت سے محروم ہوجاتے ہیں، یہ علم مسکنت اور جفاکشی چاہتا ہے، عسرت تنگدستی میں علم حاصل کرنے والے ہمیشہ دین کے خادم بنے ہیں۔

آپ کو پھٹا کپڑا پہننا ناپسند تھا، کسی طالب علم کو دیکھتے، ارشاد فرماتے پیوند لگالو، پیوند والا پہنا سنت ہے اور پھٹا ہوا پہننا منع ہے۔

طالب علموں کو صفائی ستھرائی کا خیال رکھنے کی طرف متوجہ فرمایا کرتے، چونکہ حدیث شریف میں ہے "**الطھور شطر الایمان**" اور اس سلسلہ میں ان کی ضرورتوں کا بھی خیال فرمایا کرتے۔

حضرت والا کے زمانہ میں بیت الخلاء صفائی والے تھے، ایک بوڑھی عورت (بھنگن) صفائی کرنے کیلئے آیا کرتی تھی، اصل لکھنؤ کی رہنے والی تھی، بہت صاف اردو بولا کرتی تھی، ادب سے سرڈھانک کر سامنے آتی تھی، اور اپنی ضرورت کی بات کیا کرتی تھی، حضرت والا اسکی پوری بات ہمہ تن متوجہ ہوکر سماعت فرماتے، اور اسکی حاجت برائی فرمایا کرتے تھے، اور اسمیں بھی اتباع سنت ملحوظ ہوتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عام راستہ میں چلتے ہوئے کوئی لونڈی اپنی ضرورت بیان کرنے کیلئے لیکر کھڑی ہوجاتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری توجہ سے اسکی بات سنتے اور اس کی ضرورت پوری فرما کر پھر تشریف لے جاتے۔

خاکروب عورت نے ایک دفعہ حضرت والا سے اپنی لڑکی اور اس کے شوہر کا واقعہ سناتے ہوئے عرض کیا تھا، حضرت خدا شاہد ہے کہ ہم کو اس دقیقہ کا علم نہیں تھا، حضرت والا لوگوں سے لکھنؤ کی اس فصیح گفتگو کا ذکر فرمایا کرتے اور بھنگن کے اس جملہ کو بڑے پرلطف انداز میں سنایا کرتے۔

خوردونوش میں معمول مبارک

کانپور میں اخیر میں آپ کی تنخواہ ۲۷؍روپے بمد صدرالمدرسین اور بارہ روپے بمد کتبخانہ، آپ کا معمول تھا، کہ مہینہ کے شروع میں ۶۰؍روپے بذریعہ منی آرڈر اہل وعیال کے اخراجات کیلئے گھر ارسال فرمادیتے، کہ نفقہ واجبہ ہے اس میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔

منی آرڈر پر یہ پتہ تحریر ہوتا:۔

شاکرہ برمکان قاضی تحسین صاحب گنگوہ۔

باقی میں خود گزر فرماتے کھانا، کپڑے، صابن، اور دیگر اخراجات اسی میں پورے فرمائے۔

حضرت والا کھانا ہمیشہ ایک وقت ہی تناول فرماتے، دوپہر کو صبح ناشتہ میں ایک گلاس گڑ کی چائے، اس گھر سے آجاتی جہاں کھانا پکتا تھا، پیتل کا گلاس گاڑھی چائے آج بھی وہ منظر نظر کے سامنے ہے، درسگاہ میں آپ تشریف فرما ہوتے چائے کا گلاس رکھا ہوتا، کتاب زیر نظر ہوتی یا کوئی فتویٰ تحریر فرماتے ہوئے، اور درمیان میں ایک گھونٹ اس چائے کا بھی نوش فرمالیتے، نہ روٹی نہ بسکٹ، نہ پھلکی، نہ کانپور کا ناشتہ پوری آلو، کچھ بھی نہیں، وہ پیتل کے گلاس کی چائے کسی کو پینے کو نہیں دیتے تھے، اس وقت کوئی مہمان آجاتا، اس کیلئے ہوٹل سے چائے منگوائی جاتی ۹/سال کی مدت میں بندہ نے اس چائے کے علاوہ ناشتہ کرتے نہیں دیکھا۔

دوپہر کے کھانے میں اگر کوئی مہمان آجاتا اگر شہر کا ہی ہوتا اسی کھانے میں شریک فرمالیتے، اگر باہر کا ہوتا تو اس کے لئے ہوٹل سے کھانا منگوالیتے۔

سرکہ حضرت والاؒ کو بہت مرغوب تھا، جو شخص لاکر پیش کرتا بہت خوش دلی سے قبول فرماتے، اور مدرسہ کی دال میں روزانہ تھوڑا تھوڑا ڈلواتے جس سے دال کافی ذائقہ والی ہوجاتی، کبھی کبھی، آپ گلاس میں تھوڑا سا سرکہ ڈالتے اور کھانے کے بعد پانی ملاکر نوش فرماتے اور ”**نعم الادام الخل ما افقربیت من الادام فیه الخل**“ حدیث شریف پر عمل کرکے لطف اندوز ہوتے اچار بھی حضرت والا کو بہت پسند تھا، رغبت سے تناول فرماتے، اور ہمیشہ خرید فرمایا کرتے، اور طالب علم مزے لے کر کھایا کرتے، یہ بھی منشاء ہوتا کہ کسی وقت بھی مہمان آجاتے، سالن اگر نہ ہوتو اچار روٹی پیش کردی جائے، اور سالن ہوتو اچار بھی

مہمان کے سامنے رکھ کر مہمان کا اکرام بھی ہو جائے، کہ کم خرچ بالانشیں کا مصداق ہے۔

رات کا کھانا آپ کبھی بھی تناول نہ فرماتے، مجھے بھوک نہیں ہے، یا فلاں چیز کھالی وغیرہ کہہ کر عذر فرما دیا کرتے۔

ایک دفعہ کسی سفر سے واپسی مغرب کے وقت ہوئی آتے ہی فرمایا ظہیر کھانے کا ارادہ ہے، جتنی دیر میں حضرت نماز وغیرہ سے فارغ ہوئے اتنی دیر میں پانچ روپے کے پراٹھے اور کباب (روپے حضرت نے ہی عنایت فرمائے) بندہ لے کر آ گیا، پانچ پراٹھے اور اس کے ساتھ کباب فری ہوتے تھے، ایک پراٹھا بمشکل تمام حضرت والا نے تناول فرمایا، باقی چار پراٹھے ہم چار طالب علموں نے ایک ایک لے لیا، حضرت والاؒ نے فرمایا یہ تقسیم پسند نہیں، دسترخوان پر رکھ کر کھالو، جو جتنا کھالے اور یہیں میرے سامنے کھاؤ، تقسیم کر کے کھانا مسلمانوں کا طریقہ نہیں۔

ایک دفعہ بعد عصر فرمایا، ظہیر کچھ کھانے کو ہے؟ اس میں بھی کسی درجہ سنت کا اتباع ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر تشریف لا کر دریافت فرمایا کرتے کھانے کو کچھ ہے؟ اگر کچھ ہوتا تو پیش کر دیا جاتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرما لیتے، اور کچھ موجود نہ ہوتا تو ارشاد فرماتے اچھا تو پھر میرا روزہ ہے۔

بندہ نے عرض کیا حضرت آج تو کچھ نہیں اور نہ ہی پیسہ ہے، فرمایا تو کیا کچھ بھی نہیں ہے؟ عرض کیا کچھ بھی نہیں ہے! یہ وہ دور تھا کہ بندہ اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا کرتا تھا، حضرت اس روز ہ بعد ظہر سفر سے تشریف لائے تھے، اور آتے ہی سبق پڑھایا تھا، خدا معلوم کب سے کھانا نہیں کھایا تھا، فرمایا کیا سوکھی روٹی بھی نہیں ہے؟ بندہ نے نہایت حیرت سے عرض کیا سوکھی روٹی تو ہوگی! فرمایا لے آؤ، آپ نے بے تکلف وہ سوکھی روٹی نمک کی کنکر کیساتھ

تناول فرمالی، اور کچھ خیال نہ فرمایا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ تازہ روٹی تناول فرما رہے ہوں، کچھ بھی تکلف یا ناگواری نہیں، بعد کا دورِ فتوحات دیکھنے والے حضرات اس واقعہ سے سبق وعبرت حاصل کریں، اور حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کا مقولہ بھی دھیان میں رکھیں، جو ہماری ابتداء دیکھے کامیاب جو انتہاء دیکھے ناکام۔

احقر ایک دفعہ شلجم لے کر حاضر ہوا فرمایا قاشیں کاٹو یہ تو خون میں اضافہ کرنے والا ہے ہاضم بھی ہے، پتلی پتلی قاشیں ہوں، ایک موٹی کاٹ دی، فرمایا اتنی موٹی کیوں کاٹی، جانا پیٹ ہی میں ہے، تھوڑی دیر میں پہنچ جائے گی، تو کیا فرق پڑیگا، لہجہ میں کچھ ترشی بھی آ گئی، آپ نے اس کو دوبارہ کاٹنے کا حکم فرمایا، اس کے بعد تناول فرمایا، اس سے مزاج مبارک میں لطافت ونظافت کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے مزاج مبارک کی لطافت ونظافت مشہور ہے، کھانے کے وقت دیکھنے والوں نے دیکھا اور ہزاروں دفعہ کا تجربہ یہ ہے کہ لقمہ کبھی بڑا نہیں لیا، اتنا مختصر جتنا بچے کھاتے ہیں، کبھی جلدی نہیں کی، اطمینان سے تناول فرمانے کی عادت تھی، یہ نہیں کہ جلدی سے ایک بوٹی کھالی دوسری پر نگاہ جمی ہے، مل گئی تو وہ بھی کھالی، یہ تو اکثر ہوا ہے، کہ حضرت والاؒ کے گوشت کو طالب علموں نے بے تکلف کھالیا اور حضرت والاؒ نے طالب علموں کی دال تناول فرمائی، اور فرمایا کرتے غریبوں کے کھانے میں اللہ تعالیٰ نے لذت اور برکت رکھی ہے، معمولی چیزیں بھی اتنی ہی رغبت سے تناول فرماتے جس رغبت سے لذیذ وعمدہ چیزیں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ نے کسی وقت بے حد لذیذ کھانے میں دو لقمے فاضل تناول فرمالئے ہوں، پہلے سے مقررہ خوراک ہی تناول فرماتے، خواہ کھانے کی نوعیت

F.M.Fainal\Jild-1\03-Muqaddama

وکیفیت کچھ بھی ہو۔

حضرت والاؒ نے کبھی فرمائش کرکے کوئی چیز تناول نہیں فرمائی ۵۶ھ سے ۶۵ھ تک تقریباً سفر، حضر، گھر، باہر، مدرسہ، دوستوں عزیزوں اور چاہنے والوں کے ساتھ رہنا ہوا، مگر آپ نے کبھی کسی چیز کی ازخود فرمائش کی ہو ایسا کبھی نہیں ہوا۔

آپ نے کبھی کھانا بچا کر دوسرے وقت کے لئے نہیں رکھا، جو کچھ حسب دل خواہ ہوا تناول فرمالیا، باقی کسی نہ کسی کو عطیہ ہی کرنا ہے، اور فرمایا کرتے موجود کے ساتھ بخل کرنا خالق کے ساتھ بدگمانی ہے، کہ اس نے اس وقت دیا ہے کل کو نہیں دے گا، خواہ ادھر سے کوئی نکلا یا کسی کو بلا کر کسی کے پاس بھجوادیا، اور رکھ کر جب وہ آیا جس کو دینا مقصود ہوتا تو آپ اس کو دیدیتے، اور فرمایا کرتے کہ لالچ کا منہ کالا ہوتا ہے، کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہو جاتی ہے۔

کھانے پینے کی چیز میں انگلیوں کے ڈوبنے کو سخت ناپسند فرماتے ایک دفعہ حج سے واپسی پر ایک بڑا سا ٹوکرا سنتروں کا ساتھ لائے، کبھی ان کی قاشیں علیٰحدہ علیٰحدہ کی جاتیں اور کبھی ان کو نچوڑ کر شربت بنالیا جاتا، ایک ایسے ہی موقع پر بندہ نے انگلی سے گلاس کی کوئی چیز نکالنی چاہی تو آپ نے نظر جو اُدھر ڈالی فوراً روک دیا، فرمایا برکت والا کرکے اپنے لوگوں کو دینا، اس وقت مہمان کو ایسے ہی دے دو۔

پلیٹ میں اگر اس کے بعد اور کھانے والے ہوتے تو چاٹنے اور صاف کرنے کو پسند نہ فرماتے، لوگ اٹھتے اور بدلتے چلے جاتے کھانا انہیں پلیٹوں میں ڈالا جاتا۔

ایک دفعہ ایک بڑی جماعت تھی، تبلیغ کا ایک اہم مشورہ تھا یوپی کے اہم ذمہ دار حضرات تشریف لائے ہوئے تھے، کھانا چل رہا تھا، آخر میں مدرسہ کے طلبہ ومدرسین

شریک طعام تھے، مدرسین نے یہ سمجھ کر کہ اب اس کے بعد کھانے والا کوئی نہیں ہے، پلیٹیں انگلی سے صاف کرنا شروع کردیں، حضرت والاؒ نے ناگواری کا اظہار فرمایا چونکہ بعد میں دوسرے حضرات بھی کھانے والے موجود تھے، اگر کسی دوسرے کے یہاں کھانے کی نوبت آتی اور روٹیاں تھوڑی تھوڑی آرہی ہوں، تو حضرت والا انتہائی اطمینان سے تناول فرماتے اگر سب تناول کرچکتے تو حضرت بھی فارغ، سب کھارہے ہیں، تو حضرت والاؒ بھی ساتھ ہیں روٹی آئی کھالیا ورنہ بیٹھے ہیں۔

ایک دفعہ ایک شیخ کے دسترخوان پر بندہ بھی حاضر تھا، گرم گرم روٹیاں اندورن خانہ سے خدام لارہے تھے، مشائخ کی آپس میں گفتگو ہورہی تھی اطمینان سے کھانا ہورہا تھا، ہمارے پڑوس میں بیٹھے ہوئے ایک شیخ محترم نے دیر سے بندہ کو بیٹھا ہوا دیکھ کر میزبان کے سامنے جو روٹی رکھی ہوئی تھی اس کو اٹھالینے کا اشارہ کیا بندہ نے اٹھالیا، بندہ کا اٹھانا تھا کہ حضرت نے گفتگو وہیں ختم کرکے سالن کی بڑی پلیٹ بھی اٹھا کر بندہ کے آگے دی کہ لو اسے بھی صاف کرلو، بندہ کی شرمندگی اور حضرت کی وہ نظریں مجمع نے دیکھا تو بات سمجھے ورنہ میزبان نے بھی کہہ دیا ہاں، ہاں لو کھالو صاف کرلو، ان واقعات کو لکھتے ہوئے بھی جو روح کا سناٹا ہے ختم ہونے کو نہیں آرہا ہے۔

حضرت والا کو آم بہت مرغوب تھے اور دو چار کھا بھی لیتے تھے، مگر تنہا شاید کبھی کھانے کی نوبت نہ آئی ہو، پیٹی بند کہیں سے آگئے، اٹھوا کر کمرے میں رکھوادئے، اب جتنے پکتے جاتے ہیں کاٹ کر دسترخوان پر رکھے جاتے ہیں، آپ بھی برابر کے شریک، ایسا نہ کہ آپ نے کبھی ایک آدھ قاش بھی چکھنے کے نام پر ہی تنہا نوش جان فرمائی ہو۔

اور کبھی کبھی تو بڑا مزے دار ''پنج غپ'' بنتا کونڈے کے اندر طالب علموں کی دال اسی میں سبزی اسی میں دہی، اسی میں گوشت بھی حضرت والاؒ نے سرکہ بھی اس میں ڈالا اور کوئی آم زیادہ گھلا ہوا ہے کہ قاشیں کاٹنا مشکل تو وہ بھی اس میں نچوڑ دیا گیا، اب کھانے والے کیا کیا مزہ لیکر کھارہے ہیں، کبھی کھٹوا لقمہ کبھی نمکین، کبھی میٹھا، کبھی میٹھا مرچ اور نمک سرکہ سب ایک ہی لقمہ میں ایسا مزہ دیتا کہ آپ یقین کریں کہ یہ سطریں روزہ میں بھی مزہ دے رہی ہیں۔

اتوار کے روز شہر کانپور کا ہفتہ واری اجتماعی تبلیغ مچھلی بازار کی مسجد میں ہوتا، آپ جب تشریف فرما ہوتے، اجتماعی تبلیغ میں ضرور شرکت فرماتے، اور حسب مشورہ حضرت والاؒ کا بیان بھی اجتماع میں ہوتا، اجتماع کی شرکت کے بعد حضرت والا قدس سرہٗ حافظ عتیق صاحب دامت برکاتہم فیوضہم اس وقت کے عتیق بھائی کے گھر تشریف لے جاتے اور جو لوگ طلبہ یا مدرسین حضرت کے ساتھ ہوتے سب کے سب حافظ صاحب کے گھر کھانا تناول فرمایا کرتے، فراغت کے بعد حافظ صاحب حضرت کو سڑک تک لاتے، رکشا کردیتے، پھر واپس ہوتے، یہ معمول ایسا جڑا ہوا تھا کہ حضرت والا کے دیوبند تشریف لانے کے بعد اگر کبھی اتفاق سے اتوار کے روز حضرت والا کا قیام کانپور ہوا تو اس معمول میں فرق نہ آیا۔

ایک دفعہ کانپور تشریف بری کے موقع پر بندہ اپنے ایک عزیز کے ساتھ ملاقات کے لئے حاضر ہوا کھانے میں شریک نہیں ہوا حضرت والا سے ملاقات ہو چکی تھی، جگہ جگہ تلاش کرایا، بعد میں ارشاد فرمایا کھانے میں شریک کیوں نہیں ہوئے؟

دو باتیں عرض کیں، ایک تو آدمی بہت ہو گئے تھے، دوسرے سفر کی وجہ سے بھوک

بہت تیز تھی بعد عصر کھالیا، فرمایا نہیں بلکہ مالدار ہوگئے ہو۔

جب ساتھ تھے میزبان سے ہم نے کہہ بھی دیا تھا تو ساتھ کیوں نہیں کھایا، آج بھی سوچ سوچ کر شرم آتی ہے، اس قدر خیال کہ بڑے مجمع میں بھی یاد رکھا۔

جامع العلوم کانپور میں قیام

۱۳ھ تک آپ بخوبی کام انجام دیتے رہے، مگر سخت علالت طبع کی بنا پر معالج کا مشورہ تبدیل آب، ہوا کا ہوا، جس کی وجہ سے کچھ دن گنگوہ اور پھر لدھیانہ، اور بعض دیگر مقامات پر قیام رہا، اور پھر ۱۳ھ میں جامع العلوم کانپور میں تقرر ہوا۔

جامع العلوم قیام کے زمانہ کے بعض حالات محترم مولانا مفتی ظہیر الاسلام صاحب زیدمجدہم بنی گنج نے تحریر فرمائے ہیں جو ''حیات محمود'' میں آگئے ہیں، آپ کی وجہ سے جامع العلوم کو مرجعیت کا مقام حاصل ہوا۔

ادھر جامع العلوم تشریف بری کے بعد سے ہی اکابر مظاہر علوم کا اصرار مظاہر علوم واپسی پر شروع ہوگیا تھا، جس کی تفصیل ''حیات محمود'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ادھر دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب قدس سرہٗ کی سخت علالت کی وجہ سے شوریٰ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو دارالعلوم دیوبند بلانے کی تجویز پاس کی، اور ان کو حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے حکم سے مؤکد کرالیا گیا، جس کی وجہ سے جامع العلوم کانپور سے دارالعلوم دیوبند تشریف بری ہوئی، جامع العلوم کانپور سے دارالعلوم تشریف بری کے موقع پر وہاں کے حضرات پر کیا گزری اس کا اندازہ وہاں سے

نکلنے والے ماہنامہ ''نظام کانپور'' کے اداریہ سے کیا جاسکتا ہے۔

چگونہ حرفِ زنم دل کجا دماغ کجا

میری آنکھوں میں وہ دل سوز منظر ابھی تک بسا ہوا ہے کہ نظام کے سرپرست اور میرے مربی اور محسن اور کانپور والوں کی روح وجان حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کانپور چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند جارہے ہیں، اسٹیشن پر ہزاروں سوگوار عقیدت منداپنے صبر وقرار کو رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر موجود ہیں جن کی آنکھیں اشکبار ہیں، دل غم سے نڈھال ہیں، اور لب وفورغم سے تھرتھرارہے ہیں، اور ہرشخص یہ سمجھ رہاہے کہ کوئی بہت بڑی چیز ہمارے ہاتھوں سے نکلی جارہی ہے، حتی کہ بڑے بڑے اہل دل بزرگ بھی جواپنے مقام پر تسلیم ورضا کے پہاڑ ہیں وہ بھی شدت جذبات سے بے قابو ہیں اوردل سے اٹھاہوا آنسوؤں کا سیلاب باوجود ہزار کوشش کے ان کی آنکھوں سے روکے نہیں رک رہاہے، حتی کہ ایک بزرگ فرمانے لگے کہ اپنے کسی عزیز قریب کے انتقال پر بھی اتنا صدمہ نہیں ہوا جتنا آج مجھے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کانپور چھوڑنے پر ہورہاہے، کیونکہ حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کی وجہ سے اس علاقہ کی جس قدر اصلاح ہوئی آپ کے جانے کے بعد وہ تمام اصلاحی کوششیں مضمحل ہوجائیں گی، اور ہم ایک شفیق استاد بابرکت بزرگ اور عظیم مربی اور مرشد سے دور ہوجائیں گے، ہرچند کہ جب روحانی تعلق استوار ہو جسمانی بعد اوردوری اکتساب فیض سے مانع نہیں ہوتی، مگر یہ انہیں

لوگوں کے لئے ہے جن کی استعداد قوی ہو، لیکن جن لوگوں کی استعداد یں ناقص ہوتی ہیں، اپنے پیرومرشد کے قریب رہ کر ہمہ وقت ان کی ہدایات حاصل کر کے ہی زیادہ فیض حاصل کر سکتے ہیں، جس طرح کانپور ایک تجارتی منڈی ہے یہاں ہرطرف کے لوگ بغرض تجارت آتے ہیں اسی طرح حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے قیام کانپور کی بناپر اسے دینی حیثیت سے بھی مرکزیت حاصل ہوگئی تھی، لوگ دور دراز سے اپنی اغراض لے کر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچتے تھے، اور فائز المرام ہوکر گھر واپس لوٹ جاتے تھے، دعا کے لئے تعویذ کے لئے مسئلے مسائل کے لئے ذکروشغل اور اصلاح باطنی کیلئے دور و نزدیک سے آنے والوں کا ایک تانتا لگارہتا تھا، اور حضرت مفتی صاحب زیدمجدہم ہر آنے والے کی ضرورت پوری فرماتے تھے، اور کوئی شخص بھی اس بارگاہ سے محروم نہ جاتا تھا اب جب کہ کانپور کی بساط ہی الٹ دی گئی ہے، اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کانپور سے دیوبند تشریف لے گئے تو کون بتائے کہ روز کے آنے جانے والوں کے دل پر کیا گزری ہوگی؟ اور کتنے دل غم سے نڈھال ہوگئے ہوں گے، اور کتنوں کا سکون وقرار بیقراری سے بدل گیا ہوگا، اس کا صحیح اندازتو وہی کرسکتا ہے جو ہزاروں کے انکم ٹیکس کے مقدمہ میں ماخوذ بے چارہ موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہواور پریشان ہوکر اس نے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا ہوآپ نے دعا کر کے اس کی تسکین فرمادی ہو اور وہ مقدمہ سے بالکل بری ہوگیا ہو، یاپھر وہ کرسکتا ہے جو برسوں سے مہلک مرض میں گرفتار ہو، اطباء نے جواب دے دیا ہوحتی کہ مریض ٹھوکریں کھاتا ہوامایوس ہوکر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا ہو، حضرت مفتی صاحب نے تسلی وتشفی کے چند کلمات

فرما کر اس کے دردوں پر مرہم رکھ دیا ہو اور دعا فرما کے اس کی حاجت روائی کر دی ہو، اور پھر خدا کے فضل سے وہ شفایاب ہو گیا ہو یا پھر وہ کر سکتا ہے جس کے سر پر ہزاروں کے قرض کا بار ہو غریب قرض خواہوں کے خوف سے منہ چھپا تا پھرتا ہو، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے وہ اپنی پریشانی عرض کرتا ہو اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ اسے ایک دعا بتا دیتے ہوں اور وہ اسے پڑھتا ہو، اور دیکھتا ہو کہ چند ہی دنوں میں اللہ نے قرض کے بار سے سبکدوشی عطا فرما دی، یا پھر وہ کر سکتا ہے جو روحانی اور باطنی امراض میں مبتلا ہو اور حضرت اقدس کی خدمت میں چند دن رہ کر ذکر و شغل میں مشغول رہا ہو اور پھر روحانی صحت و توانائی حاصل کر کے واپس ہوا ہو۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے چلے جانے کے بعد آج کانپور رو رہا ہے اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے اس کی روح نکل گئی ہو، ایسا کیوں؟ اس لئے ہر مشکل کا جواب حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی ذات گرامی تھی (اللہ اکبر) حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کیا چلے گئے گویا بہت بڑی نعمت تھی جو چھن گئی، میرا اپنا دل تو یہ کہہ رہا ہے کہ یہ نعمت خدا نے ہم سے اس لئے چھینی کہ ہم نے اس کی اتنی قدر نہیں کی جتنی قدر کرنی چاہئے، تو آیئے خدا کی بارگاہ میں رو رو کر گناہوں کی معافی مانگیں، اور خدا سے گڑ گڑا کر عرض کریں بار الٰہا یقیناً ہم نے جرم عظیم کیا تو نے ہم کانپور والوں کو اور پوری مشرقی یوپی کو ایک اتنی بڑی دولت و نعمت عطا فرمائی لیکن ہم دنیا کے چکر میں پھنسے رہے، اور تیری نعمت کی ناقدری کرتے رہے، اس کی خدمت میں جتنا حاضر ہونا چاہئے تھا حاضر نہ ہوئے، جس طرح مؤدبانہ حاضر ہونا چاہئے تھا نہ ہوئے تعمیل ارشاد میں بھی بڑی کوتاہیاں ہوئیں، اے بار الٰہا ان سب کو معاف فرما دے

ہم توبہ کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ہم تیری نعمت کی ناقدری نہیں کریں گے، اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے پورے طور پر مستفید ہونے کی کوشش کرینگے، اے اللہ حضرت مفتی صاحب کو کانپور میں دوبارہ رونق افروز فرما، اور دارالعلوم دیوبند کے لئے کسی مخلص اور جلیل القدر مفتی کا انتظام فرما، آمین۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا کانپور میں رہنا بہت اہم ہے دارالعلوم دیوبند کو صرف کامل مفتی کی ضرورت ہے لیکن کانپور کو حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی ذات گرامی کی ضرورت ہے، دارالعلوم دیوبند کی ضرورت دوسرے مفتیوں سے بھی پوری ہوسکتی ہے لیکن کانپوری کی ضرورت حضرت مفتی صاحب کے علاوہ بظاہر حال کسی اور شخصیت سے پوری نہیں ہوسکتی، کیوں کہ آپ انفرادی اصلاحی کوشش کے علاوہ مدرسہ جامع العلوم کی روح رواں تو تھے ہی کانپور کی تبلیغی جماعت کی بھی ریڑھ کی ہڈی تھے، جمعیۃ العلماء کانپور کے لئے بھی باعث تقویت تھے مسلک دیوبند کے لئے بھی ایک بہت بڑا اسینٹر تھے آپ کی موجودگی سے ان اطراف میں رضاخانیت، مودودیت، اور ہر قسم کے فتنے بے جان ہوگئے تھے، خوف ہے کہ آپ کے چلے جانے سے یہ فتنے از سرِ نو زندہ نہ ہوجائیں، خدا بہتر فرمائے، آمین۔

قارئین نظام! حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی واپسی کے لئے دعا فرمائیں، یوں حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ بہت مجبوری میں دیوبند تشریف لے گئے اگر وہاں کوئی متبادل نظام ہوگیا تو امید ہے کہ جلد ہی واپس تشریف لے آئیں گے، بہر حال حضرت والا کا ’’نظام‘‘ سے ویسا ہی تعلق رہے گا جیسا کہ پہلے تھا، فتاویٰ بھی ہر مہینے آتے رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ چند سطور بے اختیار قلم سے نکل گئیں، ورنہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے جانے سے دل پر اتنا اثر ہے کہ کچھ بھی لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

ماہنامہ نظام کانپور نمبر ۳ نومبر ۱۹۶۵ھ

چگونہ حرفِ زنم دل کجا دماغ کجا

دارالعلوم دیوبند تشریف آوری

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی فکر ولگن، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے اجتماعی فیصلے اور دیگر حضرات اکابر کی جدوجہد واہتمام اور پھر سب سے آخر میں حضرت اقدس مخدوم العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے ارشاد بلکہ حکم پر جمعرات ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۳/ ستمبر ۱۹۶۵ء میں آپ کی تشریف آوری دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ اس موقع پر اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

آج صبح مفتی صاحب قدس سرہٗ کانپور سے دہلی پہنچے، مولوی اسعد صاحب سے ملاقات کے بعد رات کو دیوبند پہنچے، بدھ کی صبح کو مہتمم صاحب، علامہ ابراہیم صاحب وغیرہ حضرات سے ملاقات ہوئی، سب نے بہت زیادہ اعزاز واکرام کیا، جمعرات کی صبح کو افتاء کا چارج لے لیا، اورسامان وغیرہ لانے کے لئے دو ہفتے کی رخصت لے کر جمعہ کی صبح کو ۹/ بجے سہارنپور بعد جمعہ گنگوہ جا کر شنبہ کی شام کو واپس آئے اور اتوار کی صبح کو سیالدہ سے کانپور کے لئے روانہ ہو گئے۔

قیام گاہ

ابتداء میں آپ کا قیام مہمان خانہ میں رہا پھر مسجد دار العلوم سے متصل کمرہ ۱۴/ر احاطہ مسجد میں رہا، پانچ چھ سال یہیں تشریف فرما رہے، یہاں کے قیام میں ایک مرتبہ یہ لطیفہ پیش آیا کہ ایک دن حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ اور علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے راستہ میں ملاقات ہوگئی، حضرت مہتمم صاحبؒ نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ کیا کروں، فرصت نہیں ملتی، ورنہ جی چاہتا ہے کہ کچھ آپ سے استفادہ کے لئے حاضر ہوا کروں، اور علامہ ابراہیم صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت یہ تو بخیل ہے آج تک اس نے اپنا کمرہ بھی نہیں دکھایا، (تاریخی اعتبار سے اس کمرہ کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ عرصہ تک یہ مولانا اعزاز علی صاحبؒ کا مسکن رہا) حضرت مفتی صاحبؒ نے جواباً فرمایا کہ حضرت میں تو مفلس ہوں جو کچھ میرے پاس ہے وہ حضرت ہی کا عطیہ ہے، اس پر حضرت مہتمم صاحبؒ نے ہنس کر فرمایا کہ میں یہاں تک نہیں پہنچا تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں درس بخاری شریف

دارالعلوم دیوبند ایک عالمی دینی درسگاہ ہے وہاں کے درس حدیث بالخصوص درس بخاری شریف کی بڑی اہمیت رہی ہے، اوراس کے لئے عظیم ترین شخصیتوں کا انتخاب ہوتا رہا ہے۔

حضرت اقدس مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی وفات بارہ جمادی الاولیٰ ۷۷ھ ۵ ردسمبر ۱۹۵۷ء کے بعد دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے صحیح بخاری شریف کے درس کے لئے فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ کا انتخاب کیا آپ نہایت نیک نامی وکامیابی کے ساتھ علم حدیث کی اس بلند پایہ کتاب کا درس دیتے رہے۔

وصال سے چار پانچ سال قبل جب ضعف طبع اور کمزوری وعلالت حد سے بڑھ گئی تو آپ نے شدت کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ درس بخاری کی ذمہ داری کا یہ بوجھ کسی حدتک کم ہوجائے، اس کیلئے آپ کی نگاہِ انتخاب حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ پر پڑی اورآپ نے محرم الحرام ۱۳۸۷ھ سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ پراصرار شروع کیا اور بخاری شریف جلد ثانی شروع کرادینے کی تاکید فرمائی، متعدد مرتبہ اسی مقصد سے حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس ان کے کمرے میں تشریف لاکر اصرار بھی فرمایا مفتی صاحبؒ بعض مصالح کی وجہ سے معذرت اورانکار فرماتے رہے، یہ عذر بھی کیا کہ بخاری شریف بہت اونچی کتاب ہے، احقر اس کے پڑھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، غرض اصرار وانکار دونوں چلتے رہے یہاں

تک کہ انکار پر اصرار غالب آگیا اور ۱۷؍ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۳؍ اگست ۱۹۶۸ء میں آپ کے یہاں باب غزوۃ ذی الخلصہ سے بخاری شریف شروع ہوئی۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے تاریخ کبیر میں اس موقع پر جو تفصیل تحریر فرمائی ہے اس کی تلخیص یہاں پیش کی جاتی ہے۔

۸۷ھ کی سہ ماہی پر مفتی محمود صاحب نے بیان کیا کہ حضرت مولانا فخرالدین صاحبؒ بخاری شریف جلد ثانی شروع کرانے کے متعلق کئی مرتبہ کہہ چکے ہیں، زکریا نے شدت سے (انکار کیا کہ ہنگامہ ہوجائے گا) مولانا فخرالدین صاحبؒ ان سے بار بار کہا کہ میرا سبق ہے، اس کے اندر کسی کو دخل دینے کا حق نہیں ہے، عاملہ کے موقع پر بعض ممبران مولانا فخرالدین صاحبؒ کے پاس گئے کہ بخاری جلد ثانی کسی دوسری جگہ شروع کرنے کی اجازت دیدی جائے کہ آپ کو ضعف ہے مگر مولانا فخرالدین صاحب نے انکار کردیا اور کہا کہ میرا سبق ہے جب جس کے پاس چاہے منتقل کردونگا، کسی کو حق دخل نہیں ہے اس سال کہیں منتقل نہ ہوسکی ۱۳۸۸ھ کی سہ ماہی پر مفتی محمود سے زکریا نے کہا کہ اب اگر مولانا فرمادیں تو شروع کرادیں

۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ دوشنبہ کی شب میں مفتی محمود صاحب کو مولانا فخرالدین صاحبؒ نے بلا کر کہا کہ جلد ثانی آپ لے لیں، انہوں نے دوسرے مدرس کی قدامت کا عذر بیان کیا، لیکن مولانا فخرالدین صاحبؒ نے شدید اصرار فرمایا اور فرمایا میں بوڑھا ہوگیا ہوں، میرے بڑھاپے کا خیال کرلو، اس پر حضرت والا قدس سرہٗ نے منظور فرمایا اور فرمایا کہ جیسے حکم ہو۔

دوشنبہ کی صبح کو حضرت مولانا فخرالدین صاحبؒ نے بخاری شریف کے سبق میں

اعلان کردیا کہ جلد ثانی شام سے مفتی محمود صاحب قدس سرہٗ کے یہاں ہوگی، بعد عصر تقریباً چارسونفر کا مجمع جس میں غیر دورے والے بھی بہت تھے، حضرت مدنی قدس سرہٗ کے مکان پر پہنچا اور مولانا سے کہا کہ ہم آپ ہی سے پڑھنا چاہتے ہیں، صرف عبارت ہی کیوں نہ ہو مولانا فخر الدین صاحبؒ نے نہایت غصہ سے فرمایا کہ بخاری وہیں ہوگی جس کو پڑھنا ہو پڑھے، اور نہ پڑھنا ہو وہ نکل جائے میں خوب سمجھتا ہوں، کہ یہ کہاں سے چل رہی ہے اور درس میں یہ بھی ارشاد فرمایا میں نے بہت چاہا کہ بخاری فلاں کو دے دوں لیکن اجازت نہیں ہوئی تو کیا کروں آخر بصیرت بھی کوئی چیز ہے۔

مسجد چھتہ میں ماہ مبارک کا اہتمام ومعمولات

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ مبارک کا اہتمام شعبان سے ہی فرمایا کرتے تھے، شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کے دن شمار کرنے کا اہتمام فرماتے رمضان ہی کی وجہ سے حدیث پاک میں ہے:۔

يتحفظ من شعبان مالا يتحفظ من غيره. (مشكوة شريف، ص۱۷۵)

آنحضرت ﷺ ماہ شعبان کی نگرانی وحفاظت کا جتنا اہتمام فرماتے تھے کسی اور ماہ کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔

اور شعبان کے آخر میں ماہ مبارک کے فضائل بیان فرماتے اور اس کی قدردانی کی

ترغیب دیا کرتے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص۱۷۳)

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کے یہاں بھی شعبان سے ہی ماہ مبارک کا اہتمام شروع ہو جاتا، محترم حضرت مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہم شعبان بلکہ بعض دفعہ اس سے پہلے ہی ماہ مبارک میں آنے والے مہمانوں کے لئے انتظامات شروع فرما دیتے، کیا کیا سامان آنا ہے، کس کس چیز کی خدمت کون کون کریں گے، بیرونی ممالک سے آنے والے مہمانوں کا کیا انتظام ہوگا، ٹکٹ وغیرہ کی سہولیات کس طرح ہونگیں، سردی وگرمی کا کیا ہوگا، غرض ماہ مبارک سے پہلے ہی سے آنے والوں کی ہر امکانی سہولت وراحت رسانی کی فکر کی جاتی اور تمام انتظامات درست کئے جاتے اور ماہ مبارک آنے سے پہلے ہی مسجد مہمانوں سے بھر جاتی، ہر وقت مہمانوں کا تانتا لگا رہتا، کوئی دن میں آرہا ہے، کوئی رات میں آرہا ہے، کوئی قافلہ صبح پہنچ رہا ہے، کوئی شام میں، کسی کی آمد کی اطلاع آرہی ہے، کسی کو لانے کیلئے اسٹیشن پہنچ رہے ہیں، کوئی اہلیہ کو لئے آرہا ہے، اس کے لئے الگ انتظام کیا جارہا ہے، کوئی بچوں کو ساتھ لایا ہے، عجیب ایک بہار ہورہی ہے، دیکھتے ہی دیکھتے ۲۹ر شعبان کو مسجد اندر، باہر، اوپر، نیچے سب بھر گئی مسجد کے دائیں بائیں، اور دارالعلوم کے بعض دیگر کمروں میں غیر معتکفین حضرات کا انتظام کرنا پڑتا مجمع کی کثرت کی وجہ سے جگہ تقسیم کی جارہی ہے، ایک کے حصہ میں بعض دفعہ ڈیڑھ فٹ ہی جگہ آسکی، مگر اس پر ہر ایک خوش ہے کہ کیا دولت میسر آگئی مسلمانوں کی سہولت کے لئے بعض ہدایتیں لکھ کر آویزاں کردی گئیں آنے والے مہمان فلاں کے پاس اپنا نام اور مدت قیام درج کرائیں، زائد سامان فلاں کمرے میں فلاں کے پاس رکھیں، دیگر ضروریات کیلئے فلاں سے رابطہ قائم کریں، زبانی

بھی ان ہدایات کو دہرایا جاتا، احاطہ مسجد کے غسلخانے بیت الخلا نا کافی ہو جاتے جس کی وجہ سے دارالعلوم کے اندر یا دارالعلوم ہی کی عمارت افریقی منزل میں مزید سہولت فراہم کی جاتی، مہمانوں کو ان کی نشان دہی کی جاتی آداب اعتکاف اور آداب مسجد نیز باہم ایک دوسرے کے حقوق بھی بتائے جاتے اور بار بار اس پر تنبیہ کی جاتی کہ اس کی کوشش ہو کہ وقت ضائع نہ ہو اور کسی کو اذیت نہ پہونچے چوبیس گھنٹہ کا نظام الاوقات کا نقشہ بھی آویزاں کر دیا جاتا، نیز ایک کاغذ پر ضروری ہدایات بھی آویزاں کی جاتیں، نظام الاوقات اور ہدایت کا پرچہ قارئین کی خاطر نقل کیا جاتا ہے۔

نظام الاوقات برائے معتکفین مسجد چھتہ دیوبند

صبح:......۱۱ر تا ۱۲ر کتابی تعلیم الاعتدال، گلدستۂ سلام ومحبت، فتاویٰ محمودیہ سے ابواب سلوک حدود اختلاف، نعت محمود المقلب بہ وصف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوپہر:......۱ر تا ۳ر نماز ظہر آیت کریمہ، دعا وذکر جہری۔

شام:......بعد نماز عصر تا قبیل افطار، کتابی تعلیم، فضائل رمضان، اکابر کا رمضان، اکابر کا تقویٰ، اکابر دارالعلوم دیوبند۔ اکمال الشیم ارشاد الملوک، ترجمہ امداد السلوک، موت کی یاد

بعد نماز مغرب تا اذان عشاء، کھانا، چائے، انفرادی اعمال۔

رات:...... بعد نماز تراویح تا ۱۵:۱۱ر فضائل درود شریف، فضائل صدقات بعد ختم سورۂ یٰسین وصلوٰۃ سلام اور دعا۔......۳ر تا انتہائے وقت سحری کھانا چائے، انفرادی اعمال۔

ضروری ہدایات برائے مقیمین ومعتکفین مسجد چھتہ دیوبند

❁ خانقاہ میں ہونے والے تمام اجتماعی اعمال میں ہر ایک ساتھی شریک ہو کتابی تعلیم ختم آیت کریمہ، سورۂ یٰسین، صلوٰۃ وسلام اور کھانا چائے وغیرہ۔

❁ ہر ساتھی مندرجہ ذیل معمولات کو اختیار کرنے کی سعی فرماویں۔

چوبیس گھنٹے کے اپنے معمولات کا نظام الاوقات مرتب فرمالیں۔

❁ ہر نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا فرمائیں۔

❁ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی اور تسبیحات فاطمی کا التزام رکھیں۔

❁ تیسرا کلمہ، درود شریف، استغفار، صبح وشام ایک ایک تسبیح الحزب الاعظم کی ایک منزل، صلوٰۃ وسلام روزانہ پابندی سے پڑھنے کی عادت بنالیں، وقت بچ جائے تو کلمہ طیبہ ''لاالہ الااللّٰہ، استغفار، درود شریف اور **سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم، حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر، یاحی یاقیوم برحمتک استغیث .**

اور آیت کریمہ''**لاالہ الاانت سبحانک انی کنت من الظالمین**'' کی کثرت رکھی جائے، حفاظ کرام تہجد کی نوافل میں قرآن پاک سنانے کی ترتیب بنائیں، اور نوافل کی جماعت میں مسلک حنفی کے مطابق زیادہ سے زیادہ ۴/۲ افراد شریک ہوں۔

❁ ہر روز سورۂ یٰسٓ شریف کی تلاوت فرما کر اپنے سلسلہ کے مشائخ کو ثواب پہنچائیں ہر روز بعد نماز مغرب سورۂ واقعہ، بعد عشاء سورۂ ملک، اور ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت الحمد شریف چاروں قل اور آیت الکرسی پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے تمام بدن پر پھیرنے کا معمول بنائیں۔

تہجد ۸؍رکعات کم از کم ۲؍رکعات، اشراق چار رکعات، چاشت ۸؍رکعات اور اوابین کم از کم چھ رکعات ان نوافل میں سے ہر ایک کا اہتمام رکھیں۔

❁ ہفتہ میں کم از کم ایک مرتبہ صلوٰۃ التسبیح، جمعہ کے دن سورۂ کہف اور جمعہ کی عصر کی نماز کے بعد" اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی اٰلہ وسلم تسلیما "اسّی مرتبہ پڑھنا چاہئے۔

❁ ہر ساتھی اس بات کا خیال رکھے کہ اس سے دوسرے ساتھی کو کوئی اذیت نہ پہنچے اور اگر کسی سے اذیت پہنچ جائے تو صبر کرے کہ یہ مہینہ صبر کا ہے، کوئی ساتھی کسی دوسرے ساتھی کا سامان بلا اجازت استعمال نہ کرے، بلکہ ان کے سامان کا خیال رکھے۔

❁ اپنے اوقات کی حفاظت کریں اور قلت کلام، اور قلت طعام، قلت منام، میں سے اول الذکر کا خاص خیال رکھیں، بلاضرورت شدیدہ کسی سے بات نہ کی جائے، اجتماعی مٹھائی چائے، پان، پھل وغیرہ کے دور چلانے سے سخت احتراز فرماویں، ہمارے حضرت قدس سرہٗ کا منشا یہی ہے کہ بلاضرورت بات چیت نہ کریں، وقت کی قدر کریں، بقیہ دو کے اختیار کرنے نہ کرنے میں ہمارے حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی۔

❁ ان سب اعمال کو اپنی زندگی میں اپنانے کا آسان نسخہ یہ ہیکہ روزانہ سونے سے قبل

اپنے نفس سے دن بھر کے اعمال کا محاسبہ (حساب وکتاب) کیا جائے اعمال مطلوبہ پر اللہ تعالیٰ ذوالجلال کا شکرادا کیا جائے، اور غیر مطلوبہ سرزد ہونے پر نفس کوملامت سرزنش اورآئندہ کے لئے توبہ کی جائے) فقط۔

غرض کہ اس کا پورا اہتمام ہوتا کہ کسی کوکسی سے اذیت نہ پہونچے اوروقت بھی ضائع نہ ہو، چنانچہ بہت سے حضرات یومیہ قرآن پاک ختم فرمالیتے تھے،بعض حضرات نصف قرآن یومیہ،اس کا بھی اہتمام ہوتا کہ رات کوحفاظ نفلوں میں قرآن پاک سنانے کا اہتمام کریں،اس کی یہ شکل ہوتی کہ ایک حافظ کے ساتھ دوتین آدمی شریک ہوتے حافظ سناتا یہ حضرات سامع بنتے،بہت سے حضرات مسجد کے باہرصحن میں قرآن پاک دیکھ کر تلاوت میں مشغول رہتے،اور پوری رات نوافل وتلاوت کا یہ سلسلہ جاری رہتا،بعض حضرات کچھ دیرآرام کرتے اور پھراٹھ کھڑے ہوتے۔

حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے مہمانوں کی راحت رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جاتا،مختلف شہروں میں مختلف صوبوں اورمختلف ملکوں سے آنے والے مہمانوں کے مزاج کی رعایت کھانے میں رکھی جاتی سحر وافطار اورشام کے کھانے میں دسترخوان صحیح وقت پر بچھانے اور دونوں وقت چائے کا بھی نظم ہوتا،افطار میں مختلف قسم کے میوہ جات اورپھلوں اورمختلف قسم کے مشروبات کا انتظام کیا جاتا پورے مجمع کے لئے کھجوروزمزم کا بھی انتظام ہوتا زمزم خواص کے لئے فنجان اور پیالیوں میں پیش کیا جاتا،اور بقیہ مجمع کے لئے ایک بڑے ٹپ میں زمزم ڈالدیا جاتا،مدنی کھجوروں کا بھی اہتمام کیا جاتا،حکیم وڈاکٹروں

کا بھی انتظام کیا جاتا، ان کا وقت مقرر رہوتا کہ فلاں فلاں وقت حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب آئینگے، بیمار حضرات حسب مزاج ان سے رجوع کرتے۔

تراویح میں عموماً تین قرآن پاک ختم ہوتے، ہر عشرہ میں الگ الگ حافظ سناتا اور درمیانی عشرہ میں بقیہ معتکفین کو موقع دیا جاتا کہ ایک ایک پارہ ایک ایک حافظ پڑھتا اس طرح ہر شب میں تین حافظ تین پارے سناتے، سحر میں ڈھائی بجے بیدار کر دیا جاتا، اخیر رمضان میں تقریباً سوا دو بجے بیدار کیا جاتا جو حضرات بیدار کرنے پر مقرر تھے وہ سونے والوں کا ہلکے سے پیر دباتے یا پیر پر ہاتھ رکھتے اور سونے والا اٹھ کھڑا ہوتا، چند منٹ میں سب بیدار ہو جاتے، نہ آواز ہوتی، نہ شور، نہ الارم بجایا جاتا نہ اعلان کیا جاتا، بتی روشن کر دی جاتی جس کو شب میں تقریباً بارہ بجے حضرت قدس سرہٗ کے بیان کے چند منٹ بعد بند کر دیا جاتا تھا ہر شخص استنجاء وضو سے فارغ ہو کر نفل میں مشغول ہو جاتا اور منتظمین کی جانب سے اڑھائی بجے ہی دسترخوان بچھا دیا جاتا اور برتن لگا دیئے جاتے، اور اعلان کر دیا جاتا مہمان حضرات دسترخوان پر تشریف لے آئیں، کھانا شروع ہو جاتا، جو حضرات کھانا کھلانے اور پانی پلانے پر مقرر تھے سب خوبصورتی اور خاموشی کے ساتھ اس کو انجام دیتے، کھانے چائے سے فارغ ہونے والے نوافل، تلاوت اور دعا میں مشغول ہو جاتے، ساڑھے تین بجے یا پونے چار بجے عموماً فارغ ہو کر تلاوت میں مشغول ہو جاتے، یہ منظر بھی عجیب پر کیف منظر ہوتا نماز فجر اول وقت ہوتی اور پھر اندر کے حصہ کی بجلی بند کر دی جاتی اور سب سو جاتے کچھ حضرات اس وقت بھی تلاوت کرتے اور وہ باہر صحن میں بیٹھ کر تلاوت کرتے تا کہ سونے والوں

کو اذیت نہ ہو، سونے کا یہ وقت دس بجے تک ہوتا دس بجے سے قبل کسی کو بیدار نہ کیا جاتا، البتہ ازخود حسب توفیق بیدار و مشغول ہوتے رہتے لیکن دس بجے سب کو بیدار کردیا جاتا، دس بجے تک وہی حضرات عموماً سوتے جو شب میں بالکل نہ سوتے، اورسب استنجا وغیرہ سے فارغ ہوکر نوافل وتلاوت میں مشغول ہوجاتے، گیارہ بجے سے بارہ بجے تک کتاب سنائی جاتی، فضائل رمضان اکابر کا رمضان اوراعتدال فی مراتب الرجال اس کے بعد پھر تلاوت کا سلسلہ شروع ہوجاتا، کچھ حضرات تھوڑی بہت دیر استراحت فرماتے اذان پر اٹھ کر نماز ظہر کی تیاری اوراس سے فارغ ہوکر آیت کریمہ کا ختم ہوتا اس کے بعد اجتماعی دعاء ہوکر ذکر بالجہر کی مجلس شروع ہوجاتی کسی پر ذوق وشوق کسی پر لطف وسرور اور کسی پر گریہ وبکا کا غلبہ طاری رہتا، قبل عصر یہ مجلس ختم ہوکر عصر بعد حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی مجلس ہوتی جس میں ''ارشاد الملوک'' ''اکمال الشیم'' پڑھ کر سنائی جاتی مغرب سے پندرہ منٹ پہلے یہ مجلس ختم ہوتی اورسب حضرات دعا وتلاوت، مراقبہ وغیرہ میں مشغول ہوجاتے، منتظمین حضرات افطار کے لئے دسترخوان بچھادیتے، اورافطار سے پانچ منت پہلے اعلان ہوتا کہ مہمان حضرات دسترخوان پر تشریف لے آئیں، افطار کا اعلان کبھی زبانی ہوتا کبھی صرف اذان پر اکتفا ہوتا گھنٹی یا نقارہ کا دستور نہیں تھا، افطار اطمینان سے ہوتا، اس کے بعد نماز ادا کی جاتی، نماز کے بعد کھانے کے لئے دسترخوان لگادیا جاتا، مہمان حضرات مختصر نفلیں پڑھ کر دسترخوان پر آجاتے اور پھر بعد میں اپنی نوافل پوری کرتے کھانے کے بعد چائے کا بھی اہتمام ہوتا سحر وافطار ہر موقع پر میزبان (حضرت قدس سرہٗ) کی سخاوت اور فیاضی کا خوب

ظہور ہوتا مختلف انواع کے ذریعہ مہمانوں کی دلداری کی جاتی، عشاء کے بعد معمولات تراویح وغیرہ سے فراغت پر تقریباً بارہ بجے رفقاء کار آپس میں مذاکرہ کرتے کسی مہمان کو کسی کے رویہ سے شکایت تو نہیں ہوئی کسی کے بارے میں معلوم ہوتا اس سے احتساب ہوتا باز پرس ہوتی اور اس مہمان سے معافی مانگی اور تدارک کی کوشش کی جاتی۔

دعا کے بعد صلوٰۃ وسلام کی چہل حدیث ہوتی ایک شخص پڑھتا اور پورا مجمع سنتا اس کے بعد حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے بیان سیدھے سادھے الفاظ میں ہوتے مگر آبدار موتیوں کی طرح صاف ستھرے، نہ واعظوں جیسا جوش ہوتا نہ آواز سخت ہوتی اور نہ ہی اس میں تکلیف وتنصیف کا شائبہ ہوتا، اخیر سالوں میں ناسازی طبع کی وجہ سے وعظ کے بجائے فضائل صدقات یا حضرت والا کے مواعظ پڑھ کر سنائے جاتے، دعا کبھی بالجہر ہوتی کبھی بالسر کسی ایک طریق کا التزام نہیں تھا دعاء میں بھی سادہ الفاظ ہوتے، دعا بالجہر ہوتی یا بالسر مجمع پر گریہ غالب ہوتا، اکثر کی ہچکیاں بندھ جاتیں اور بعض کی چیخیں نکل جاتیں، دعا شروع ہوتے ہی مجمع کی حالت بدل جاتی، بجلی کے مثل کوئی چیز قلب میں کوند جاتی جو دلوں میں گرمی ورقت پیدا کردیتی اور مجمع کو بے خود بنادیتی۔

ماہِ مبارک میں معمولات فقیہ الامت قدس سرہٗ

ابتدائی دور کے رمضان کے معمولات تو اوپر گزر چکے ہیں، اخیر دور میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ شب میں ڈھائی بجے یا اس سے پہلے بیدار ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے طویل نفلیں ہوتیں جن سے ساڑھے تین بجے قریب فراغت ہو جاتی پھر سحری تناول فرماتے جو صرف چند لقمے ہوتی اور پھر نوافل میں مشغول ہو جاتے اذان فجر پر سنت الفجر مختصر پڑھتے، فوراً، فرض نماز ہوتی نماز بعد استراحت فرماتے اور سات ساڑھے سات بجے تقریباً بیدار ہو جاتے، استنجاء وضو سے فراغت فرماتے اور اشراق میں مشغول ہو جاتے، اس وقت قراءۃ کافی طویل ہوتی اور نماز میں استغراق اور ’’انقطاع عن الخلق‘‘ کی وہ کیفیت ہوتی گویا ’’**الصلوٰۃ معراج المؤمنین ومناجات رب العالمین** اور **فلاتسئل عن حسنهن وطولهن**‘‘ ان کی خوبصورتی اور لمبائی کو مت پوچھ) کا پورا ظہور ہوتا، اس ضعف پیری و ناتوانی و کثرت امراض (کہ کھڑے ہوتے ہی عموماً فوراً چکر آتا تھا) کے باوجود نماز میں خدا معلوم کہاں سے یہ قوت آجاتی کہ ضعف کا شائبہ تک بھی نہ ہوتا، کمال خشوع وخضوع کے ساتھ ساڑھے نو بجے تقریباً اشراق سے فراغت ہوتی اس کے بعد ایک دو صاحب کا قرآن پاک سماعت فرماتے تقریباً دس بجے تک اس کے بعد اہم اور ضروری خطوط اور فتاویٰ کے جوابات املا کراتے اسی دوران معتکفین میں سے کوئی سوال کرتا، حضرت جواب ارشاد

فرماتے ،تقریباً گیارہ بجے تک یہ سلسلہ رہتا گیارہ سے ساڑھے گیارہ تک حضرت قدس سرہٗ کے فتاویٰ (جن کو ترتیب دیا جارہا تھا،الحمدللّٰہ اس وقت ۲۰ رجلدیں شائع ہوچکی ہیں) یااورکوئی رسالہ حضرت قدس سرہٗ کوسنایا جاتا اور حضرت قدس سرہٗ مناسب ترمیم حذف ، اضافہ فرماتے ساڑھے گیارہ بجے کتاب الاعتدال فی مراتب الرجال پڑھ کرسنائی جاتی جس میں تمام معتکفین شرکت فرماتے حضرت والا قدس سرہٗ اپنے معتکف ہی میں کتاب سنتے اور توجہ فرماتے اور حاضرین کو باہر کتاب میں شرکت کا حکم فرماتے ، بارہ بجے کتاب ختم ہوتی ،اس کے بعد کسی کو کوئی خاص مشورہ کرنا ہوتا کرتا بعض اصحاب یکے بعد دیگرے کوئی کتاب حضرت قدس سرہٗ سے پڑھتے اذان ظہر کے قریب تک سلسلہ رہتا،اذان سے قبل ہی حضرت استنجاء وضوء وغیرہ سے فراغت فرماتے اورسنتوں میں مشغول ہوجاتے اوران چارسنتوں میں بھی قراءت کافی طویل ہوتی اور جماعت کے وقت تقریباً سنتوں سے فراغت ہوتی۔

نماز کے بعد معمولات آیت کریمہ کاختم بعدہ دعا میں حضرت قدس سرہٗ شرکت فرماتے اس کے بعد ذاکرین ذکر میں مشغول ہوجاتے ،اورحضرت قدس سرہٗ اپنے معتکف میں تشریف لیجاتے جہاں بیعت ہونے والے حضرات پہلے سے جمع ہوجاتے ان کو بیعت فرماتے پہلے سے بیعت شدہ حضرات میں سے کسی کو کچھ پوچھنا ہوتا یا ذکر میں اضافہ کرانا ہوتا وہ بھی حاضر ہوکراپنی باتیں مختصراً عرض کرتے ،حضرت والا ہرایک کے موافق جواب سے سرفراز فرماتے اس کے بعد ذکر میں مشغول ہوجاتے اورذاکرین کی طرف توجہ فرماتے ، جسکے اثرات حسب حال ذاکرین محسوس فرماتے ،بعض مخصوص احباب نے بیان کیا کہ دوران ذکرمحسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز قلب میں بھری جارہی ہے اپنے ذکر کے بعد حضرت

قدس سرہٗ کچھ وقفہ کیلئے استراحت فرماتے جو برائے نام ہی استراحت ہوتی چونکہ استراحت کا وقت دن بھر میں عموماً فجر بعد ہی ہوتا، پھر استراحت کا موقعہ نہ ہوتا کچھ دیر بعد ہی مردانہ وار کھڑے ہوجاتے اور استنجاء وضو سے فارغ ہوکر پھر نفلوں میں مشغول ہوجاتے اذان عصر کے بعد سنتیں پڑھتے جن میں قراءت کافی طویل ہوتی اور کبھی یہ سنتیں زیادہ طویل نہ ہوتیں بلکہ مختصر ہوتیں اور سنتوں سے فارغ ہوکر تلاوت میں مشغول رہتے، عصر کے بعد پھر عمومی مجلس ہوتی جس میں خود حضرت قدس سرہٗ شرکت فرماتے غروب سے پندرہ منٹ قبل تقریباً یہ مجلس ختم ہوتی، جس میں کتاب ''اکمال الشیم اور ارشاد الملوک'' اور بعض دیگر کتابیں پڑھی جاتیں اس کے بعد حضرت قدس سرہٗ تلاوت، تسبیح، دعاء وغیرہ میں مشغول ہوجاتے، اس کے بعد افطار میں ایک فنجان زمزم ایک آدھ کھجور تناول فرماتے، فنجان بھی آدھا خود نوش فرماتے اور آدھا خادم خاص مستغنی عن الالقاب محترم مولانا الحاج محمد ابراہیم صاحب مدظلہ وزادلطفہ افریقی پانڈور کے حوالے فرماتے، چند گھونٹ کوئی شربت نوش فرماتے، اور دوسری چند چیزیں بھی چکھتے گو بظاہر بالکل اخیر تک مشغول رہتے، مگر یہ مشغولی محض خدام کی دلداری کے طور پر ہوتی اس کے بعد نماز مغرب ہوتی، حضرت قدس سرہٗ نماز مغرب کے بعد نوافل میں مشغول رہتے، اور اطمینان کے ساتھ نوافل سے فراغت پر کھانے میں شرکت فرماتے یہ شرکت بھی برائے نام شرکت ہوتی آدھی چپاتی شاید ہی بمشکل تناول فرماتے ہوں، ورنہ تو کوئی ہڈی چوستے رہتے جس سے معلوم ہو کہ کھانے میں مشغول ہیں کئی سال قبل ایک موقعہ پر ماہ مبارک میں شام کے کھانے کے بارے میں فرمایا تھا، مہمانوں کی رعایت میں بیٹھ جاتا ہوں ورنہ خواہش نہیں ہوتی، کھانے کے بعد ۱۵/۲۰ منٹ استراحت فرماتے اور اذان

عشاء پر وضو استنجاء سے فارغ ہو کر قبل عشاء کی سنتوں میں مشغول ہوتے پھر فرض وتر اوتح ادا ہوتی اس کے بعد یٰسین شریف کا ختم پھر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا، جس میں حضرت قدس سرہٗ برابر شریک رہتے، اس کے بعد حضرت قدس سرہٗ کا وعظ ہوتا، آدھ پون گھنٹہ کبھی کم وبیش حسب ذوق جس کی کچھ کیفیت اوپر گزر چکی، اخیر سالوں میں ناسازئ طبع کی وجہ سے کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی، بیان کے بعد نئے آنے والے یا صبح کو جانے والوں کا مصافحہ ہوتا کہ عمومی مصافحہ کا ایک یہی وقت ہوتا تھا، دن میں آئے ہوئے مہمان حضرات اسی وقت مصافحہ کرتے اور جو حضرات کل کسی وقت جانے والے ہیں وہ بھی اسی وقت مصافحہ کر لیتے ،خواص حضرات دن میں بھی کسی وقت موقع پا کر جب حضرت والا استنجاء ووضوء کیلئے تشریف لے جاتے آتے جاتے وقت مصافحہ کر لیتے مصافحہ سے فراغت پر حضرت قدس سرہٗ اپنے معتکف میں تشریف لے جاتے، خدام حضرات کوئی پھل یا کبھی کوئی آئسکریم وغیرہ یا کوئی شربت وغیرہ لاتے جس میں بعض خصوصی مہمان بھی شریک ہوتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض خصوصی حضرات کے لئے ان کے اپنے اپنے معتکف پر پہنچا دیا جاتا جس میں کبھی ۱۲ر کبھی اس سے زائد وقت ہو جاتا اس کے بعد حضرت والا قدس سرہٗ بظاہر استراحت فرماتے کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ سو رہے ہیں ورنہ بعض خدام خواص نے لیٹے ہوئے بھی آہستہ آہستہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ان تمام معمولات ومشاغل کے ساتھ ایک قرآن پاک یومیہ ختم فرماتے کہ نصف صدی سے زائد سے ہر ماہ مبارک میں یومیہ ختم کلام کا معمول تھا۔ (مواعظ فقیہ الامتؒ)

غرض کہ ماہ مبارک میں وہ دینی وروحانی ماحول ہوتا کہ اسی جیسے ماحول کا حال غالبًا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے۔

جو خدا کا بندہ تھوڑی دیر کے لئے بھی اس ماحول میں آجاتا، وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہوجاتا، افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی بلکہ سرگرمی پست ہمتوں میں عالی ہمتی اوراولوالعزمی بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہوجاتی، بجلی کا ایک کرنٹ تھا جو دلوں سے دلوں کی طرف پہونچ جاتا ہے، اورمردہ جسموں میں ایک بجلی سی پیدا کردیتا ہے، جوشخص اس روحانی وملکوتی فضا کو دیکھتا اس کا قلب شہادت دیتا کہ جب تک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے اوردین وروحانیت کی شمع کے پروانوں کا ہجوم اور ہرقسم کے دنیوی اغراض اورنفس پرستی ودنیا طلبی سے بالاتر ہوکر خدا کو راضی کرنے اوراپنی آخرت کو بنانے کے لئے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں، دنیا تباہ نہ ہوگی، اورزندگی کی اس بساط کو تہہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائیگا، اس وقت وہ بے اختیار خواجہ حافظ کے الفاظ میں اس طرح گویا ہوجاتا تھا۔

از صدسخن پیرم یک نکتہ مرایادا ست
عالم نہ شود ویراں تا میکدہ آبادا ست

مجھے اپنے پیر کی سو باتوں میں سے ایک نکتہ یاد ہے:
"جب تک میکدہ آباد ہے دنیا برباد نہیں ہوسکتی"

اعتذار فقیہ الامت قدس سرہٗ

ان تمام تر خدمات معتکفین ومقیمین کی امکانی راحت رسانیوں کے باوجود حضرت فقیہ الامت قدس سرہٗ اخیر دن میں آنے والوں کا شکریہ ادا فرماتے اور معذرت فرماتے کہ میں آپ حضرات کی آپ حضرات کے شایان شان کوئی خدمت نہیں کرسکا، اپنے گھروں میں آپ حضرات آرام سے رہتے یہاں وہ آرام نہیں مل سکا اسلئے معافی چاہتا ہوں، آپ حضرات معاف فرمائیں، ان کلمات کے سنتے ہی حالت بدل جاتی چیخ وپکار اور ہچکیوں کی آواز بلند ہوجاتی اور یہ حال ہوتا کہ گویا ذبح کردیا گیا بہ مشکل حاضرین اپنے آپ کو قابو میں کرپاتے۔

نماز عید اور مہمانوں کی واپسی:۔ ماہ مبارک ختم ہوتا نماز عید کا اعلان کردیا جاتا اول وقت اشراق کے وقت ہی میں نماز ہوتی تاکہ بآسانی دور دراز جانے والے حضرات جاسکیں قریب کے بہت سے حضرات شام ہی میں چاند ہوتے ہی اپنے گھروں کو لوٹ جاتے شب عید میں ذکر صبح صادق سے قبل ہی کرلیا جاتا، اور نماز فجر کے فوراً بعد ہی حدیث مسلسل ''بیوم العید'' اور حدیث مسلسل بضیافت الاسودین پڑھی جاتی اور سب کو زمزم کھجور تقسیم کیا جاتا، نماز فجر کے فوراً بعد دسترخوان لگ جاتا، اور سویاں وغیرہ کھلائی جاتیں اور معتکفین مہمانان کرام حضرت والا قدس سرہٗ سے مصافحہ کرتے حضرت والاؒ مصافحہ کے ساتھ ساتھ ہر ایک کو ایک عطر کی شیشی کوئی رومال یا تولیہ وغیرہ عنایت فرماتے، اور عید کی نماز ہوتے ہی اکثر حضرات اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔

اور ماہ مبارک کی ساری رونق ختم ہوجاتی، خود حضرت والا قدس سرہٗ کے چہرۂ اقدس پر محسوس کرنے والے رنج وغم کے اثرات محسوس کرتے، حضرت شیخ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

اقتباس مکتوب حضرت فقیہ الامت قدس سرہٗ

اللہ جل جلالہ کے فضل اور حضرت والاؒ کی دعاو توجہ کی برکت سے کل بائیس رجب کو بخاری شریف ختم ہوگئی، اور ختم کے وقت مجمع بہت ہوگیا اور اکثریت پر رقت طاری تھی یہ سب حضرت والا ہی کی برکت ہے، مگر ختم کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلب سے رونق رخصت ہوگئی اور دل بالکل مرجھا گیا جیسا کہ رمضان المبارک کے ختم ہونے پر عامۃً یہی کیفیت ہوتی ہے، ماہ مبارک کی آمد پر رونق و بہار کی فضا اور اس کے رخصت ہونے پر احساس غم کی جو کیفیت ہوتی تھی، اس کی منظر کشی شاعر (صاحب دل شاعر حضرت مولانا محمد ثانی ندوی قدس سرہٗ) کی نظم میں محسوس کیجئے۔

وداعِ رمضان

حضرت مولانا محمد ثانی ندوی قدس سرہٗ

رحمت حق آئی قسمت ور چلے......سجدہ ریزی کو خدا کے گھر چلے
نعمتوں سے گود بھرنے خوش نصیب......زاہدان باصفا بڑھ کر چلے
وا ہوئے در بزم رحمت کے تمام......اہل درد و سوز کھنچ کھنچ کر چلے
گلشن رحمت کی ہر دم سیر کی......اپنے دامن کو گلوں سے بھر چلے
رہ گئے محروم ہم ہی کم نصیب......جھاڑ کر دامن کو اپنے گھر چلے
شمع کے مانند اس کی بزم میں......چشم تر آئے تھے دامن تر چلے
قدر نعمت کی نہ کچھ ہم کر سکے......بوجھ عصیان کا لئے سر پر چلے
ہائے رے حسرت نصیبی وائے غم......کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے
نور سمٹا چاندنی پھیکی پڑی......سر چھپانے کو مہ و اختر چلے
ماہ رحمت کے شب و روز و سحر......ہر طرف تم نور برسا کر چلے
تم سے ملتی تھی دلوں کو تازگی......تم چلے ارماں سارے مر چلے
الفراق اے ماہ رمضان الفراق......زخم دل پر کیا لگے نشتر چلے
آئے رحمت کو لئے ہر سال تو......تیری رحمت کی ہوا گھر گھر چلے
ایک جھونکا تیری رحمت کا ادھر......بہر الطاف، اے کرم گستر چلے
ہو نہ ہوں لطف کے دن پھر نصیب......اور دور بادۂ کوثر چلے
اور بھی کچھ اور بھی کچھ اور بھی......جانے کب دربند ساقی کر چلے

ساقیا اب لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

تأثرات

حضرت والاقدس سرہٗ کی وجہ سے علماء ومشائخ ملک وبیرون ملک سے آنے والے اتنی کثیر تعداد میں جمع ہوجاتے کہ اہل اللہ اور علماء ومشائخ کا اتنا بڑا مجمع بمشکل کہیں دوسری جگہ نظر آئے گا اوران کے جمع کرنے کا بڑا اہتمام کیا جائے تب بھی اتنی کثیر تعداد میں جمع ہونا مشکل ہے چنانچہ ۱۴۱۱ھ میں محترم حافظ محمد ایوب صاحب زیدمجدہم افریقی کے ختم قرآن کے روز علماء ومشائخ کی اتنی بڑی تعداد اور عجیب روحانی منظر دیکھ کر بعض افریقی مہمانوں کا تأثر یہ تھا جن میں علماء ومفتیان کرام بھی تھے کہ اگر اتنا بڑا سفر اور اتنا خرچ کر کے صرف اس مجلس میں شرکت کی جاتی تو بھی سستا سودا تھا حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کی زیارت وملاقات اور اکتسابات فیوض وبرکات الگ رہے کہ ان کی تو کوئی قیمت یا ان کا تو کوئی موازنہ ہی نہیں۔

جمادے چند دادم جاں خریدم..................بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

نہ غرض کسی سے، نہ واسطہ، مجھے کام اپنے ہی کام سے

ترے ذکر سے، تری فکر سے، تری یاد سے، ترے نام سے

(جگر مرادآبادی)

محترم مولانا مفتی محمد یوسف صاحب زید مجدہم مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنے اشعار میں بہترین منظر کشی کی ہے جس کا نام انہوں نے ''خانقاہِ محمودیہ مسجد چھتہ کے شب وروز معروف بہ نورنامہ رکھا ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:۔

یہاں پر مسجد چھتہ میں ایک شیخ طریقت ہے
امام معرفت غواصِ دریائے شریعت ہے

سلف کے کارناموں کی وہ ایک زندہ کہانی ہے
ادائیں اسوۂ محمود ہی کی ترجمانی ہے

یہاں ہیں جلوہ فرما سید محمود گنگوہی
فقیہ عصر حاضر حبر امت مرشد و ہادی

شعائیں روضۂ اطہر کی روشن جام بنتی ہیں
نکل کر چھتہ مسجد سے سرور عام بنتی ہیں

وہ ساقی مسجد چھتہ کا سچا جانشیں ہے وہ
اکابر کی امامت کا انوکھا ایک امیں ہے وہ

جہاں پر تشنگان معرفت کی بھیڑ ہوتی ہے
یہ ساقی کی نہیں خود تشنہ لب کی پیڑ ہوتی ہے

ہجوم عام پروانوں کا گردِ شمع روشن ہے
نرالی شوکتوں والا مرے ساقی کا دامن ہے

رواں ہے فیض کا دریا یہاں چھتہ کی مسجد سے
رشیدی قاسمی انداز سے گاہ طرز عابد سے

یہ خلوت گاہِ قاسم ہے سراپا دار رحمت ہے
ہدایت گاہِ اعظم منظر درس اخوت ہے

اخوت نام ہے دنیا کی ظلمت سے بچانے کا
جفائیں جھیل کر اک نور کی مشعل جلانے کا

یہاں جام وسبو ساقی کے سب پر عام ہوتے ہیں
بحسب قابلیت تشنہ لب با کام ہوتے ہیں

یہاں انسان کو انسان کا کردار ملتا ہے
نظام خانقاہی پر تو سرکار ملتا ہے

ہے یہ وہ میکدہ محمود سے جس کی ہدایت ہے
بدست حضرت محمود محمودی عنایت ہے

وہ محمود حسن دیں کی نگہبان جن کی پیشانی
رموز رشد کا منبع فقاہت جن کی لاثانی

اگر دل مثل بیت اللہ ہے سینہ طور سینا ہے
تجلیات ربانی کا وہ دل ایک خزینہ ہے

ادائے حیثیت کا جب نظارہ وہ دکھاتے ہیں
تو ہندوستان کیا اطراف عالم جگمگاتے ہیں

جھلکتا ہے یہاں پر اسوۂ اسلاف کا منظر
کہ جاتا ہے کوئی انجم کوئی خورشید بن بن کر

یہاں قلعی کئے جاتے ہیں زنگ آلود دل سارے
کہ بہنے لگتے ہیں پھر ان دلوں سے نور کے دھارے

یہاں اللہ کا بندہ جو آجاتا ہے دیوانہ
خدا شاہد ہے رہتا ہے تو بن جاتا ہے فرزانہ

دیئے عشق الٰہی کے جلانے والے آتے ہیں
اندھیرے قلب وباطن کے مٹانیوالے آتے ہیں

یہاں مایوس اور مجبور اور غمگین آتے ہیں
دلوں کی الجھنیں مٹتی ہیں سب تسکین پاتے ہیں

فریب نفس امارہ کا پردہ چاک کرنے کو
یہاں آتے ہیں توبہ کر کے خود بننے سنورنے کو

دل زخمی پہ یاں مرہم نہی کا کام ہوتا ہے
یہاں منھ زور سرکش نفس از خود رام ہوتا ہے

عجب پر کیف منظر ہے صدا اللہ اللہ سے
فضائیں گونج اٹھتی ہیں ندا اللہ اللہ سے

یہاں کی شام گویا مجلس فخر رسولاں ہے
یہاں کی صبح روشن پرتو خورشید ایماں ہے

مرا ساقی بلاشک ہے عجوبہ دست قدرت کا
زباں حجت نظر برہان دل آئینہ فطرت کا

بھلا پھر کیوں نہ ہوں گے معتقد اہل زمن انکے
جہاں میں ہر طرف موجود ہیں آثار فن ان کے

نظر ڈالی نہیں اس نے کبھی اسباب زینت پر
فرشتے رشک کرتے ہیں بلاشک ایسی طینت پر

تخیل کی چھلانگوں سے بلند فکر شریف ان کا
ہے موقوف ریاضت اب تلک جسم نحیف ان کا

وہ جس کی روح میں ایک شور محشر خیز رہتا ہے
سدا آئینہ دل درد سے لبریز رہتا ہے

نظر جب ان پہ پڑتی ہے خدا کی یاد آتی ہے
جماعت جو بھی آتی ہے وہ ہو کر شاد جاتی ہے

وہ جس کا خندہ زن چہرہ دلوں کو موہ لیتا ہے
جو اسکے پاس جاتا ہے اسی کا ہو کے رہتا ہے

یہاں اصلاح کا جو طرز ہے ڈھونڈا نہیں ملتا
اگر اشتات مل جاتے ہیں مجموعہ نہیں ملتا

اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں اختلاف ہوا جس کی وجہ سے حضرت شیخ قدس سرہٗ کے حکم سے مظاہر علوم میں قیام ہوا، اور پھر مظاہر علوم میں اختلاف کے بعد دارالعلوم دیوبند اکابر دارالعلوم کے اصرار پر مراجعت فرمائی۔

دارالعلوم کے قیام کے زمانہ میں مظاہر علوم کی اور مظاہر علوم قیام کے زمانہ میں دارالعلوم کی برابر سرپرستی فرماتے، ہر ہفتہ تشریف آوری ہوتی، اور اساتذہ وطلبہ برابر مستفیض ہوتے، جس کی تفصیل ''حیات محمود'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ کے دارالعلوم کے زمانہ کے معمولات کو ''حیات محمود'' میں تحریر کیا گیا ہے، یہاں بھی ان کو نقل کیا جاتا ہے:۔

زمانہ قیام دارالعلوم کے لیل ونہار

بعدنماز فجر :۔نماز فجر کے بعد آپ کے یہاں حجرہ مبارکہ میں ذکر کی مجلس ہوتی تھی ذاکرین حضرات (جو عموماً طلبہ ہوتے یا بعض اساتذہ یا مہمان کرام) حجرہ میں جمع ہوجاتے اور پورا حجرۂ مبارکہ کھچا کھچ بھر جاتا، اور ذکر شروع ہوجاتا، حضرت والا ابتدا میں تو خود بھی ذکر میں شرکت فرمایا کرتے تھے، مگر بعد میں آپ چارپائی پر چادر اوڑھ کر لیٹ جاتے اور ذاکرین کی طرف متوجہ رہتے، اور فرمایا کرتے تھے کہ ذکر سے میرے آرام میں خلل نہیں پڑتا، ایک پون گھنٹہ ذکر کی مجلس رہتی، اپنے اپنے ذکر سے فارغ ہوکر ذاکرین جاتے رہتے، ذکر ختم ہونے پر حضرت والاؒ ازخود اٹھ کھڑے ہوتے استنجاء وضو فرماتے، نماز اشراق چار رکعات ادا فرماتے، یہ نماز عموماً پردہ کے پیچھے ادا فرمانے کا معمول تھا، اس کے بعد اپنے مسند پر تشریف رکھتے، ڈاک کا تھیلا لے کر اس میں سے ڈاک نکالتے، اور ان ڈاک کے جوابات لکھنا شروع فرماتے، بعض خدام اور مہمان سامنے آکر بیٹھ جاتے، اور کسی کو کچھ پوچھنا ہوتا پوچھتا، حضرت اس کا جواب دیتے رہتے، اور ڈاک بھی لکھتے رہتے کوئی طالب علم کتاب لے کر آگیا، اس کو سبق بھی پڑھا دیتے۔

ناشتہ :۔اتنے میں دسترخوان ناشتہ کے لئے بچھا دیا جاتا، حضرت دسترخوان پر جو حضرت کی نشست گاہ کے قریب ہی ہوتا تشریف لاتے اور حاضرین کو بھی دسترخوان پر آنے کو

فرماتے، عموماً یہ جملہ ارشاد فرماتے بھئی قبلہ بدل گیا (کہ اب سب دسترخوان کی طرف رخ کریں) اس جملہ سے سب کو ہنسی آجاتی۔

دسترخوان پر شریک تمام مہمانوں کی طرف پوری توجہ رکھتے، کسی مہمان کو غیر حاضر پاتے فوراً دریافت فرماتے فلاں صاحب کہاں ہیں۔

دار الافتاء میں:۔ ناشتہ کے بعد مدرسہ کے وقت میں اگر کچھ دیر ہوتی تو پھر ڈاک شروع ہوجاتی اور وقت ہونے پر دارالافتاء کے لئے روانہ ہوجاتے، ڈاک کا تھیلا ساتھ ہوتا جس کو اپنے ہاتھ میں رکھتے، کسی خادم کا لینا پسند نہیں تھا، کوئی زیادہ اصرار کرتا تو پھر انکار بھی نہ فرماتے، اپنے جوتے خود اٹھا کر باہر رکھ کر پہنتے کسی خادم کا اٹھا کر رکھنا پسند نہ فرماتے، اور کوشش فرماتے کہ کوئی اٹھانے نہ پاوے کوئی خادم پیش قدمی کرتا اور تیزی سے اٹھا کر باہر لاکر رکھ دیتا تو انکار بھی نہ فرماتے، دارالافتاء عموماً اول وقت پہنچ جاتے، اور فتاویٰ کے جوابات تحریر فرماتے، کچھ دیر کے لئے حضرت مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم کے پاس انکے مسند پر تشریف لے جاتے اور کسی فتویٰ سے متعلق گفتگو فرماتے، حضرت مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہٗ بھی اپنا تحریر فرمودہ کوئی فتویٰ پیش فرماتے، اور حضرت کچھ دیر گفتگو فرما کر اپنے مسند پر تشریف لے آتے، اور کام میں مشغول ہوجاتے، جن طلبہ کی تمرین حضرت سے متعلق ہوتی وہ اپنی اپنی کاپیاں لے کر اپنے لکھے ہوئے فتاویٰ دکھانے کے لئے جمع ہوجاتے، سب کو بغور ملاحظہ فرماتے، اور مناسب اصلاح فرماتے، اور کسی کو کسی کتاب کی رہنمائی فرماتے کہ اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، کبھی خود کتاب کھول کر بتاتے، دیکھو یہ مسئلہ یہاں ہے، اس پر بحث کی گئی ہے، درمیان درمیان کوئی

تفریحی جملہ بھی ارشاد فرما دیتے، کبھی کوئی شعر سنا دیتے، جس سے سب طلبہ کھل پڑتے بعض دفعہ ہنسی کو قابو میں نہ رکھ پاتے، کوئی طالب علم سخت غلطی کرتا، اس پر تنبیہ بھی فرماتے، غصہ کا اظہار بھی فرماتے، گو اس کی نوبت بہت کم آتی ورنہ عموماً اصلاح بھی تفریحی جملوں کے ذریعہ ہی ہوتی۔

ایک طالب علم کو تنبیہ:۔ایک طالب علم کسی استفتاء کا جواب لکھ کر لائے، اور استدلال میں کسی کتاب کی عبارت نقل کرنے کے بجائے خود سے ایک عربی عبارت بنا کر لکھ دی اور شامی کا بقید جلد وصفحات حوالہ دے دیا، ان کی یہ ہوشیاری ممکن ہے کسی دوسری جگہ کام دے دیتی، حضرت کے سامنے کیا کام دے سکتی تھی، جن کے حافظہ میں گویا کتنی کتب کھلی رکھی ہوتی تھیں، فوراً جواب طلب ہو گیا۔

آپ نے یہ عبارت کہاں سے لکھی ہے؟

شامی کی فلاں جلد سے نقل کی ہے!

کتاب لے کر آؤ؟ عبارت نکالو کہاں ہے؟

کتاب اس کے سامنے پیش کی گئی، کتاب کو ادھر ادھر الٹ پلٹ کر کے کہا دوسری مطبع کی شامی ہے اس سے نقل کیا ہے۔

اس دوسرے مطبع کی شامی لا کر رکھی گئی، اس کو بھی ادھر اُدھر سے کھولا دیکھا، اس میں وہ عبارت ہوتی تو ملتی۔

کہنے لگے فتاویٰ دارالعلوم سے میں نے یہ مسئلہ نقل کیا ہے، اس میں یہ عبارت ہے فتاویٰ دارالعلوم پیش کیا گیا، کھول کر سامنے رکھا، نکالو کہاں ہے آخر مجبوری اقرار کیا۔

حضرت! غلطی ہوگئی، میں نے ازخود یہ عبارت بنا کر لکھ دی اور شامی کا حوالہ دیدیا۔
اس وقت حضرت کا غصہ دیکھنے کے قابل تھا بہت کم آپ کو اتنا غصہ کبھی آیا ہوگا۔
الفاظ یہ تھے:۔
یہاں تمہارا یہ حال ہے، قوم کے ساتھ کیا کروگے؟ انا للّٰه و انا الیه راجعون۔
اس نے معافی طلب کی آئندہ ایسی حرکت نہیں کرونگا۔
خیر معافی ہوگئی۔
گزشتہ سوالات کے جوابات دیکھنے کے بعد آئندہ کے لئے سوالات دئے جاتے، بعض دفعہ پیش آمدہ استفتاء ہی دے دیئے جاتے اور ہدایات کی جاتی کہ سوالات اپنی کاپی پر نقل کر کے ان کے جوابات لکھ کر لائیں۔
طلبہ سوالات نقل کر کے خطوط واپس کر دیتے اور اپنی اپنی کاپیوں پر جوابات لکھ کر لاتے کبھی ازخود سوالات لکھوائے جاتے۔

مجلس چائے :۔ کچھ وقت گزرنے پر چائے منگائی جاتی (چائے ایک مرتبہ کبھی دو مرتبہ ہر روز پورے عملہ کیلئے منگائی جاتی تھی، جو ہمیشہ حضرت والا قدس سرہٗ کی طرف سے ہی ہوا کرتی تھی، عموماً دوکاندار کے پاس پرچی لکھ کر بھیج دیا کرتے اور مہینہ کے ختم پر اس کا حساب کیا جاتا تھا) تمام مفتیان کرام اور محررین جمع ہوجاتے، سب کو چائے پیش کی جاتی، مہمان ہوتے تو وہ بھی چائے میں شریک ہوتے، کبھی تمام طلبہ کو بھی شریک کیا جاتا، چائے کے دوران، خوب لطائف وظرائف ہوتے، حافظ اخلاق صاحب (محرر فتاویٰ) مولانا صدیق صاحبؒ (محرر فتاویٰ) سے چھیڑ چھاڑ کرتے۔

کبھی مفتی سید احمد علی سعید صاحبؒ حضرت پر کوئی فقرہ کستے، حضرت تو جوابات کے بادشاہ تھے، ایسا جواب دیتے کہ دم بخود ہو جاتے، باقی برا کبھی نہ مانتے نہ دل میں رکھتے حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے۔

مفتی سید احمد علی سعید صاحب میں یہ بڑی خوبی ہے کہ وہ دل میں کوئی بات نہیں رکھتے کیسی ہی بات ہو جائے، اس کا اثر نہیں لیتے۔

مفتی سید احمد علی سعید صاحبؒ حضرت والا کو بھائی جی کہہ کر خطاب کرتے۔

مفتی سید احمد علی سعید صاحبؒ نے ایک دفعہ کہا:۔

بھائی جی آپ شادی کر لیجئے؟

حضرت نے بیساختہ ذو معنیین جملہ فرمایا:۔

مفتی کی مل جائے گی تو کرلونگا!

حضرت والا لطائف وظرائف سے متعلق بعض عجیب وغریب عبرت آموز واقعات سناتے، اس پر حضرت مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہٗ نے ایک دفعہ مزاحاً فرمایا:۔

آپ خود قصے گھڑ کر بیان کرتے ہیں۔

اس کے بعد سے حضرت اس کا التزام فرماتے کہ جو واقعہ بیان فرماتے اس کی سند بھی بیان فرماتے۔

مجھ سے فلاں نے بیان کیا، یا مجھ سے فلاں نے فلاں کے حوالے سے بیان کیا، یا فلاں کتاب میں لکھا ہے۔

حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:۔

مفتی محمود صاحب قدس سرہٗ کی بزرگی پر ان کی بے تکلفی نے پردہ ڈال رکھا ہے۔

چائے کی اس پرلطف مجلس سے تازہ دم ہوکر سب اپنے کام میں لگ جاتے۔

طرز درس اور طلبہ سے بے تکلفی:۔تمرین افتاء کے طلبہ کی عموماً دو کتابیں ''رسم المفتی ''الاشباہ والنظائر'' حضرت کے یہاں ہوتیں، ابتداء تو ان کتابوں کا درس دارالافتاء ہی میں ہوتا تھا، بعد میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے حضرت کے کمرہ میں ہوتا تھا۔

حضرت والا قدس سرہٗ مدرسہ کے اخیر وقت تک بلکہ بعد تک دارالافتاء میں رہتے مگر جب کمرہ میں درس تجویز ہوگیا، درس کے لئے کمرہ میں تشریف لے آتے۔

حضرت والاؒ کے یہاں تقریر بہت مختصر ہوتی کتاب کو اصل عبارت سے حل کرنیکا ہی معمول تھا، اس میں کبھی کچھ کمی نہ کی جاتی، کتاب کی مناسبت سے واقعات ولطائف بھی سنائے جاتے، اور حسب موقع کبھی اشعار بھی سنائے جاتے جس سے سب طلبہ باغ وبہار ہوجاتے، اور سبق کے بعد طلبہ پر بزبان حال یہ کہتے ہوئے واپس ہوتے:۔

بہت لگتا ہے جی صحبت میں ان کی
وہ اپنی ذات میں خود ایک انجمن ہیں

دوران درس سب طلبہ پر یکساں نظر رکھی جاتی، اور ہر طالب علم کو حسب لیاقت وصلاحیت آگے بڑھانے پروان چڑھانے کی فکر اور کوشش ہوتی۔

جو طالب علم جتنا ہونہار اور پڑھنے میں ہوشیار ہوتا، حضرت والا قدس سرہٗ کا اتنا ہی منظور نظر ہوتا۔

حضرت والا کی بے تکلفی اور خوش طبعی وخوش اخلاقی سے سب طلبہ بھی بے انتہا مانوس

F.M.Fainal\Jild-1\03-Muqaddama

ہوجاتے، کہ جس کو جو پوچھنا ہوتا پوچھتا اور اپنی ذاتی ضرورت بے تکلف بیان کرتا، گویا اپنے والد سے بیان کررہے ہیں، حضرت والا انتہائی بشاشت سے پورا فرماتے۔

بعض طالب علم مٹھائی کا مطالبہ کرتے، حضرت والا مٹھائی منگاتے اور سب کو بڑی فراخدلی سے کھلاتے اور خوش ہوتے البتہ مٹھائی کا مطالبہ کرنے پر بعض دفعہ ایسا کوئی جملہ بھی ارشاد فرمادیتے جس سے لطف اور دوبالا ہوجاتا۔

مثلاً ایک دفعہ ایک طالب علم نے سبق کے دوران مٹھائی کا مطالبہ کیا حضرت مٹھائی کھلایئے، حضرت نے ایک خاص انداز سے فرمایا۔

''حلوہ خوردن روئے باید''

اور سبق آگے شروع فرمادیا۔

اس نے پھر مطالبہ کیا؟

حضرت والا نے فرمایا:

مٹھائی کھانے کی عادت ابھی گئی نہیں۔

بمشکل ہنسی کو قابو میں کرسکے۔

اور حضرت نے مٹھائی منگاکر سب طلبہ کو کھلائی۔

آم کا موسم ہوتا تو آم منگا کر طلبہ کو کھلائے جاتے، اور اس میں ایسی بے تکلفی ہوتی کہ کوئی گٹھلی کسی پر ڈال رہا ہے کوئی کسی پر، اور حضرت بھی ان کی خوشی میں برابر شریک رہتے طلبہ ایسی حالت میں استاذ شاگرد کا حجاب بھی ختم کردیتے، اور سمجھتے کہ ساتھیوں اور بے تکلف دوستوں کی مجلس ہے، انتہا یہ ہے کہ ایک طالب علم نے چپکے سے گٹھلی لے کر حضرت کی گردن کے پیچھے کرتہ کے اندر ڈال دی اور ادنیٰ درجہ بھی حضرت کو ناگواری نہیں ہوئی۔

دوپہر کا کھانا:۔ بارہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب سبق ختم ہوتا، دوپہر کے کھانے کے لئے دسترخوان بچھتا، حضرت حاضرین سے فرماتے قبلہ تبدیل ہوگیا، اور دسترخوان پر تشریف لاتے، مہمان حضرات بھی دسترخوان پر شریک ہوجاتے۔

حضرت والا برابر سب پر نظر رکھتے، کہاں روٹی کی ضرورت ہے، کہاں سالن ختم ہوگیا، حضرت خادم سے فرماتے، وہاں روٹی رکھو، وہاں سالن لاؤ، فلاں کا ہاتھ نہیں آرہا ہے رکابی ادھر کو سرکادو، یا خود ان صاحب کو فرماتے کہ بھئی دست درازی سے کام چلتا ہے، دست درازی کرنی پڑتی ہے۔

کبھی کوئی لطیفہ سناتے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا:۔

میں ایک دفعہ ایک جگہ پہنچا وہاں میزبان صاحب کھانے میں مہانوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتے تھے، میں نے ان سے کہا آپ کیوں شریک نہیں ہوئے۔

میزبان نے جواب دیا۔

حضرت جب تک چھناچھن کی آواز کانوں میں نہیں آتی، کھانا حلق سے اندر نہیں اترتا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اہلیہ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے چوڑیوں کی آواز کانوں میں آتی رہتی تھی۔

اس نوع کے لطائف کھانے کے دوران ہوتے رہتے جس سے مہمان حضرات خوب شکم شیر ہوکر کھاتے۔

دسترخوان پر ریزے گر جاتے حضرت ان کو اٹھا کر کھالیتے، کوئی رکابی بلا صاف کئے چھوڑ دیتا، حضرت خود اس کو اٹھا کر صاف فرمالیتے۔

کھانے سے فراغت پر شوربا بچ جاتا پلیٹ اٹھا کر ایک دوگھونٹ نوش فرماتے، پھر خدام حضرات ایک ایک دوگھونٹ کر کے ختم کر دیتے، جب کوئی خادم شوربے کی رکابی منہ سے لگاتا، حضرت خاص انداز سے مٹھارتے، جس سے اس کو ہنسی آجاتی اور بمشکل اپنے آپ کو قابو میں کر کے اس کو پیتا۔

کھانے سے فراغت پر ہاتھ صابن سے دھوتے اور ہاتھوں کو تولئے سے صاف فرماتے، کھانے سے قبل ہاتھ دھوتے وقت صابن کبھی استعمال نہ فرماتے، نہ تولئے سے ہاتھ صاف کرتے۔

کھانے سے فراغت پر مہمان حضرات آرام فرماتے اور حضرت والا اگر کوئی طالبعلم کتاب لئے موجود ہوتا اس کو سبق پڑھاتے اس کے بعد قیلولہ فرماتے۔

وضـــو :۔اور اذان ظہر سے کچھ منٹ قبل اٹھ کھڑے ہوتے، اگر ضرورت ہوتی استنجاء فرماتے وضو فرماتے، حضرت کے اپنے ذاتی بڑے بڑے دو لوٹے تھے، ایک تانبہ کا قلعی کیا ہوا، ایک سلور کا اپنے لوٹے ہی میں پانی لے کر وضو فرماتے، وضو میں کسی سے مدد لینا پسند نہیں تھا، کوئی خادم ازخود لوٹا بھر کر رکھ دیتا تو انکار بھی نہ فرماتے، مسواک دھو کر لوٹے کے اوپر رکھ دینا یا حضرت کے ہاتھ میں دینا پسند تھا، ایک دفعہ ایک خادم نے مسواک لے کر لوٹے کے اندر ڈال دی اس کو ناپسند فرمایا اور فرمایا نہ ہوئے ناظم صاحب (یعنی حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب زید مجدہم ناظم دعوۃ الحق ہردوئی)

وضو کے بعد تولیے سے چہرہ اور ہاتھ صاف فرماتے، اس طرح کہ اول چہرہ صاف فرماتے، پھر دایاں ہاتھ پھر بایاں۔

وضو کے درمیان بھی بعض اوقات کوئی طالب علم یا کوئی مہمان آکر پاس بیٹھ جاتا اور جوسوال کرنا ہوتا کرتا حضرت وضو کے ساتھ ساتھ اس کو جواب بھی دیتے اور ادعیۂ وضو بھی پڑھتے رہتے، خاص طور پر وہ صاحب جو خلوت میں بات کرنے کے خواہشمند ہوتے وہ اس وقت کو غنیمت جانتے حضرت کو ان کے اس وقت سوال کرنے سے کبھی کوئی ناگواری نہ ہوتی بلکہ بشاشت سے جواب عنایت فرماتے۔

نماز ظہر وعصر اور درمیانی وقت :۔اذان سے قبل ہی یا اذان کے فوراً بعد آپ مسجد پہنچ جاتے اور دو رکعت تحیۃ الوضو دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار رکعت سنت ظہر ادا فرماتے، کبھی حضرت صرف تحیۃ الوضو اور سنت اور کبھی صرف سنت ظہر پر حسب موقع اکتفاء فرماتے، سنتیں طویل ہوتیں، اور قرآن پاک کا کبھی ایک پارہ کبھی دو پارے ان میں تلاوت فرماتے سنتیں قبیل جماعت ختم ہوتیں، نماز فرض با جماعت ادا فرماتے اور سنت ونوافل سے فارغ ہو کر حجرہ میں تشریف لاتے، اور ڈاک کا تھیلا لے کر ڈاک شروع فرمادیتے، کبھی طلبا اور مہمانان کرام بھی حاضر ہو جاتے، سوالات کرتے بعض اپنی تسبیحات میں مشغول رہتے دارالعلوم کی گھنٹی بجتی اور حضرت تھیلا لے کر دارالافتاء کے لئے چل دیتے بعض دفعہ گھنٹی سے قبل ہی دارالافتاء پہنچ جاتے۔

عموماً اذان عصر پر دارالافتاء سے کمرہ پر تشریف لاتے اگر وضو نہ ہوتا وضو فرماتے، اور مسجد تشریف لے جاتے، چار رکعت سنت العصر ادا فرماتے اگر وقت میں گنجائش ہوتی تو تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی دو دو رکعات بھی ادا فرماتے، بعض مرتبہ عصر کی سنتوں پر ہی اکتفا فرماتے، کبھی سنتیں بھی پڑھنے کا موقع نہ ملتا کہ نماز شروع ہو جاتی۔

نماز کے بعد کتب فضائل میں سے کسی کتاب کی تعلیم ہوتی حضرت اس میں اہتمام سے شرکت فرماتے۔

مجلس بعد عصر:۔ کتاب سے فراغت پر آنے والے مہمان حضرات سے ملاقات ومصافحہ فرماتے۔

اس کے بعد کمرہ میں تشریف لاتے کہ حضرت کے پہنچنے سے قبل ہی پورا کمرہ کھچا کھچ بھر جاتا چوں کہ اصل مجلس کا وقت یہی ہوتا تھا اور طلباء کے لئے بھی یہ وقت فراغت کا ہوتا ہے، اس لئے طلبہ بھی ذوق وشوق سے مجلس میں شرکت کرتے تھے، باذوق طلبا حضرت کے قریب بیٹھنے کی کوشش کرتے اس لئے بہت پہلے سے اپنی جگہ لے لیتے۔

حضرت والا جب مسجد سے اندر کمرہ میں تشریف لاتے بہت سے طلبہ فرط عقیدت میں کھڑے ہوجاتے، مگر حضرت کو ان کا کھڑا ہونا ناگوار گزرتا۔

حافظ محمد طیب صاحب قدس سرہٗ بطور خاص بہت اہتمام سے مجلس میں شرکت کرتے، حضرت والا کے بالکل سامنے ان کیلئے جگہ چھوڑی جاتی اگر کبھی دیر میں آنے کی وجہ سے پیچھے بیٹھ جاتے تو انکو آگے بلایا جاتا بہت سے طلبہ سوالات کرنے کیلئے حافظ صاحب کو ہی ذریعہ بناتے۔

درسی غیر درسی مختلف فنون (تفسیر حدیث، فقہ، اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ تاریخ، سیرت، نحو، صرف وغیرہ) اور مختلف کتابوں سے متعلق طلبہ سوالات کرتے، حضرت والا سب کے تسلی بخش جوابات عنایت فرماتے، اور بعض کتابوں کی طویل عبارتیں حفظ پڑھ کر سناتے، طلباء انتہائی محظوظ ہوتے اور اپنی علمی تشنگی سے سیرابی پر بے حد خوش ہوتے، دور دراز سے آنے والے مہمانان کرام بھی اپنی ضرورتیں بیان کرتے کوئی دعا کے

لئے کہتا کوئی دم کراتا کوئی تعویذ کی درخواست کرتا، حضرت مولانا ابراہیم صاحب زید مجدہم سے فرماتے، ان کو فلاں تعویذ دے دو کوئی راہ سلوک میں پیش آمدہ کسی الجھن کا ذکر کرتا حضرت اس کا حل تجویز فرماتے۔

غرض کہ مجلس کیا ہوتی ایک تجربہ کار ماہر نفسیات وامراض کا روحانی مطب ہوتا، جس میں مختلف امراض میں مبتلا مریض اپنے حالات بیان کرتے، حضرت والا ان کے امراض کی تشخیص کرتے اور علاج تجویز فرماتے اور مہلک امراض میں مبتلا اور علاج سے مایوس مریضوں کو تسلی وتشفی دیتے، امید بندھاتے اور وہ نسخہ استعمال کر کے شفایاب وکامیاب ہوتے۔

حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب قدس سرہٗ مبلغ دارالعلوم دیوبند، دیوبند قیام کے دوران پابندی سے اس مجلس میں شرکت فرماتے ان کی نشست حضرت قدس سرہٗ کے برابر ہی ہوتی اور مرحوم کی موجودگی میں گویا انہیں کی مجلس ہوتی، اپنے ارشادات سناتے سفر کے حالات اور کسی مناظرہ کی دل چسپ روئیداد بیان فرماتے، ان کے ارشادات میں میخ ٹھوکنے کا ذکر کثرت سے آتا تھا، بالخصوص رضاخانیوں کے ذکر پر۔

حضرت والا خاموش سنتے رہتے اور بضرورت کہیں کوئی جملہ ارشاد فرمادیتے، حاضرین میں وہ حضرات جو حضرت والا سے دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے اور ان کو موقع نہ مل پاتا ان کو ناگوار بھی گزرتا، بعض اس کا اظہار بھی کردیتے، مگر حضرت والا مکمل طور پر متوجہ ہوکر مرحوم کے ارشادات کو سنتے رہتے۔

حضرت والا کے ہاتھ میں تسبیح ہوتی حسب موقع اس کو بھی پڑھتے رہتے بہت سے مشتاق حضرات صرف شوقِ زیارت ہی میں حاضر ہوتے مہمانوں اور طلبہ دارالعلوم دیوبند کے علاوہ بعض شہری حضرات بھی پابندی سے مجلس میں حاضری دیتے، دارالعلوم کے بعض

اساتذہ بھی کبھی کبھی شرکت فرماتے، دارالعلوم کے اساتذہ کو حضرت والا اپنے قریب مسند پر ہی بٹھانے کی کوشش فرماتے۔

حضرت والا مجلس میں ازخود گفتگو بہت کم فرماتے، کوئی سوال کرتا اس کا جواب دے کر سکوت فرماتے اور تسبیح میں مشغول ہوجاتے، پھر کسی نے سوال کیا اس کو جواب دے کر تسبیح میں مشغول ہوگئے۔

اگر کوئی سوال کرنے والا نہ ہوا تو حضرت سکوت ہی فرماتے اور تسبیح میں مشغول رہتے، بعض دفعہ سکوت طویل ہوجاتا، اور بعض دفعہ سکوت پر ہی مجلس ختم ہوجاتی۔

کبھی ازخود بھی فرمادیا کرتے، کسی کو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں۔

کبھی فرماتے:۔

''قبرستان میں تو نہیں بیٹھے ہیں جس کو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لے''

کبھی اس وقت ڈاک بھی لکھی جاتی، کبھی حضرت کے فتاویٰ جو ترتیب دئے جارہے تھے، سنائے جاتے، نقل در نقل کی وجہ سے جو کوئی غلطی ہوجاتی حضرت اسکی اصلاح فرماتے، کبھی کسی بچہ کی بسم اللہ یا ختم بھی اس مجلس میں ہوتا۔

اہل علم حضرات کے علاوہ حضرت کی مجلس میں سب شرکاء برابر ہوتے خواہ امراء ورؤسا ہوں، یا غرباء فقراء جس کو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتا نہ کسی کو کسی کی وجہ سے اس کی جگہ سے ہٹایا جاتا، سب کی طرف توجہ برابر ہوتی بلکہ طلباء ہی زیادہ مرکز توجہ ہوتے۔

بڑے سے بڑا رئیس آتا اور کوئی غریب طالب علم حضرت سے سوال کرتا ہوتا حضرت برابر اس کو جواب دینے میں مشغول رہتے، اس کی طرف ادنیٰ درجہ بھی بے توجہی نہ فرماتے خواہ کتنی ہی دیر کیوں نہ ہوجاتی جب تک وہ خود نہ ہٹتا حضرت برابر اس کی طرف متوجہ رہتے۔

کوئی دیہاتی اپنی زبان میں سوال کرتا حضرت کبھی بھی ناگواری کا اظہار نہ فرماتے بلکہ اس کی دیہاتی زبان سے ہی خوش ہوتے۔

حضرت والا کی مجلس کا انداز کچھ اس طرح کا تھا۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو

حاجب ودرباں دریں درگاہ نیست

شرکاءِ مجلس کی سادہ چائے سے ضیافت بھی کی جاتی۔

نماز مغرب وعشاء اور درمیانی وقت :۔اذان شروع ہوتی مجلس برخاست ہوجاتی اور سب مسجد پہنچ جاتے حضرت والا عموماً صف اول میں جا کر بیٹھ جاتے، نماز جماعت کے بعد عموماً چھ رکعات اوابین کی ادا فرماتے، جن میں کم از کم ایک پارہ تلاوت فرماتے۔

نماز سے فارغ ہوکر کمرہ میں تشریف لاتے اور خطوط کے جوابات تحریر فرماتے، اور حسب ضرورت مطالعۂ کتب بھی جاری رہتا، الماری میں سے کتاب کے لانے کی ضرورت ہوتی، حضرت خود اٹھ کر کتاب نکال کر لاتے، اور جو مضمون دیکھنا ہوتا دیکھتے پھر کتاب وہیں جا کر رکھتے، کبھی کسی خادم سے کتاب لانے لے جانے کے لئے نہ فرماتے، بعض دفعہ کئی کئی مرتبہ کتاب کو دیکھنے کی ضرورت ہوتی، حضرت خود اٹھتے اور کتاب نکال کر دیکھتے پھر خود جا کر رکھتے، سستی یا آرام طلبی کا حضرت کے اندر نام بھی نہ تھا، بعض طالب علم یا مہمان اس وقت بھی حضرت کے قریب سامنے بیٹھ جاتے، حضرت برابر کام میں مشغول رہتے، خطوط کے جوابات لکھ کر حاضرین اہل علم حضرات کو دکھاتے اور فرماتے۔

’’کوئی غلطی رہ گئی ہو تو دیکھ کر اس کی اصلاح کر دیں‘‘

اپنے شاگرد سامنے ہوتے ان کو بھی دکھاتے اور ان کو بھی اصلاح کے لئے فرماتے، اذان عشاء تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

اذان عشاء کے بعد دسترخوان بچھادیا جاتا، مہمان حضرات دسترخوان پر حاضر ہوجاتے اور کھانے سے فارغ ہوکر وضو وغیرہ کرکے مسجد تشریف لے جاتے۔

بعد عشاء درس بخاری شریف :۔عشاء بعد بخاری شریف جلد ثانی کا دارالحدیث میں درس ہوتا بہت سے طلباء شوق میں حضرت کو لینے کے لئے کمرہ پر حاضر ہوجاتے، اور حضرت کے ساتھ دارالحدیث پہنچتے، حضرت والا کو اپنے ساتھ مجمع کا ہونا ناپسند تھا مگر اس کے باوجود بہت سے طلباء ساتھ ہو ہی جاتے، مسند درس پر تشریف فرما ہوتے، طلباء سراپا شوق وانتظار ہوتے پورا دارالحدیث بھرا ہوتا، حاضری ہوتی، کوئی طالب علم عبارت پڑھتا، بعض دفعہ شوق میں کئی کئی طالب علم پڑھنا شروع کردیتے، مگر کوئی اپنی آواز کی بلندی، تیزی وروانی سے غالب آجاتا کہ سب خاموش ہوجاتے۔

تقریر تو مختصر ہوتی مگر انتہائی جامع اور پرمغز معلومات پر مشتمل طلباء کو سوالات واشکالات کی عام اجازت ہوتی کوئی زبانی سوال کرتا کوئی پرچی لکھ کر بھیجتا، حضرت والا ان کے جوابات ارشاد فرماتے۔

دوران درس انتہائی سکون ووقار طاری ہوتا، مگر جب حضرت کسی مناسبت سے کوئی لطیفہ یا کوئی شعر سناتے طلباء کی بے اختیار ہنسی سے پورا دارالحدیث گونج اٹھتا بارہ بجے کے قریب درس ختم ہوتا۔

طلباء کا شوق خدمت:۔بعد درس پچاسوں طلباء کمرہ تک ساتھ آتے کچھ واپس ہوجاتے اور بعض خدمت کے شوق میں کمرہ میں آکر بیٹھ جاتے، حضرت والا

کوٹھنڈا مشروب پیش کیا جاتا، حضرت چند گھونٹ پی لیتے، حضرت والا مسند پر بیٹھ جاتے، اور طلباء بدن دبانے لگتے تو حضرت فرمایا کرتے بھئی یہ مرض متعدی ہے کہ ایک شروع کرتا ہے اس کو دیکھ کر سب ہی لگ جاتے ہیں۔

بدن دباتے ہوئے بھی سوالات وجوابات کا سلسلہ جاری رہتا لطائف وظرائف بھی ہوتے رہتے، اور چند منٹ کے بعد ان کو رخصت کر دیتے، ان کے بعد دوسرے طلباء چمٹ جاتے کہ ہم کو موقع نہیں مل سکا تھا، دو تین منٹ بعد ان کو رخصت کر دیا جاتا، اور طلباء آکر چمٹ جاتے کئی کئی مرتبہ اس کی نوبت آتی، طلباء کی محبت ووارفتگی دیکھنے کے قابل ہوتی، حضرت رخصت کرتے ہوئے سب سے مصافحہ کرتے۔

مجلس بعد عشاء:۔ بخاری شریف کا درس موقوف ہونے کے بعد عشاء بعد مجلس ہوتی فتاویٰ سنائے جاتے یا ڈاک لکھی جاتی (اخیر میں لکھوائی جاتی) سوالات وجوابات کا سلسلہ بھی رہتا۔

اس مجلس میں بھی حافظ محمد طیب صاحب زید مجدہم اہتمام سے شریک ہوتے اور حضرت مولانا حامد حسین صاحب قدس سرہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند بطور خاص شرکت فرماتے، اوران کو حضرت کا ٹرانجسٹر کہا جاتا کہ ریڈیو سے خبریں اہتمام سے سنتے اور حضرت کو آکر خاص خاص خبریں سنایا کرتے، فلاں ملک میں یہ ہو گیا، فلاں میں یہ ہوا، اس نے اس پر حملہ کیا، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مولانا خبریں سنانے سے زیادہ ہنسا کرتے، اوران کے ہنسنے کو دیکھ کر سب حاضرین بھی ہنس دیا کرتے اور چونکہ مولانا کی آواز صاف نہیں رہی تھی جس کی وجہ سے حاضرین کو بات اچھی طرح سمجھ میں نہیں آتی تھی، ان کو بار بار بتانے کی ضرورت پڑتی تھی،

اول آواز صاف نہیں پھراس پرہنسی اس کواورزیادہ ناصاف بنادیتی جس کی وجہ سے عموماً حافظ طیب صاحب زیدمجدہم کوان کی ترجمانی کرنی پڑتی، اورحافظ صاحب زیدمجدہم کی ترجمانی بھی بطورمزاح شارح کی ماتن کے مقصود کےخلاف شرح کا مصداق ہوتی تھی۔

حاضرین میں اکثر طلباء ہی ہوتے تھے جوحضرت مولانا کے بھی شاگرد ہوتے تھے، اور ہنسنے میں بعض دفعہ حد سے تجاوز ہوکر مذاق کی سی کیفیت بھی ہوجاتی، جوحضرت والاکوناگوارگزرتا جس کی بناپرحضرت والافرمایاکرتےخبریں موقوف،یعنی آئندہ خبریں نہیں سناکریں گے،مگرحضرت مولانا کبھی حاضرین اورطلبہ کے ہنسنے سے برانہ مانتے بلکہ ان کواس کاخیال بھی نہ ہوتا،وہ حضرت کےفرمانے پرایک دوروزعمل کرتے اورپھرسلسلہ شروع کردیتے۔[۱]

گیارہ ساڑھے گیارہ بجے تک یہ سلسلہ چلتا پھرحضرت سب کومصافحہ کرکے رخصت کرتے۔

مہمانوں کاخیال واہتمام :۔مہمانوں کے لئے بستر وغیرہ کرنے کا تقاضہ فرماتے، ابتداً توخودبھی بستر وغیرہ بچھوانے میں شریک رہتے تھے، معذوری کے بعدخدام بستر وغیرہ بچھاتے مگرحضرت سب مہمانوں کاپوراخیال فرماتے،

---

[۱] حضرت مولانا زیدمجدہم شیخ الادب حضرت مولانا اعزازعلی صاحب قدس سرہٗ کے صاحبزادے ہیں، دارالعلوم کے استاذ ہیں آواز صاف نہ ہونے کی بناپرتعلیمی ذمہ داریوں سے ان کوسبکدوش کرکے، دارالاقامہ کی ذمہ داری ان کے سپردکی گئی ہے،انتہائی سادہ مزاج ہیں،جلالین شریف وغیرہ کتابوں کادرس ان کے یہاں ہوتا تھا،کتاب کہیں سمجھ میں نہ آتی کتاب بغل میں دباکرحضرت والاکے پاس ان کےشاگرد بھی ہوتے کتاب کھول کربیٹھ جاتے،کہ حضرت یہ بات سمجھ میں نہیں آئی،حضرت والااس کوحل فرماتے، ان کواپنے شاگردوں کی موجودگی میں پوچھنے سے کبھی عارنہ آتی۔

صرف کہنے پر اکتفانہ فرماتے بلکہ خود جاکر معائنہ فرماتے، اور مہمانوں سے جاکر دریافت فرماتے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، تکیہ چادر وغیرہ سب کے پاس ہے، اور سردی کے موسم میں کمبل یا لحاف سب کے پاس ہے یا نہیں، جب چلنے پھرنے سے معذوری ہوگئی، تب بھی ایک دو خادم کے سہارے تشریف لاتے اور سب مہمانوں کو آکر دیکھتے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔

مخصوص مہمان ہوتے ان کے بستر کی جگہ بھی دریافت کرتے کہ فلاں کا بستر کہاں بچھا ہے یا فلاں کا انتظام کہاں کیا اس کے بعد خود آرام فرماتے۔

جب تک آنکھوں میں روشنی رہی سوتے وقت سرمہ لگانے کا اہتمام بھی ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔

سحر خیزی میں معمول :۔ڈھائی تین بجے بیدار ہوجاتے اور کوشش کرتے کہ کسی کو پتہ نہ چلے، کسی کی آنکھ نہ کھلے، بعض دفعہ خادم اس لئے کمرہ میں سوتے، کہ شب میں بیدار ہونے کے وقت پانی وغیرہ دینے کی خدمت کرسکیں، مگر حضرت والا اتنا آہستہ آہستہ قدم رکھتے کہ بالکل آہٹ نہ ہو، چٹخنی دروازہ کی بہت آہستہ سے کھولتے، بند کرتے اور استنجاء وضو وغیرہ ضروریات سے فارغ ہوکر نوافل میں مشغول ہوجاتے، اور حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ مناجات کے مزے لوٹتے اور پھر چارپائی پر لیٹ جاتے کہ دیکھنے والے اس وقت سوتا ہوا سمجھتے۔

بعد اذان فجر :۔پھر اذان کے قریب اٹھتے وضو فرماتے اور باہر صحن میں مشی فرماتے جس میں ”**واعدوا لهم مااستطعتم من قوة الاية**“ کی نیت ہوتی اور قرآن کی

تلاوت یا تسبیح کا سلسلہ بھی جاری رہتا، ابتداءً بیعت ہونے والوں کو اذان فجر کا وقت دیا جاتا وہ اذان کے فوراً بعد حاضر ہوجاتے، ان کو بیعت فرماتے (آخر میں بعد فجر کا معمول ہوگیا تھا) اذان کے بعد فوراً سنت فجر پڑھ کر بیعت ہونے والوں کو بیعت فرماتے اور اپنی مسند پر بیٹھ کر تسبیح میں مشغول رہتے، اس وقت باتیں کرنا ناگوار گزرتا، اس وقت کسی کا خدمت کرنا بھی ناپسند تھا، گو بعض اس ناگواری کو نہ سمجھ پاتے اور حضرت والا تحمل فرماتے کچھ نہ فرماتے۔

بہت سے ذاکرین کمرہ میں حاضر ہوکر ذکر شروع کردیتے، بہت سے مراقبہ وغیرہ میں مشغول ہوجاتے، حضرت والا ان کی طرف توجہ خاص فرماتے ذاکرین اور مراقبہ وغیرہ میں مشغول ہونے والے حضرات اس وقت دل میں سرور ونشاط کی عجیب کیفیات محسوس کرتے کہ شاید دلوں میں کوئی چیز بھری اور انڈیلی جارہی ہے، کچھ دیر کے بعد حضرت والا مسجد میں تشریف لے جاتے وہاں بھی ذاکرین ذکر میں اور بہت سے تلاوت میں مشغول ہوتے، عجیب فرحت آمیز مسرت بخش منظر ہوتا کہ روح ودل ہر دو کو غذا وتازگی وتقویت حاصل ہوتی۔

نماز تک یہی سلسلہ جاری رہتا۔

معمولات یوم الجمعہ

مزار قاسمی پر حاضری :۔جمعہ کے روز ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر قبرستان (مزار قاسمی) تشریف لے جاتے ، بہت طلبہ اور مہمان حضرات ساتھ جانا چاہتے ،حضرت سب کو ساتھ جانے سے منع فرمادیتے ، کہ آگے چلے جاؤ، یا بعد میں آنا، اپنے ساتھ مجمع کا چلنا پسند نہ تھا، کوئی ایک دو ہوتا اس کو انکار نہ فرماتے۔

دارالعلوم کے صدر دروازہ سے داخل ہوکر دارالحدیث کے پاس کو گزرتے ہوئے مدنی گیٹ کے اوپر کمرہ میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب مرحوم (حضرت گنگوہیؒ کے پوتے)استاذ دارالعلوم (جن کو بھائی جی ، یا بھائی جی سعید سے جانا پہچانا جاتا) سے ملاقات فرماتے۔

بھائی جی مرحوم بے انتہا خوش ہوتے اور عموماً الائچی خورد سے ضیافت فرماتے ، ایک شیشی میں بھر ہوئی ہوتیں ، اس کو کھول کر پیش فرماتے ،حضرت ایک دو الائچی اس میں سے لے لیتے ، کبھی کوئی کھانے کی چیز ہوتی اس کو بھی پیش فرماتے ، مگر حضرت چائے کو انکار فرمادیتے ، چند منٹ کے بعد رخصت ہوکر، مزار قاسمی پر حاضری دیتے اور اولاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کے مزار پر اقدام کی جانب ہی جوتے اتار کر کھڑے ہوتے۔

"السلام علیکم دارقوم مومنین وانا انشاء اللّٰہ بکم لاحقون" پڑھتے اور سورہ فاتحہ، قل ہواللہ احد، یٰسین شریف پڑھ کر ایصال ثواب فرماتے، پھر دوسرے بعض مزارات کے قریب جا کر ایصال ثواب فرماتے، اوراخیر میں جب ضعف زیادہ ہوگیا تھا، صرف حضرت مدنی قدس سرہٗ کے مزار کے قریب ہی کھڑے ہوتے اور وہیں سے ایصال ثواب فرما کر واپس ہوجاتے۔

واپسی پر آستانہ شیخ الاسلامؒ پر حاضری دیتے، اورصاحبزادگان حضرت مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم میں سے کوئی اگر موجود ہوتے ان سے چندمنٹ کی ملاقات فرماتے، کبھی کسی خاص موقع پر حضرت مولانا محمد سالم صاحب زیدمجدہم کے پاس بھی چندمنٹ کیلئے تشریف لے جاتے، پھر کمرہ پر تشریف لاکر کچھ دیر ڈاک وغیرہ لکھتے یا لکھواتے پھر نماز جمعہ کی تیاری فرماتے۔

غسل وحجامت اورنماز جمعہ :۔آئینہ لےکر مونچھیں کاٹتے ،مونچھیں ہمیشہ بالکل صاف فرمایا کرتے، کہ دیکھنے سے منڈی ہوئی معلوم ہوتیں، داڑھی یکمشت سے زائد ہوتی اس کو بھی کاٹ دیا کرتے، رخساروں پر یا حلق پر سے کسی جگہ سے کوئی بال کاٹنے کا معمول نہیں تھا۔

ناخن تراش سے ناخن کاٹتے، ہمیشہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع فرماتے، دائیں اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم فرماتے، تاکہ ابتداء بالیمین اورانتہاء بالیمین دونوں ہوجائیں، اوردائیں پیر کی چھوٹی انگلی سے شروع فرما کر بائیں پیر کی چھوٹی انگلی پر ختم فرماتے، معذوری سے قبل یہ کام سب خود ہی انجام دیا کرتے، اس کے بعد غسل

فرماتے، سردیوں میں گرم پانی استعمال فرماتے، صابن تولیہ بھی استعمال فرماتے، کپڑے عموماً غسل کے بعد کمرہ میں تشریف لاکر تبدیل فرمایا کرتے، عطر خوب استعمال فرماتے، اور حاضرین کو بھی عنایت فرماتے۔

عطر میں، مشک، عنبر، عود، خس، میں سے کوئی حسب موسم پسند فرماتے۔

نماز جمعہ کے لئے چوغہ بھی استعمال فرماتے، جس کو نماز کے بعد کمرہ میں تشریف لاکر اتارتے، اور زوال کے فوراً بعد مسجد جاکر اولاً دو رکعت تحیۃ الوضو دو رکعت صلوٰۃ تحیۃ المسجد پھر صلوٰۃ التسبیح چار رکعات جن میں مسبحات پڑھنے کا معمول تھا (وہ سورتیں جن کے شروع میں سبح یا یسبح آیا ہے) پھر چار رکعات جمعہ کی سنت ادا فرماتے۔

بعد نماز جمعہ:۔ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوکر کمرہ تشریف لاتے اور بہت سے طلبہ اور دور دراز سے آنے والے زائرین جمع ہوجاتے، چند منٹ اتنے باہر دسترخوان بچھتا مجلس ہوتی، اسی وقت باہر سے آنے والے حضرات مصافحہ کرتے دسترخوان بچھ جاتا، اور مہمانوں کو کھانا شروع کرادیا جاتا، ایک دسترخوان اندر کمرہ میں خواص کے لئے بچھتا جس پر حضرت خود بھی شرکت فرماتے۔

جمعہ بعد حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہٗ بھی عموماً تشریف لاتے اور کھانے میں شرکت بھی فرماتے، حضرت والا ان کو اپنے پاس بٹھاتے اور ہر دو حضرات کی ایسی بے تکلفی اور لطف وانبساط کے ساتھ گفتگو ہوتی کہ سننے والوں کو بھی لطف آجاتا، کھانے کے بعد مہمانان کرام جو رخصت ہونے والے ہوتے رخصت ہوتے، اور ایک ایک کو مصافحہ ومعانقہ فرماکر رخصت فرماتے۔

معذوری کے زمانہ میں کھڑا ہونا مشکل ہوتا تو دو صاحبان پکڑ کر کھڑا کرتے اور دونوں طرف سے پکڑے رہتے، اس طرح معانقہ فرماتے۔

اس لطف ومہربانی کو دیکھ کر رخصت ہونے والا محسوس کرتا:۔

جب گلے مل کے وہ پلٹا تو یہ محسوس ہوا
جیسے سینہ سے لئے جائے کلیجہ کوئی

اور جانے والا بزبان حال کہتا ہوا جاتا:۔

جان سے جانا ہے تیرے پاس جانا جاناں
جئے جاتے ہیں مگر مردہ بنے جاتے ہیں

مہمان کرام عموماً مدارس کے اساتذہ اور طلبہ ہوتے جو جمعرات کی شام میں حاضر ہوتے اور جمعہ بعد واپس ہوتے، اس لئے جمعرات جمعہ کو بالخصوص عجیب بہار ہوتی، مگر اب بجز اس کے کیا کہا جائے۔

چمن کے تخت پر جس دم شہِ گل کا تجمل تھا!
ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں ایک شور تھا غل تھا!
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتا تا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا!

مہمانوں سے رخصت ہوکر حضرت آرام فرماتے، اور نماز عصر سے تقریباً آدھ پون گھنٹہ قبل اٹھ کھڑے ہوتے۔

نماز عصر بعد متصلًا درود شریف:۔نماز عصر کے بعد اٹھنے سے پہلے یہ درود شریف اسی مرتبہ"**اللھم صل علی سیدنا محمدالنبی الامی وعلیٰ اٰلہ وسلّم تسلیماً**" پڑھنے کا معمول تھا،نماز کے سلام کے بعد اعلان کر دیا جاتا اور جمعہ کے روز نماز عصر کے بعد اس کے پڑھنے کی فضیلت جو حدیث شریف میں آئی ہے کہ اسی برس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور اسی برس کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، بیان کر دی جاتی تقریباً تمام نمازی ہی اس کو پڑھتے اس کے بعد حسب معمول مجلس ہوتی۔

ابتداء میں جب مہمانوں کا مجمع زیادہ نہیں ہوتا تھا حضرت والا جمعہ کے روز عصر سے مغرب تک ذکر جہری میں مشغول رہتے تھے۔

تنبیہ:۔ یہ معمولات جو ذکر کئے گئے ہیں معذوری سے قبل کے ہیں۔

مجلس

آپ کی مجلس ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک علم کا سمندر ہوتا تھا جس سے علماء، طلباء، عوام وخواص سب برابر مستفیض ہوتے تھے، اس کا کچھ اندازہ لگانے کے لئے دو مجلس نقل کی جاتی ہیں، آپ کی بعض مجالس ''افریقہ اور خدمات فقیہ الامت'' میں چھپی ہیں وہاں سے دو مجلسیں نقل کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:۔

مجلس نمبر:۱

مفتی رضاء الحق صاحب، حضرت! امام حنفی ہے، مقتدی شافعی ہیں تو کیا امام ان کی رعایت میں دعائے قنوت وتر میں رکوع کے بعد پڑھ سکتا ہے؟

ارشاد:۔کس کس چیز میں رعایت کروگے؟ کل کو رفع یدین بھی ان کی رعایت میں کریں گے الحمد پڑھنے کا موقع بھی ان کو دیں گے (یعنی ان چیزوں میں رعایت نہیں کرینگے، جن سے خود اپنے مذہب کی مخالفت لازم آئے)

مفتی رضاء الحق صاحب: الفقہ علی مذاہب الاربعہ کتاب دیکھ کر کیا شافعیہ کو فتویٰ دے سکتے ہیں؟

ارشاد:۔انہیں سے پوچھنے کی ضرورت ہے کہ ان کے نزدیک معتبر ہے یا نہیں؟

مفتی رضاء الحق صاحب شافعیہ کے یہاں فتاویٰ میں کیا کیا کتابیں معتبر ہیں؟

ارشاد:۔تحفۃ المحتاج معتبر ہے، ابن حجر مکی کی، فتاویٰ کبریٰ ہے، شرح مہذب ہے، فتاویٰ سبکی، تقی الدین سبکی اس میں فقہی مسائل بہت عمدہ حل کئے ہیں، ان کی مجتہدانہ شان ہے، ابن تیمیہؒ کے معاصر ہیں۔

ارشاد:۔زیلعی دو ہیں، ایک کا نام جمال الدین ہے، جن کی نصب الرایہ ہے ایک کا نام عثمان ہے، جن کی تبیین الحقائق ہے، دونوں حنفی ہیں۔

F.M.Fainal\Jild-1\03-Muqaddama

عرض:۔تصویر نکالنا کیسا ہے؟

ارشاد:۔جاندار کی یا بے جان کی؟

عرض:۔جاندار کی۔

ارشاد:۔ناجائز ہے۔

عرض:۔ناجائز ہے یا حرام؟

ارشاد:۔ناجائز اور حرام میں کیا فرق ہے؟

عرض:۔جاننا چاہتا ہوں۔

ارشاد:۔آپکے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں تقابل ہے اس لئے پوچھا؟

عرض:۔لفظ ناجائز کا اطلاق مکروہ پر بھی ہوتا ہے؟

ارشاد:۔نہیں مکروہ تو جائز ہے مع الکراہت، اس کو ناجائز نہیں کہتے، یہ علیحدہ بات ہے کہ ہدایہ میں ہے ''کل مکروہٍ حرام'' مگر نص اس کے لئے نہیں ملی، اس لئے ''مکروہ'' بولدیتے ہیں، حدیث شریف میں ہے ''**اشدالناس عذاباً المصورون**'' ہلکے کام پر تھوڑا ہی اتنا سخت حکم ہوتا ہے۔

عرض:۔بعض علماء کہتے ہیں کہ ویڈیو فلم تصویر نہیں۔

ارشاد:۔مجھے تحقیق نہیں کیا چیز ہے؟

عرض:۔بریلوی حضرات تو جائز کہتے ہیں۔

ارشاد:۔آپ کے حضرات بھی بعض جائز کہتے ہیں ایک عالم نے لکھا تھا کہ ہر نئی چیز کو ناجائز کہدینا بے بصری ہے، مگر بریلوی حضرات تو گھڑی کی چین کو بھی منع کرتے ہیں۔

عرض:۔فارسی کے کون شاعر بہت اچھے ہوئے؟

ارشاد:۔آپ کا سوال بھی شاعرانہ ہے حیثیات مختلف ہیں، نصائح میں شیخ سعدیؒ کا مقام بلند ہے، عشق ومستی میں حافظ شیرازی بڑھے ہوئے ہیں۔

عرض:۔سنا ہے حافظ شیرازی بڑے صوفی تھے۔

ارشاد:۔ایسا ہی سنا ہے، دونوں ماموں بھانجے تھے، حضرت تھانوی قدس سرہٗ ان کے بہت معتقد تھے، کثرت سے وعظ میں ان کے اشعار پڑھتے اور رفرماتے عارف شیرازی فرماتے ہیں، بعض حضرات ان کے کلام کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں، کہ رات دن شراب نوشی میں مشغول رہتے تھے، بعض شیعہ کہتے ہیں، واللہ اعلم کیا تھے۔

عرض:۔علّامہ اقبال حافظ شیرازی سے خوش نہیں تھے۔

ارشاد:۔علّامہ اقبال سے اور بہت سے خوش نہیں۔

عرض:۔علّامہ اقبال کی خودی کیا چیز ہے، اشعار میں خودی خودی بہت کرتے ہیں؟

ارشاد:۔بازار میں نہیں ملے گی، اپنے قوتِ بازو پر اعتماد، انانیت، (میں) جس کو کہتے ہیں، ڈاکٹر اقبال، معاف کرنا چوں چوں کا مربہ تھے، فرقہ مرزائیہ احمدیہ کے ممبر بھی تھے، ان کے والد مرزا غلام احمد قادیانی پر اول ایمان لانے والوں میں تھے، حضرت رائپوری قدس سرہٗ فرماتے تھے، کہ ڈاکٹر اقبال نے اول فلاں طرز پر اشعار لکھے، اس سے کام نہیں چلا، پھر فلاں کے طرز پر اس سے کام نہیں چلا، پھر مثنوی کے طرز پر چلے ہیں، اس میں کامیاب ہوئے ہیں، ان کا جوانی کے زمانہ کا شعر ہے:۔

غا رت گر ی نہ پو چھ نگا ہِ شبا ب کی
آ نکھو میں سحر ہے کہ ہے مستی شراب کی

ا قبا ل چشم تر کا مدا وا تو کیجئے
غما ز ہیں یہ آ پ کے حال خراب کی

کیفیت تجلی جا نا ں کہا ں نصیب
آنکھوں میں کٹ گئیں مری راتیں شباب کی

پھر بعد میں حالت بدلی ہے، حضرے مولانا رومؒ (مرید ہندی مرشد رومی کا عنوان ہے کی شان میں اشعار کہے ہیں، نفس کو خطاب کیا ہے، خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر اشعار کہے ہیں، خواجہ معین الدین چشتی کے بارے میں نظم کہی ہے، جو آزاد ہو بقول شخصے:۔

کسی کھونٹے سے بندھا ہوا نہ ہو اس پر مختلف ادوار آتے ہیں۔

ایک صاحب نے کہا کہ آپ حضرات تنگ نظر ہیں، میں نے کہا تنگ نظری سے اگر بدنظری سے حفاظت ہو جائے غنیمت ہے۔

ایک صاحب نے مختلف سیاسی جماعتوں کا ذکر کیا، پھر مجھ سے پوچھا آپ کا کس سے تعلق ہے، میں نے کہا کسی سے نہیں، اچھا آپ بے عمل ہیں، میں نے کہا اچھا ہے کچھ بے عمل بھی ہیں، سب ہی بدعمل نہیں بن گئے۔

حضرت مجدد صاحب فرماتے تھے شیعہ فرقہ سب سے زیادہ خطرناک ہے، کہ وہ اصطلاحات اسلام کی لیتے ہیں، اپنے کلام میں اور مراد اپنی گھڑی ہوئی لیتے ہیں۔

ایک شیعہ نے کہا کوئی شیعہ اپنا مذہب نہیں چھوڑتا ،جس کے متعلق سنو گے کہ وہ آریہ ہوگیا، قادیانی ہوگیا، تو تحقیق کر کے دیکھو تو وہ سنی ہوگا، شیعہ اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتا، میں نے کہا صحیح ہے، شیطان ایسا بیوقوف نہیں کہ بے موقعہ بے محل محنت کرے، وہ وہاں محنت کرتا ہے، جہاں ایمان کی دولت ہوتی ہے، اس میں کبھی کامیاب بھی ہوجاتا ہے، اور وہ ایمان کی دولت ہے سنیوں کے پاس ،شیعوں کو تو وہ جانتا ہے کہ یہ تو ہیں ہی میرے، ان پر محنت کیوں کروں، ان کا بیڑہ تو پہلے سے ہی غرق ہے۔

عرض:۔ پاکستان میں ایک صاحب ہیں خالد محمود، انہوں نے بھی اس سوال کے جواب میں ایسا ہی جواب دیا تھا، کہ دودھ سڑ کر خراب ہوجاتا ہے، پیشاب تو پہلے سے ہی سڑا ہوا ہے۔

ارشاد:۔ صحیح ہے، باقی مناظرانہ جواب ہے وہ بھی، یہ بھی تحقیقی نہیں۔

ایک شخص سہارنپور آیا، حضرت ناظم مولانا عبداللطیف صاحب قدس سرہٗ کے پاس پہنچا گفتگو شروع کی، میں عشاء کے بعد کمرہ میں آکر لیٹ گیا تھا، آنکھ لگ گئی، میرے پاس مولوی نذیر احمد سیالکوٹی نے جو مدرسہ مخزن العلوم میں مدرس تھے، حضرت ناظم صاحب کے پاس کثرت سے آتے جاتے تھے، آکر کہا مولوی محمود ایک شخص ناظم صاحب سے گفتگو کررہا ہے، تم جا کر ان سے گفتگو کرو، میں نے کہا آپ کہہ رہے ہیں یا ناظم صاحب؟ کہا میں ہی کہہ رہا ہوں، میں نے کہا یہ تو مناسب نہیں اس کو گفتگو کر لینے دو، حضرت ناظم صاحب تو چند منٹ بعد مکان تشریف لے جائیں گے، اور وہ مہمان خانہ میں چلے جائیں گے، اس وقت مجھ کو بلا لینا، تم دونوں گفتگو کرنا میں بھی سن لونگا، چند منٹ بعد حضرت ناظم صاحب مکان تشریف لے گئے، اور وہ صاحب مہمانخانہ میں چلے گئے، مولوی نظیر صاحب نے مجھ کو بلایا،

میں وہاں پہونچا دونوں کی گفتگو شروع ہوگئی، اثناءِ گفتگو میں وہ شخص میری طرف متوجہ ہوا، میں نے کہا پہلے آپ صاف صاف بلاتقیہ کے بتادیں کہ آپ شیعہ ہیں؟اس نے کہا میں شیعہ نہیں ہوں، خاندان کے لوگ شیعہ ہیں ان سے گفتگو ہوتی رہتی ہے،اس لئے میں حل کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا الحمدللہ آپ نے میرے لئے راستہ کھولدیا، میں جو کچھ کہونگا شیعوں کو کہونگا، آپ تو شیعہ ہیں نہیں، آپ کو تو ناگوار نہیں ہوگا، اس نے کہا اہل بیت معصوم ہیں، میں نے کہا مودّت اہل بیت کا تو حکم ہے مگر معصوم ہونا کیسے معلوم ہوا؟اس نے کہا ''انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیراً'' میں نے کہا اس کا ترجمہ؟اس نے ترجمہ کیا، اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ پلیدی کوتم سے دور کردیں،اورتم کو پاک صاف کردیں، یعنی معصوم۔

میں نے کہا پاک صاف کردیں، ناپاک کو پاک کیا جاتا ہے، یا پاک کو، آپ نے ان کو ناپاک پہلے مانا، اس سے معصوم ہونا کیسے معلوم ہوا؟ نیز پلیدی دور کردیں، معلوم ہوا کہ پلیدی ہے موجود جس کو دور کیا جارہا ہے، اس ترجمہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں پاکیزگی نہیں پلیدی ہے، جس کو دور کرنے کا اللہ تعالیٰ ارادہ کررہے ہیں، معصوم کی تو یہ شان نہیں ہوتی، اور کیا جہاں کہیں قرآن میں تطہیر کا لفظ آیا ہے، وہاں معصوم ہونا مراد ہے۔

خدا جانے ان شیعوں کی عقل کو کیا ہوگیا جہاں ط،ہ،ر، دیکھی اس کا ترجمہ معصوم ہونا کرلیا''**یسئلونک عن المحیض قل ھواذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولاتقربوھن حتی یطھرن**'' حیض کو پلیدی کہا گیا اور حالت حیض میں ان کے پاس آنے جانے (صحبت کرنے) سے منع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائیں، تو جیسے ہی عورت کا حیض ختم ہوا کیا شیعوں کے نزدیک وہ معصوم ہوگئی۔

قرآن پاک میں ہے "**ولکن یرید لیطھرکم**" جیسے ہی کسی شخص نے وضو کیا، کیا وہ معصوم ہوگیا، وضو وغسل کا بیان کر کے فرمایا، اس لحاظ سے سارے ہی وضو کرنے والے معصوم ہونگے، اہل بیت کی کیا خصوصیت ہے؟ ایسے ہی "**خذمن اموالھم صدقة تطھرھم**" جس نے صدقہ کیا وہ معصوم ہوگیا۔

اس نے دوسرا سوال کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاطمہؓ کو ناراض کیا باغِ فدک ان کو نہیں دیا، میں نے کہا کیوں دیتے، کیا انہوں نے امانت رکھا تھا کہ اس کے دینے سے انکار کردیا، خود تو جانا بھی نہیں چاہتی تھی، دوسروں نے ان کو اُبھارا تب گئیں اور جاکر سوال کیا، اگر آپ کا انتقال ہوجائے تو کیا آپ کی اولاد کو آپ کی میراث ملے گی، فرمایا ملیگی، کہا پھر مجھ کو میرے باپ کی میراث کیوں نہیں ملے گی، مجھے کیوں محروم کیا جاتا ہے، فرمایا حدیث میں ہے "**نحن معاشر الانبیاء لانورث ماترکناه فھو صدقة**" اس نے کہا یہ حدیث سنیوں کی کتابوں میں ہوگی، میں نے کہا اصول کافی میں ہے اس نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو ناراض ہوگئیں، اور حدیث شریف میں ہے "**فاطمة بضعة منی فمن اٰذاھا فقد اٰذانی**" میں نے کہا کیا حدیث سے ناراض ہوتے ہیں، کہ حدیث پیش کرنے کے باوجود ناراض ہوگئیں، کیا کوئی ادنیٰ مومن بھی حدیث سے ناراض ہوسکتا ہے؟ شیعوں کو چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عداوت ہے اس لئے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں، اور اس حدیث "**فاطمه بضعة منی الحدیث**" (فاطمہؓ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اس کو ایذاء دی اس نے مجھے کو ایذاء دی اور جس نے مجھ کو ایذاء دی اس نے اللہ پاک کو ایذاء دی) کا رخ بھی دوسری طرف ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے ابوجہل کی بیٹی سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہوتے ہوئے نکاح کا ارادہ کیا، اس کا علم نبی اکرم صلی اللہ علیہ علیہ وسلم کو ہوا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علی اگر ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو میری بیٹی طلاق دیدے، اللہ کے دشمن کی بیٹی اور اللہ کے پیغمبر کی بیٹی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

مگر ہمارے تو وہ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بڑے ہیں ہم ان کی بھی تعظیم کرتے ہیں۔

شیعہ:۔اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بات نہیں کی۔

ارشاد:۔ میں نے کہا شیعوں کو عداوت ہے نا حضرت فاطمہؓ سے تب ہی ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کوئی شخص اپنے مومن بھائی سے تین دن سے زائد قطع تعلق نہ کرے، بات چیت بند نہ کرے، کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث کے خلاف کریں گی۔

شیعہ:۔اس نے کہا بخاری میں ہے کہ اس کے بعد بات نہیں کی یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا، اور بات کرنا بخاری میں نہیں۔

ارشاد:۔ یہ تو ہوا صغریٰ کہ یہ بخاری میں نہیں کبریٰ اس کے ساتھ اور ملاؤ کہ جو بخاری میں نہ ہو وہ باطل ہے اب نتیجہ نکلے گا کہ یہ باطل ہے۔

آپ بتائے آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے نام بتایا آپ کے والد کا نام کیا ہے؟ کہا بخاری میں آپ کا اور آپ کے باپ دادا کا نام ہے، اس نے کہا نہیں، میں نے کہا تو کیا یہ تمہارا نام نہیں اور یہ تمہارے والد کا نام نہیں۔

شیعہ:۔ بات نہ کرنا تو بخاری میں ہے کہ اس کے بعد بات نہیں کی۔

ارشاد:۔ اس کا مطلب ہے کہ حدیث پاک سن کر مطالبۂ میراث کے متعلق بات نہیں کی، اس جملہ کو مرتے دم تک زبان پر نہیں لائیں، اور بات کرتیں بھی کیوں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ محرم نہیں تھے، پڑوسی نہیں تھے، شریف مستورات ان سے بات کیوں کریں، ایک ضرورت کی وجہ سے بات کرنے کی نوبت آئی تھی، اور اگر کسی کتاب میں بتادی کہ جب حضرت فاطمہؓ خاموش ہوکر واپس چلی گئیں، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے مکان پر گئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واسطہ بنا کر کہا کہ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ناخوش ہوگئی ہیں، آپ کو راضی کرنے کیلئے آیا ہوں، اس پر حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ میں بالکل ناراض نہیں، اور حدیث پاک کوسنکر کیسے ناراض ہوسکتی تھیں، شیعہ نے کہا کہ سنیوں کی کتاب میں ہوگی یہ روایت میں نے کہا سنیوں کی کتاب میں تو بہت کچھ ہے، یہ تو شیعوں کی کتاب ''مجاج'' السالکین میں ہے، اس نے کہا کہ واقعی آدمی اگر گہرا مطالعہ کرے تو بہت سے اشکال حل ہوجائیں، میں نے کہا جی ہاں بشرطیکہ اشکال دور کرنے کی نیت سے مطالعہ کرے۔

شیعہ:۔ مثنوی میں ہے:۔

چوں صحابہ حب دنیاداشتند .... مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند

کہ دنیا کی محبت کی وجہ سے خلافت کے چکر میں لگ گئے، اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح بے گور وکفن چھوڑے رکھا، اور اس کا مصداق (حضرت ابوبکر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ارشاد:۔آپ نے مثنوی میں دیکھا ہے شعراس نے کہانہیں، میں نے کہا میرے پاس مثنوی ہے میں ابھی لے آتا ہوں، آپ نکال کر دکھا دیں گے، کہاں یہ شعر ہے، اس نے کہا میں نے دیکھا نہیں سنا ہے، میں نے کہا کسی شیعہ کا شعر ہے جو ان کی طرف منسوب کر دیا۔

شیعہ:۔واقعہ صحیح ہے نا۔

ارشاد:۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کتنا رنج تھا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے، حضرت علی صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمہ کی وجہ سے گھر سے نہیں نکل سکے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لیکر کھڑے ہو گئے، کہ اگر کسی نے کہدیا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، تو اس کی گردن قلم کر دونگا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں، جنہوں نے سب کو تسلی دی، ادھر خبر ملی کہ انصار خلیفہ مقرر کرنے کے سلسلہ میں مٹنگ کر رہے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں وہاں پہونچے، انصار چاہتے تھے، کہ خلیفہ ہم میں سے ہو، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حدیث میں ہے ''الائمة من قریش'' خلیفہ قریش سے ہوگا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کی، پھر دوسرے حضرات نے سب نے بیعت کی، غنیمت جانئے، یہ حضرات وہاں پہونچے اور اس طرح انعقاد خلافت کا عمل حل ہو گیا، اگر یہ حضرات دیر کرتے اور انصار میں سے خلیفہ منتخب کر لیا جاتا، تو حدیث کے بھی خلاف ہوتا اور کیا نظام باقی رہ جاتا، اور نماز جنازہ خلیفہ کا حق ہوتا ہے، جب تک خلیفہ منتخب نہ ہو نماز کون پڑھائے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر مختلف چیزیں پیش آئیں، غسل کس طرح دیں، نماز جنازہ کس طرح پڑھیں، کہاں پڑھیں، دفن کہاں کریں، ان سب چیزوں کا علم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔

میت کو دفن کرنے میں جلدی کرنے کا حکم ہے، تاخیر میں احتمال ہے میت میں تغیر پیدا ہوجانے کا، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ احتمال نہیں تھا، اس لئے اگر تاخیر ہو بھی گئی، دینی اہم امر کی وجہ سے یعنی امر خلافت طے کرنی کی وجہ سے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔

ارشاد:۔ میں نے کہا میں بھی کچھ سوال کرلوں۔

شیعہ:۔ اس نے کہا ضرور۔

ارشاد:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ملکر ان کے زمانۂ خلافت میں حضرت حسنؓ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت معاویہؓ کی صلح سے پہلے پہلے حضرت حسینؓ کے ساتھ مل کر یزید کے مقابلہ میں اور اخیر زمانہ میں قیامت کے قریب امام مہدیؒ سے مل کر جو کہ غار سر من رأی میں چھپے بیٹھے ہیں قرآن شریف لئے ہوئے۔

پانچ موقعوں کے علاوہ شیعوں کے نزدیک جہاد کرنا حرام ہے، قتل وغارت گری ہے فساد فی الارض ہے، قیدیوں کو باندی بنانا ناجائز ہے، ان سے جو اولاد ہو حرامی ہے، یہ آپ کو تسلیم ہے یا کتاب میں دکھلاؤں۔

شیعہ:۔ اس نے کہا صحیح ہے مجھے معلوم ہے۔

ارشاد:۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے ، انہوں نے مسیلمہ کذاب مدعیٔ نبوت سے قتال کیا ،شیعوں کے نزدیک اس موقعہ پر قتال جائز نہیں ،حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا، مسیلمہ قتل ہوا بہت سے غلام باندی ہاتھ آئے ،حضرت خولہ بنت یمامہؓ گرفتار ہوئیں ، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حصہ میں آئیں ،اوران سے محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے ، ذرا بتایئے شیعوں کے اصول کے مطابق کہ ان کا نسب کیا ہے ،اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معصوم ہوکر یہ کیا کیا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے ، انہوں نے شاہِ فارس یزدجرد سے قتال کیا ، یہ بھی ان پانچ موقعوں کے علاوہ ہے ، بادشاہ کی تین بیٹیاں تھیں تینوں گرفتار ہوئیں ، ایک ان میں سے خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی ، جن سے قاسم پیدا ہوئے ، ان کے متعلق ہمیں کچھ نہیں پوچھنا ، دوسری بیٹی خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ملی جن سے سالم پیدا ہوئے جو اعلیٰ درجے کے محدثین میں شمار ہیں ، ان کے متعلق بھی کچھ نہیں دریافت کرنا ، تیسری بیٹی خلیفۂ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی ، جن سے امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے ، ذرا بتایئے کہ شیعوں کے اصول کے مطابق حضرت زین العابدینؒ کا نسب کیسا ہے؟ پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے معصوم ہوکر یہ کیا کیا؟ اور جتنے شیعہ ہیں سب اپنا نسب حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاتے ہیں تو شیعوں کے اصول کے مطابق سب حرامی ہیں کوئی بھی حلالی نہیں ملے گا۔

شیعہ:۔ اچھا اب سونا چاہئے، بہت دیر ہوگئی، بقیہ گفتگو کل صبح کریں گے۔

ارشاد:۔ بہت اچھا آپ ٹھہریں گے۔

شیعہ:۔ اس نے کہا جی ہاں صبح بارہ بجے جاؤں گا۔

ارشاد:۔ بہت اچھا۔

ارشاد:۔ صبح اذان پر دیکھا کہ بستر دبائے جارہے ہیں، میں نے جلدی سے پکڑا اور کہا آپ کی گھڑی ٹھیک نہیں ابھی بارہ نہیں بجے۔

شیعہ:۔ مجھے جانا ہے۔

ارشاد:۔ میں نے کہا میرے سوالوں کا جواب آپ کے ذمہ قرض ہے، چاہے یہاں ادا کردو چاہے قیامت میں ادا کردینا، شیعہ خاموش بستر دبائے چلا گیا۔

عرض:۔ ایک مچھر آواز کرتا ہوا حضرت کے قریب آیا، ایک مہمان سورہے تھے، اس پر یہ شعر پڑھا:۔

اے عندلیب نالاں شورے مکن دریں جا
نازک مزاج شاہاں تابِ سخن ندارد

عرض:۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا رسالہ قصد السبیل عشاء بعد مجلس میں پڑھا جاتا تھا، اس کے ختم پر ارشاد فرمایا:۔

ارشاد:۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت کی درخواست کی تو حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے رسالہ ''قصد السبیل'' ارسال فرمادیا، انہوں نے جواب میں لکھا، رسالہ پہونچا اور اس کو از اول تا آخر پڑھ بھی لیا، اور سمجھ بھی لیا، میں اس

نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ میرے لئے یہ راہ سخت دشوار ہے۔

ارشاد:۔حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے یہاں اصل اصلاح نفس تھی، بیعت ضروری نہیں تھی، پہلے اصلاحی تعلق قائم ہوتا، اس کے بعد بیعت ،بعض کوئی کئی سال گزر جاتے ، جب مناسبت پیدا ہوجاتی ،اس کے بعد بیعت فرمالیتے ،بعض کوکسی دوسرے کے حوالہ فرمادیتے، اورایسے بھی ہیں کہ اصلاحی تعلق ہے بیعت نہیں اوراجازت ہوگئی، بیعت بعد میں ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری قدس سرہٗ کا اصلاحی تعلق تھا، ان کی مکاتبت اشرف السوانح میں چھپی ہوئی ہے، ان کو اجازت نامہ پہونچ گیا، تھانہ بھون حاضر ہوئے ،اورعرض کیا میں توبیعت بھی نہیں ،فرمایا بیعت اگرایسی ہی ضروری ہے، آیئے بیعت کرلیجئے ، تب بیعت فرمایا۔

عرض:۔حضرت نے حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ سے کیا پڑھا؟

ارشاد:۔ابن ماجہ ،نسائی شریف، اورخارج میں رشیدیہ، حصن حصین، اقلیدس پڑھی ،رشیدیہ عصر بعد پڑھی ،ایک کتاب ان کے ہاتھ میں ہوتی ایک میرے ہاتھ میں ، میں نے عرض کردیا تھا میں پڑھتا جاؤں جہاں کوئی اشکال ہوگا پوچھ لونگا، حضرت کوکہیں کچھ فرمانے کی نوبت نہ آئی ،رشیدیہ پر مولانا نظام الدین صاحب کیرانویؒ کا حاشیہ ہے ، یہ کتاب فن مناظرہ میں ہے اصول مناظرہ بیان کئے گئے ہیں ،مولانا نظام الدین کیرانویؒ کا حاشیہ قدوری پر بھی ہے ،اس میں آمین پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے ”**ھکذا سمعت من اساتذة الحدیث فی دار العلوم دیوبند**“ حضرت گنگوہیؒ کی طرف نسبت کرتے

ہوئے لکھا ہے، کہ آمین امر ہے، استجب کے معنی میں اور یہ دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہے، درمختار پر بھی ان کا حاشیہ ہے اس میں رسم المفتی میں جہاں مفتی کے لئے ادب ذکر کئے ہیں، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ کسی متبحر عالم کی خدمت میں رہا ہو جیسے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ۔

عرض:۔حضرت حاشیہ کے اندر حاشیہ کے اخیر میں ۱۲/ کا عدد لکھا ہوتا ہے اسکا کیا مطلب ہے؟

ارشاد:۔ یہ ''حد'' کے عدد ہیں دال کے چار، ح، کے آٹھ۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپورؒ کے چچا مولانا ثابت علی صاحبؒ سے جب کوئی حاشیہ کی عبارت پر اشکال کرتا، پوچھتے کس نے لکھا ہے وہ جواب دیتا اس کے اخیر میں ۱۲/ لکھا ہوا ہے، فرماتے ملّا دوازدہ کا حاشیہ معتبر نہیں۔

عرض:۔ملّا دوازدہ کوئی صاحب تھے یا محض ظرافت کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔

ارشاد:۔۱۲/ کا عدد اخیر میں ہونے کی وجہ سے اس کو ''ملا دوازدہ'' فرماتے تھے کسی کا نام نہیں تھا، چونکہ دستور یہ تھا کہ حاشیہ جہاں ختم ہوتا وہاں محشی کا نام لکھا جاتا، اور اس کی حد آ گئی، تاکہ دیکھنے والا سمجھ جائے کہ حاشیہ ختم ہو گیا، محشی کا نام نہیں تو بارہ کا ہندسہ لکھدیتے اس کو محشی کا نام قرار دے کر ظرافت میں کہا کرتے تھے۔

ارشاد:۔مولانا حامد الانصاری غازی سناتے تھے کہ بمبئی میں نس بندی کا مسئلہ چلا ہوا تھا، بریلوی حضرات بھی جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا میں اس کو حل کرتا ہوں، نسبندی بروزن دیوبندی یہ مسئلہ دیوبندیوں کا ہے ہمارا ہے ہی نہیں، اس لئے ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہیں، حل ہو گیا مسئلہ۔☆☆☆

مجلس نمبر:۲

مجلس نمبر:۲

مناظروں کا ذکر چل رہا تھا اس پر ارشاد فرمایا:۔

چمن قادری صاحب جو پیر بھی ہیں، ایک مناظرہ میں شریک تھے، اور بہت ہی لچک اور اٹک مٹک سے بات کر رہے تھے، ادھر ان کے اسٹیج پر سب کے سب بول رہے ہیں، اس پر میں نے کہا سب کیوں بولتے ہیں، کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا، کیا غالب نظر پڑ گیا، یہ کہہ کر اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر کہا:۔

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سنکر مرے نالے غزلخواں ہوگئیں

پھر انسپکٹر صاحب نے بھی کہا سب حضرات بول رہے ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے اس پر میں نے یہ شعر پڑھا:۔

حکم ہے باغباں کا یہ نغمہ کریں نہ بلبلیں
قید ہے یہ چمن نہیں کنج قفس ہے گھر نہیں

کوئی قمر صاحب تھے نظم نعت پڑھتے تھے اس پر کہا:۔

ہرگز نیابد در نظر نقشے ز رنگت خوبتر............شمسی ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری

کوئی ناز صاحب تھے ہر طرف سے ناز صاحب ناز صاحب کہتے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پھاٹک حبش خاں سے پکڑ کر لائے گئے ہیں، اس پر میں نے کہا:۔

ناز را روئے بباید ہمچو ورد............چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

عیب باشد روئے نازیباو ناز............زشت باشد چشم نابینا و باز

ایک اسرار صاحب تھے وہ دور دور سے اشاروں میں باتیں کرتے تھے ان کے مخاطب سمجھ جاتے تھے کیا کہہ رہے ہیں، اس پر میں نے کہا:۔

اسرار ہے حرفوں میں تعلیم نرالی ہے

شوہر نے کہا اے، بی، بی بی نے کہا آئی

مولانا مشتاق نظامی صاحب تھے، انہوں نے مولانا ارشاد احمد صاحب کے بارے میں کہا میں جانتا ہوں ان کو:۔

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے ...... یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اس پر میں نے کہا، آزماتے آزماتے اس عمر کو پہونچ لئے، آج اور ایک آزمایئے اور ہاتھ سے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

مجھ سا مشتاق زمانہ میں نہ پاؤگے کوئی

لاکھ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر

ایک صاحب نے کہا ابھی دیکھا ہے آندھیاں آئیں گی، بجلیاں کڑکیں گی، اس پر اس روز مجلس مناظرہ ختم ہوگئی، اگلے روز مناظرہ شروع ہوا، سب سے پہلے چمن قادری صاحب نے پوچھا، کہئے رات کیسی گذری میں نے کہا:۔

رات بھر پھرتی رہی آنکھوں میں تصویر چمن

عین بیداری میں خوابِ آشیاں دیکھا کئے

چمن قادری صاحب نے کہا، کیا خواب دیکھا ہے۔

میں نے کہا:۔

رات کا خواب الٰہی توبہ............آپ سنئے گا! شرمایئے گا

وہ تو ٹھپ ہو لئے، دوسرے صاحب بولے کچھ تو سنایئے!

میں نے کہا:۔

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نڈر ہمدم

گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

آپ نے کہا آندھیاں آئیں گی تو:۔

آندھیوں کو چھیڑ دینا تو بہت آسان تھا

لیکن اب تو دیکھنی ہے بال و پر کی زندگی

حضرت تھانویؒ کی تصنیف ''حفظ الایمان'' کی عبارت میں لفظ ''ایسا'' پر اعتراض کیا کہ لفظ ایسا تو تشبیہ ہی کے لئے آتا ہے۔

اس پر میں نے کہا غلط کہتے ہو بتایئے:۔

ہم ایسے لاپتہ ہیں جس کا دنیا میں پتہ تم ہو

ہمارا بے خبر ہونا خبر ہے مبتدا تم ہو

اس لفظ میں ’’ایسے‘‘ کے ذریعہ کس کوتشبیہ دی گئی ہے:۔

جلوے مری نگاہ میں کون ومکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

اس میں لفظ ’’ایسے‘‘ کے ذریعہ کس کوتشبیہ دی گئی ہے:۔

دل میں ذوق وصل و یاد یار تک باقی نہیں
آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

اس میں لفظ ’’ایسی‘‘ کہاں تشبیہ کے لئے ہے۔

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اس میں لفظ ’’ایسے‘‘ کے ذریعہ کس کوتشبیہ دی ہے:۔

دیر تک تقریر تو کیجئے مگر ایسا نہ ہو
چٹکلوں اور شاعری میں وقت ہی برباد ہو

اس میں لفظ ’’ایسا‘‘ کہاں تشبیہ کے لئے ہے:۔

ایک صاحب کا رنگ کالا، انگریزی لباس، اس پر میں نے کہا:۔

فیشن میں اکڑ پھوں ہے چہروں پہ سیاہی ہے
کالے بھی بنے گورے، کیا شان الٰہی ہے
سورج کی شکایت کیا جب دور نرالا ہو
مشرق میں اندھیرا ہو مغرب میں اُجالا ہو

ایک صاحب نے تقریر میں اے، بی، سی، ڈی، بولنا شروع کیا، اس پر کہا:۔

کجا مکتب، کجا کالج، کجا ملاّ، کجا مسٹر

الف، ب، ت، پرانی ہوگئی ہے اب تو اے، بی، سی

خوش الحانی پھر اس پرشین وقاف انکا معاذ اللہ

کہ قارورہ ہوا کارورہ اور شیشی ہوئی سی سی

ادھر عاشق سے اس کی سی ادھر دشمن سے اس کی سی

غضب ہے ان بتان بوزنہ سیرت کی پالیسی

ایک صاحب نے جوخود بھی بڑے میاں تھے، کہاان بڑے میاں کو دیکھو کیسی باتیں کرتے ہیں، میں نے کہا:۔

بڑی بی میں وہی سب ادائیں ہیں جوانی کی

اسے دیکھا اُسے گھورا ادھر تا کا اُدھر جھانکا

وہ بڑے میاں ایسے خاموش ہوئے کہ اخیر تک کچھ نہ بولے۔

ایک صاحب نے گالیاں دیں، اس پر میں نے کہا:۔

دُشنام یار طبع حزیں پہ گراں نہیں

اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا

لگے منہ بھی چڑانے دیتے دیتے گالیاں صاحب

زباں بگڑی سو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

F.M.Fainal\Jild-1\04-Muqaddama

ایک موقع پر سنایا:۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

سبک سر بن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

ایک موقع پر یہ رباعی سنائی:۔

رضاخانی مراسالے ہمیں جابر ہنہ ازلباس علم وتقویٰ

علی رغم حیاء وشرم دادہ بکفر اولیاء اللہ فتویٰ

ایک موقع پر کہا:۔

مچھلی سمجھ رہی ہے مجھے لقمۂ تر ملا ....صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی !

ایک موقع پر کہا ایک رضاخانی نے کہا ہے:۔

نکیرین آ کے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کس کا ہے

ادب سے سر جھکا کر لوں گا نام احمد رضا خاں کا

ایک رضاخانی نے کہا:۔

کبھی پڑا فلک کو دل جلوں سے کام نہیں

جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

اس کے جواب میں مولانا ارشاد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مبلغ دارالعلوم دیوبند نے کہا، دیکھا مولانا نے کیا معشوقانہ شعر پڑھا ہے، میں نے کہا اسی شعر پر مناظرہ شروع کردیجئے۔

فلک دارالعلوم ہے جس سے کیسے کیسے علماء پیدا ہوئے، آپ ان سے جلتے ہیں، اس

F.M.Fainal\Jild-1\04-Muqaddama

لئے اپنے آپ کو دل جلا کہا ہے، اور اپنا نام داغ رکھا ہے، جو بالکل صحیح ہے، آپ قرآن پر داغ ہیں، حدیث پہ داغ ہیں، فقہ پر داغ ہیں، سنت پر داغ ہیں، شریعت پہ داغ ہیں، طریقت پر داغ ہیں۔

بھاولپور میں مناظرہ ہوا، حضرت سہانپوری قدس سرہٗ کے مقابلہ میں غلام دستگیر تھے، جنہوں نے علماءِ دیوبند کی تکفیر کی تھی، اس موقع پر حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے یہ شعر پڑھا:

غلام دستگیر ارکا فرم خواند
چراغ کذب را نبود فروغے

مسلماں گفتمش اندر مکافات
دروغے را جزائے باشد دروغے

ایک مناظرہ میں کہا تھا:۔

وارفتۂ اُلفت کو الٹا نظر آتا ہے
مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے

خاں صاحب کا کچھ حال ایسا ہی ہے شیطان کے ساتھ حقہ پیا، بندر سے میلا دسیکھا، حضرت تھانوی نے کھیری لکھا اس کو کپورے نظر آتا ہے۔

ایک صاحب کے کوئی شعر پڑھنے پر سنایا:۔

اے سوسن لب بستہ، اے نرگس نو رستہ
کہدو کہیں دیکھے ہوں، اگر ہم سے جگر خستہ

مجنوں کی جہاں گردی، فرہاد کی پامردی
سنتے ہیں مگر دل سا، دیکھا نہیں وارستہ

اے دست کرم اٹھ کرتو اس کو جھکا دینا
ہے شاخ امید اونچی، میں طائر پر بستہ
ایک عمر ہوئی چھوٹی احقر سے غزل گوئی
یہ نالۂ موزوں ہے فریاد برجستہ

ارشاد:۔مولانا مشتاق نظامی نے کہا کہ مولانا محمودالحسن شیخ الہند دیوبندیؒ نے اپنے شیخ کی شان میں شعر کہا ہے:۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذری ابن مریم

یہ ذری کیا چیز ہے صاحب؟ شاید ذرا کا مونث ہوگی، یہ کہا اوران کے اسٹیج سے ایک قہقہہ بلند ہوا، میں نے جواب دیا کہ بعضے الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں،ی، لکھی جاتی ہے، مگر الف پڑھا جاتا ہے، جیسے مصطفیٰ مجتبیٰ،مرتضیٰ،سب کے آخر میں ''ی'' ہے مگر الف پڑھا جاتا ہے،قرآن کریم سورہ واللیل اذا یغشیٰ'' کو پڑھتے جایئے بیس سے زائد الفاظ ایسے ملیں گے کہ جن میں ''ی''،لکھی ہے اور الف پڑھا جاتا ہے،بعضے لفظوں کا املا پہلے ''ی'' کے ساتھ تھا، وہ اب الف کے ساتھ لکھے جاتے ہیں، جیسے جدا ایسے ہی ذرا بھی ہے، بلکہ ذرا تو پڑھا بھی جاتا تھا، ذری، اب اس کا تلفظ بدل گیا،تاہم اگر ''ی'' تانیث ہی کیلئے ہوتو کیا ضروری ہے، کہ ہر جگہ کی ''ی'' کو تانیث ہی کیلئے مانا جائے، ورنہ تو سوال ہوسکتا ہے کہ مشتاق نظامی میں ''ی'' ہے، یہ شاید نظام کی مؤنث ہوگی، حضور نظام حیدرآبادی کی بیوی ہوگی، نظام، نظامی، بے پردہ پھرنے لگی نظام کی بیوی،اس کا نام نیچریوں میں لکھ دیں گے۔ ۱۴۰۸ھ میں حضرت والاؒ کے دارالعلوم زکریا میں تشریف لے جانیکے موقع پر حضرت مولانا مفتی ضیاء الحق صاحب زیدمجدہم مفتی وشیخ الحدیث دارالعلوم زکریا حضرت والاؒ کی مجلس سے متأثر ہوکر اشعار کے ذریعہ اس طرح اپنے اظہارِ خیال پر مجبور ہوجاتے ہیں اور یوں نغمہ سنج ہوتے ہیں۔

بیا بمحفل مفتی اعظم ہند

دلوں پر تم فقیروں کی حکومت دیکھنے آؤ
فقیہ بے بدل کا تاج عظمت دیکھنے آؤ

بہت پیاری ہے یارو مفتی محمود کی مجلس
اگر کچھ ذوق دل میں ہے حلاوت دیکھنے آؤ

پریشان حال کو ملتی ہے تسکین ان کی محفل میں
کہ کامل شیخ سے رکھتے ہیں نسبت دیکھنے آؤ

یہ غنچوں کی چٹک گل کی مہک عنبر صفت محفل
بہارِ آخرت ذوقِ عبادت دیکھنے آؤ

یہ ضبط حافظہ وہبی ہے یہ کسبی نہیں ہرگز
کرامت گر نہ دیکھی ہو کرامت دیکھنے آؤ

شریعت جسم پر نافذ طریقت قلب پر فائز
شریعت ساتھ ہو ایسی طریقت دیکھنے آؤ

عجب پرنور روحانی غذا ہے انکے جلوؤں میں
مسرت اور سعادت دل کی راحت دیکھنے آؤ

اسی محفل سے صوفی کا مشام جاں معطر ہے
رموز عشق احمد سر وحدت دیکھنے آؤ

سنی ہوگی قیامت کی پریشانی خطیبوں سے
ذرا ایوان بدعت میں قیامت دیکھنے آؤ

انہی کے ذہن عالی میں مسائل رقص کرتے ہیں
شعر پر شعر کہتے ہیں یہ قدرت دیکھنے آؤ

یہ استحضار، یہ حاضر جوابی نکتہ سنجی میں
کہ عقل ابن سینا محو حیرت دیکھنے آؤ

انہی کا فیض ہے جاری انہی کی ہر ادا پیاری
ان ہی کا علم ہے بھاری یہ ہیبت دیکھنے آؤ

مسائل اور عبارات اکابران کو ہیں ازبر
میرے پیاروں فقاہت میں نزاکت دیکھنے آؤ

بلند ہے مرتبہ ان کا تواضع کا یہ عالم ہے
کہ مجھ احقر پہ فرماتے ہیں شفقت دیکھنے آؤ

بزرگوں سے محبت ہر وقت دل میں مہکتی ہے
رضا کو چھوڑ دو اس کی محبت دیکھنے آؤ

۱۴۱۰ھ میں دارالعلوم زکریا میں حضرت والا قدس سرہٗ کے تشریف لے جانے کے موقع پر مفتی رضاء الحق صاحب عمت فیوضہم نے حضرت والا قدس سرہٗ کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار ایک نظم (ساقی نامہ) میں بھی کیا ہے:۔

ساقی نامہ

ساقی کا کیا کہنا دیوانہ بناتا ہے
پھر ہوش نہیں رہتا مستانہ بناتا ہے

یہ فیض خلیلی ہے یہ بادِ بہاری ہے
مخمور نگاہوں کا یہ بادہ خماری ہے

ہر ظرف سفالی کو پیمانہ بناتا ہے
ساقی کا کیا کہنا دیوانہ بناتا ہے

ہر علم میں جولانی ہر سانس میں رحمت ہے
اس پھول کی خوشبو میں پوشیدہ لطافت ہے

شفقت سے ستم گر کو جانانہ بناتا ہے
ساقی کا کیا کہنا دیوانہ بناتا ہے

بیمارِ محبت کو دل بھر کے پلاتے ہیں
فرقت کے مریضوں کو سینے سے ملاتے ہیں

اغیار کو الفت کا پروانہ بناتا ہے
ساقی کا کیا کہنا دیوانہ بناتا ہے

گنگوہ کا فیضاں ہے یہ شیخ کی نسبت ہے
یہ ابر ہے محمودی باران محبت ہے

دنیا کی محبت سے بیگانہ بناتا ہے
ساقی کا کیا کہنا دیوانہ بناتا ہے

ہر وقت ضیا پاشی، خلوت میں بھی مسیحائی
ہر لمحہ عطر بیزی، جلوت میں بھی تنہائی

عرفاں کے گلستاں میں میخانہ بناتا ہے
ساقی کا کیا کہنا دیوانہ بناتا ہے

مرشد ہے یہاں کامل جب علم پہ ہے عامل
صیاد ذرا دیکھو ہر مرغ یہاں بسمل

یہ نظم رضا ان کا نذرانہ بناتا ہے
ساقی کا کیا کہنا دیوانہ بناتا ہے

مفسر اعظم و محدث جلیل

حق جَلَّ جَلَالُہٗ نے حضرت والا قدس سرہٗ کو علوم قرآن میں وہ کمال عطا فرمایا تھا کہ بجا طور پر آپ مفسر اعظم تھے۔

اسی طرح علوم حدیث میں وہ مہارت تامہ اور کامل دستگاہ و واقفیت اور علوم کا استحضار تھا جس کی بنا پر آپ بجا طور پر محدث عصر اور محدث جلیل خطاب کے مستحق تھے۔

''فتاویٰ محمودیہ'' اور ملفوظات فقیہ الامت'' اس کے شاہد عدل ہیں۔

علوم قرآن کریم، علوم حدیث سے متعلق حضرت قدس سرہٗ کے بعض ارشادات ملاحظہ ہوں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم
تفسیر قرآن کریم سے متعلق
بعض ارشادات
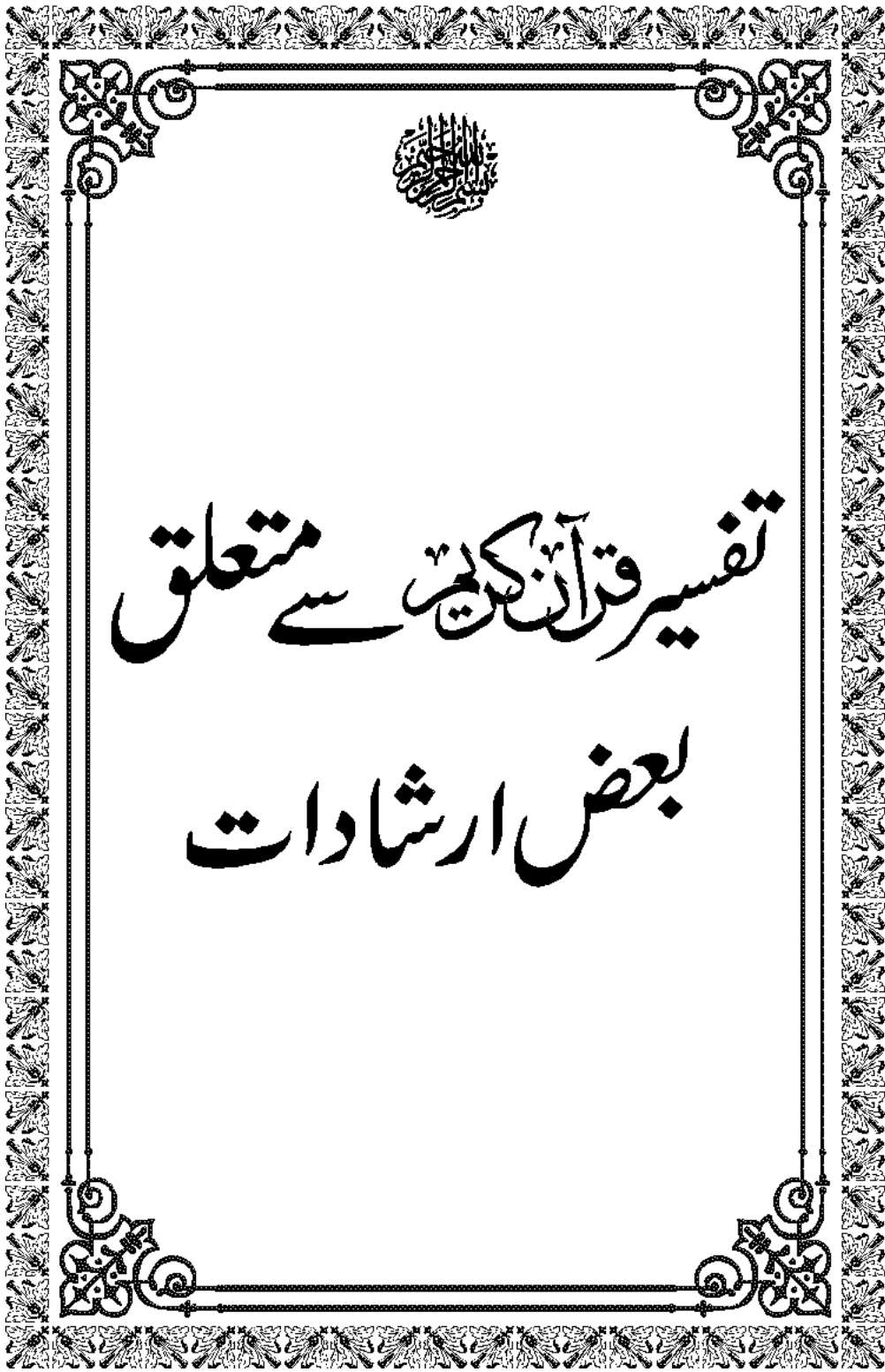
غیر کلام الٰہی کو کلام الٰہی بتلانے پر اختلاف کثیر

س:۔ایک طالب علم نے سوال کیا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ "**لو کان من عندغیر اللّٰہ لو جدو افیہ اختلافا کثیراً**" (یعنی اگر قرآن پاک غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں اکثر اختلاف ہی ہوتا) کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ غیر اللہ کی تصنیف وتالیف کے لئے اختلاف لازم نہیں، بعض تصنیفات غیر اللہ کی ایسی بھی ہوتی ہیں، کہ جن میں تناقض واختلاف نہیں ہوتا۔

ج:۔ارشادفرمایا کہ بعض مفسرین نے تو اس کا جواب یہ دیا کہ آیت میں اختلاف سے مراد اختلاف فی البلاغۃ ہے مطلب یہ ہے کہ مکمل قرآن پاک فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ معیار پر ہے، ایسا نہیں کہ اس میں وہ مختلف ہو کہ بعض اعلیٰ معیار پر ہو اور بعض اعلیٰ معیار پر نہ ہو بخلاف غیر اللہ کے کہ اس کا کلام فصاحت وبلاغت کے ایک معیار پر نہیں ہوتا، چنانچہ شاعروں کے قصیدوں میں اگر کوئی شعر بلاغت کے معتد بہ معیار پر ہوتا ہے، تو کوئی شعر اس سے گرا ہوا بھی ہوتا ہے، اور بعض شعر بلاغت سے خالی بھی ہوتا ہے، پس مفہوم آیت کا یہ ہے کہ اگر قرآن پاک غیر اللہ کا کلام ہوتا تو بلاغت کے ایک معیار پر نہ ہوتا، اس میں ضرور اختلاف ہوتا اور سادہ جواب میرا ہے، وہ یہ کہ اگر قرآن پاک غیر اللہ کا ہوتا اور اس کی نسبت غیر اللہ تعالیٰ شانہٗ کی طرف کرتا اور اس کو کلام الٰہی بتلاتا تو اس میں کثیر تناقض ہوتا تو اس لئے کہ غیر کلام الٰہی کو کلام الٰہی بتلانے والے کے لئے تناقض لازم ہے تاکہ اس کے کلام میں تناقض کو دیکھ کر لوگ کلام الٰہی اور غیر کلام الٰہی میں تمیز پیدا کر سکیں۔

F.M.Fainal\Jild-1\04-Muqaddama

مرزا غلام احمد قادیانی کے کلام میں تناقض

جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے کلام کے بارے میں وحی من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تو اس میں دیکھ لیجئے کتنا اختلاف ہے مثلاً ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ جسد عنصری کے ساتھ آسمان میں موجود نہیں اسلئے کہ کرۂ زمہر پر اور کرۂ نار سے کوئی بشر زندہ بچ کر آسمان پر نہیں جا سکتا، اور نور الحق کے ص ۵۰ پر حضرت عیسی علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ وہ جسد عنصری کے ساتھ آسمانوں میں زندہ موجود ہیں، اسی طرح محمدی بیگم پر عاشق ہوا، اس سے نکاح کا ارادہ کیا اور پیغام دیا اس کے والد احمد بیگ نے انکار کر دیا، تو اس کو متاثر کرنے کیلئے بڑے زور وشور سے اعلان کیا کہ محمدی بیگم کا میرے نکاح میں آنا یقینی ہے، مجھے وحی سے اس کا علم ہوا ہے، اور میں نے بحکم خدا ہی یہ پیغام دیا ہے، اور مجھے خدا نے بتایا ہے، کہ یہ نکاح ضرور ہوگا، اور اگر اس کے گھر والے انکار کرینگے تو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہوں گے، اور خود محمدی بیگم پر بھی آفتیں آئیں گیں، مگر جاننے والوں پر مخفی نہیں کہ مرزا سے اس کا نکاح نہ ہوا بلکہ ایک اور شخص سلطان احمد نامی سے نکاح ہو گیا، اس پر مرزا نے پیشین گوئی کی کہ ہم نے اس کو باندھ دیا ہے، وہ اس سے صحبت نہ کر سکے گا، اور اگر بالفرض صحبت ہوگئی تو اولاد نہ ہوگی، مگر یہ سب کچھ ہوا صحبت بھی ہوئی اولاد بھی ہوئی، اس پر بھی مرزا خاموش نہ ہوا، بلکہ پیشین گوئی کی کہ سلطان احمد روز نکاح سے ڈھائی سال بعد ضرور مر جائیگا، اور محمدی بیگم ضرور بالضرور میرے نکاح میں آئیگی، یہ اللہ

تعالیٰ کی تقدیر مبرم ہے، اسے کوئی بدل نہیں سکتا، اور اگر میری یہ بات غلط ہوجائے یعنی محمدی بیگم میرے نکاح میں نہ آئے اور سلطان احمد وقت مذکورہ بالا پر نہ مرے تو میں جھوٹا اور ایسا ویسا، لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مرزا کے مرنے تک محمدی بیگم سلطان احمد کے نکاح میں رہی، مرزا کے نکاح میں نہ آئی، اور خود سلطان احمد بھی مرزا کے مرنے کے بعد تقریباً تیس سال یا چالیس سال زندہ رہا، اسی طرح پادری آتھم سے مناظرہ ہوا، اس میں جو تحریر لکھی اس میں پیشین گوئی کہ آتھم پندرہ مہینے تک مرجائیگا، مگر جب اس مدت میں نہ مرا تو اس میں تاویل کی کہ میری مراد یہ تھی کہ اس کے گروہ میں سے کوئی مرجائیگا، چنانچہ پادری رائٹ مرگیا حالانکہ تحریر میں صاف طور پر تین مرتبہ لکھا ہے کہ میری مراد فقط آتھم ہے میری مراد فقط آتھم ہے، میری مراد فقط آتھم ہے۔

تفسیر وتاویل

ارشاد فرمایا کہ تفسیر کے معنی ہیں مراد خداوندی کو واضح کرنا اور اس کیلئے تین چیزیں ضروری ہیں اول یہ کہ لفظ کے حقیقی معنی مراد لئے جائیں یا مجاز متعارف اس سے خروج نہ ہو دوم اس کے معنی کو شاہدانِ وحی (حضرات صحابہ کرامؓ) کے قول سے مؤید کرنا، سوم نصوص شرعیہ ظاہرہ کے اس معنی کا خلاف نہ ہونا اگر یہ تینوں چیزیں ہوں تو تفسیر تفسیر ہے ورنہ ایک فوت ہوجائے تو تاویل قریب ہے دو فوت ہوجائیں تو تاویل بعید ہے، اور تینوں فوت ہوجائیں تو تحریف ہے تفسیر عزیزی میں ایسا ہی لکھا ہے۔

اِنَّ الصَّلوٰۃَ تَنْھیٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَر کی سادہ توجیہ

ارشادفرمایا کہ لوگ ارشادباری ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر پر اعتراض کرتے ہیں کہ بہت سے لوگ نمازی ہونے کے باوجود بھی فحشاء اور منکر سے نہیں رکتے میرے ذہن میں اسکی سادہ توجیہ یہ آتی ہے کہ نماز کا کام فحشاء اور منکر سے روکنا بتلایا گیا ہے اب لوگ نہ رکیں تو نماز کا کیا قصور یہ ایسا ہی ہے کہ واعظ لوگوں کو برے کام سے روکتا ہے اسکا کام روکنا ہے لوگ نہ رکیں تو واعظ کا کوئی قصور نہیں۔

بیان حدِ سرقہ میں مرد کو اور حدِ زنا میں عورت کو مقدم رکھنے کا نکتہ

ارشادفرمایا حق تعالیٰ شانہٗ نے حدسرقہ کے بیان میں مردکو مقدم رکھا فرمایا، اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیھِمَا، اور حدزنا میں عورت کو مقدم رکھا فرمایا ''اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُل وَاحِدمنھُمَا مِأتۃَ جَلدَۃ'' اس کا نکتہ حضرت شیخ الہندؒ نے یہ بیان فرمایا کہ ہردومقام (سرقہ وزنا) مقام قباحت ہیں اور مقام قباحت میں اسی کو مقدم رکھا جاتا ہے، جس سے فعل کا صدور زیادہ قبیح ہو زنا کا مدار بے حیائی پر ہے، اور عورت میں حیا زیادہ ہوتی ہے، بہ نسبت مرد کے پس زنا کا صدور اس سے زیادہ قبیح ہے اس لئے حدزنا کے

بیان میں اس کو مقدم رکھا گیا، اور سرقہ کا مدار ضعف اور قوی **علی الکسب** نہ ہونے پر ہے اور مرد میں قوت زیادہ ہوتی ہے پس سرقہ کا صدور مرد سے زیادہ قبیح ہے بہ نسبت عورت کے اس لئے حد سرقہ کے بیان میں مرد کو مقدم رکھا گیا ہے، حضرت تھانویؒ نے اس کی وجہ بیان فرمائی کہ سرقہ کا صدور اکثر مردوں سے ہوتا ہے اس سبب سے کہ وہ مبنی بر جرأت ہے اور جرأت مردوں میں زیادہ ہے اسلئے باب حد سرقہ میں مرد کو مقدم رکھا گیا اور زنا کا صدور اکثر عورتوں سے ہوتا ہے، کہ ابتداء اکثر انہیں کی طرف سے ہوتی ہے، اور بغیر ان کی رضامندی کے نہیں ہوتا اس لئے بات حد زنا میں عورت کو مقدم رکھا گیا۔

بیان القرآن

کسی صاحب کے استفسار پر ارشاد فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کا بیان القرآن تمام متقدمین کی تفاسیر کا خلاصہ ہے۔

روح البیان، خازن، روح المعانی، مظہری

ارشاد فرمایا کہ صاحب روح البیان حاطب لیل (رات میں لکڑی چننے والا) ہے یعنی رطب و یابس (صحیح وضعیف) کو جمع کرنے والا ہے تفسیر خازن میں بھی سب طرح کی روایات ہیں البتہ روح المعانی اور تفسیر مظہری حنفیہ کی تفاسیر میں بہت عمدہ ہیں، حدیث فقہ، تصوف، اور کلام وغیرہ دونوں میں ہیں مگر شان ہر ایک کی الگ الگ ہے۔

آیت وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِناً پراشکال وجواب

ارشادفرمایا کہ مجھ سے ایک عالم صاحب نے سوال کیا کہ آیت وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدً فَجَزَائُہٗ جھنم خَالِدًا فِیْھَا'' کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا کہ جب حکم مشتق پرلگتا ہے، تو مادہ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے، (الحکم المترتب علی مشتق یوجب کون مبدأ الاشتقاق علتہ'' کذافی فتح القدیر ج۵رص۴۲۷رلہٰذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جوشخص کسی مؤمن کواس کے مؤمن ہونے کی وجہ سے قتل کرے وصف ایمان اسکےقتل کاباعث ہوتواس کی سزا''خلود فی النار'' ہےاور ظاہر ہے کہ جو شخص ایمان کی وجہ سے کسی کوقتل کرے وہ ایمان کا دشمن ہے، اس کی سزا ایسی ہی ہونی چاہیئے ،اس پرانہوں نے کہا کہ لو آپ نے تو ہمارے سارے ہی اعتراض ڈھادیئے۔

آیت واذاقیل لھم آمنو کماآمن الناس الخ پراشکال وجواب

ایک طالب علم سے جوجلالین شریف پڑھتے تھےسوال فرمایا کہ ''واذا قیل لھم آمنوا کما آمن الناس قالوا أنومن کما آمن السفھاء' جب ان منافقین سے کہاجاتاہے، کہ اس طرح ایمان لے آؤ جس طرح دوسرے لوگ (مؤمنین) ایمان لائے

ہیں، وہ جواب دیتے ہیں کیا بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آویں ان لوگوں نے حقیقۃً ایمان لانے کو بیوقوفی بتایا جس سے ان کا کفر صراحۃً ثابت ہوگیا، یہ آیت منافقین کے حالات میں ہے، اور منافق اس کو کہتے ہیں جو زبان سے ایمان ظاہر کرے دل میں کفر چھپاوے یہاں خود ان کی زبانی ان کا کفر ظاہر ہو رہا ہے، تو پھر وہ منافق کیسے ہوئے، وہ تو کافر ہوئے، طالب علم نے اپنی لاعلمی ظاہر کی حضرت والا نے فرمایا میں نے اپنے استاذ سے یہ سوال کیا تھا انہوں نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ جب ان منافقین سے مؤمنین کی طرح ایمان لانے کو کہا جاتا تھا تو ایمان کا اقرار کر لیتے تھے، اور اپنے ساتھیوں میں جا کر آپس میں کہتے تھے، **أنومن كما آمن السفهاء** کہ کیا بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آویں کسی نے اشکال کیا کہ سوال تو ان سے کسی مجلس میں ہوا اور جواب دوسری مجلس میں یہ کیسے؟ حالانکہ جس مجلس میں سوال ہوا اصل تو یہی ہے کہ اسی مجلس میں جواب بھی ہو اس پر استاد صاحب نے فرمایا تھا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی طالب علم سے استاد کہتا ہے، عبارت صحیح نہیں پڑھتے مطالعہ نہیں کرتے، طالبعلم اس وقت تو خاموش رہتا ہے، اور جب سبق کے بعد کمرہ میں پہنچتا ہے تو کتاب پٹخ کر مارتا ہے اور ساتھیوں سے کہتا ہے ہم کریں گے مطالعہ ہم سے نہیں ہوتا۔

يُخَادِعُوْنَ اللّٰه پر اشکال وجواب

ایک طالب علم سے سوال فرمایا "يُخَادِعُوْنَ اللّٰه" کے کیا معنی ہیں طالب علم نے جواب دیا وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں ارشاد فرمایا دھوکہ کہتے اصل بات کو چھپا کر کچھ اور بتانا اللہ

کو ہر شی کا علم ہے تو اللہ کو دھوکہ دینے کے کیا معنی ؟ طالب علم نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اور حضرت سے جواب کی درخواست کی حضرت نے ارشاد فرمایا اسکا مطلب یہ ہے کہ) وہ اپنے گمان میں دھوکہ دیرہے ہیں یعنی وہ یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اللہ کو دھوکہ دیرہے ہیں، حقیقت میں اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

مسجدوں میں محراب بنانا کیا بدعت ہے؟

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ سفر میں حضرت مولانا مسیح اللہ صاحبؒ بھی تھے میں بھی تھا، ایک شخص نے سوال کیا کہ نماز میں محراب میں کھڑے ہونا کیسا ہے؟ میں نے کہا مجھے یہ معلوم نہیں، مجھے اس کی تحقیق نہیں، اس پر مولانا مسیح اللہ صاحبؒ نے مجھے گھور کے دیکھا اور فرمایا کہ کیا یہ مسئلہ آپ کو معلوم نہیں، میں نے کہا جی ہاں مجھے معلوم نہیں اس کی وجہ میں نے یہ بتائی کہ یہ مسئلہ متون میں امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے، کہ محراب میں کھڑے ہونا مکروہ ہے، لیکن متون میں تو نفس مسئلہ منقول ہے اس کی علت منقول نہیں، بعد کے حضرات نے اس کی دو علتیں تجویز کی ہیں، بعضوں نے کہا کہ اشتباہِ حالِ امام، بعض نے کہا کہ تشبہ باہل الکتاب شیخ ابن ہمامؒ نے ان دونوں علتوں کو رد کردیا، اول (اشتباہِ حال امام) کا رد تو یہ ہے کہ امام کا مقتدی کے سامنے ہونا ضروری نہیں، ایسی بھی صورتیں ہیں کہ امام مقتدی کے سامنے نہ ہو لیکن اسکے انتقالات کا تکبیرات سے علم ہوتا رہتا ہے، اسکے لئے اقتدا درست ہے، اگر یہ ضروری ہو کہ امام مقتدی کو نظر آتا ہو تو ایسے دو چار مقتدی ہوں گے جن کو امام نظر آتا ہوگا، لمبی صف ہو تو امام اِدھر اُدھر (دائیں بائیں) کہیں سے بھی نظر نہیں آتا تو ان کی نماز نہ ہونی

چاہیئے، دوسری چیز (تشبہ باہل الکتاب) اس کا ردیہ ہے کہ اول تو تشبہ ہے ہی نہیں، اسلئے کہ ان کا امام بلندی پر ہوتا ہے اور ہمارا امام سطح ہموار پر ہوتا ہے، ان کا امام مقتدیوں کی طرف رخ کرتا ہے، اور ہمارا امام قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے، اور اگر تشبہ ہے بھی تو بہت سے بہت ہوگا کہ ایک چیز ان کے یہاں بھی مشروع ہے اور ہمارے یہاں بھی مشروع ہے ہر چیز میں تشبہ کہاں ممنوع ہے "هُمْ يَاكُلُوْنَ وَنَحْنُ ناكُلُ هُمْ يَشْرِبُوْنَ وَنَحْنُ نَشَربُ" وہ کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے پیتے ہیں، اور اشتباہِ حالِ امام کے متعلق یہ بھی کہا کہ اگر محراب ایسی ہو جیسی فلاں علاقہ میں ہوتی ہے تو امام کے حال کا اشتباہ بھی نہیں، شیخ ابن ہمامؒ نے یہ جرح کر دی، بعضے حضرات نے کہا کہ محراب داخلِ مسجد ہی نہیں بلکہ خارج مسجد ہے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر محراب خارج مسجد ہے تو معتکف اگر محراب میں داخل ہو تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جانا چاہیئے حالانکہ اعتکاف اس سے فاسد نہیں ہوتا، بعضوں نے کہا کہ کوفہ میں جو فلاں مسجد تھی اس میں محراب دوسروں کی زمین غصب کر کے بنائی گئی تھی اور اس لئے اس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر اس میں محراب کی کیا خصوصیت ہے، ہر ارضِ مغصوبہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے پھر ہمارے فقہاء اتنے مغفل تو معلوم نہیں ہوتے کہ خاص مسجد میں امام صاحب نے ارضِ مغصوبہ ہونیکی وجہ سے نماز کو مکروہ قرار دیا ہو اور وہ اس کو مطلق لکھتے چلے آئیں، اسی وجہ سے اس پر یہ بھی جرح کی ہے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اگر مسجد کے ساتھ ساتھ محراب بنائی جائے ارض مغصوبہ میں تو نماز مکروہ نہیں، الغرض میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ یہ ہے کیا، اس پر مولانا مسیح اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اچھا یہ مطلب ہے آپ کو نہ معلوم ہو نیکا، میں نے کہا جی ہاں، تو مولانا نے فرمایا کہ محراب بنانا ہی بدعت ہے لفظِ محراب ہی بدعت ہے، یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی (مراد حضرت والا قدس سرہٗ ہیں) کیونکہ

قرآن پاک میں ہے فَلَمَّا دَخَلَ عَلَیْهَا زکریا المحراب وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا، دوسری جگہ فرمایا قَائِماً یُصَلِّی فِی الْمِحْرَاب، تو اس کو کیسے بدعت کہا جائے گا، اس پر بھی اشکال کیا کہ محراب کو بدعت کہنا کیسا ہے، جبکہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے زمانہ سے یہ چیز بلانکیر بنتی چلی آرہی ہے، صحابہؓ کا تعامل اور توارث تو حجت ہے اس کو کیسے بدعت کہا جائیگا اور یہ بھی تو لکھتے ہیں کہ امت میں سب سے پہلے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں، سب سے پہلے محراب انہوں نے بنائی تو سب سے پہلی بدعت انہوں نے ایجاد کی۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو فتاویٰ محمودیہ ص ۶۲ /۱۶۱/ جلد سادس) بس الجھاؤ ہی الجھاؤ ہے، بات سمجھ میں نہیں آتی۔

F.M.Fainal\Jild-1\04-Muqaddama

تراجم بخاری اور جہر بالتامین

ارشادفرمایا کہ بخاری شریف میں ترجمۃ الباب کا دعویٰ ہوتا ہے، اور اس کے تحت ذکر کی جانے والی حدیث اس کی دلیل ہوتی ہے جن کے درمیان بعض جگہ بالکل مناسبت معلوم نہیں ہوتی مثلاً ، ج ا رص ۱۰۸ ر پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے ''باب جہر الماموم بالتامین'' (مقتدی کا زور سے آمین کہنا) اور اس کے تحت حدیث ذکر کی ہے، کہ جب امام **غیر المغضوب علیھم و لاالضالین** کہے تو تم آمین کہو ''**اذاقال الامام غیر المغضوب علیھم و الاالضالین فقولوا آمین** الخ ،، اس سے ظاہر ہے کہ مقتدی کا زور سے آمین کہنا ثابت نہیں ہوتا فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے اس کا جواب یوں دیا کہ حدیث مذکور میں **قولوا** جواب میں قال کے وارد ہے اور جب **قولوا** جواب میں قال کے آتا ہے تو اس سے مراد **قول بالجھر** ہوتا ہے، پس حدیث کے معنی یہ ہوئے کہ جب امام **غیر المغضوب علیھم و لاالضالین** کہے تو تم زور سے آمین کہو، اس طرح ترجمۃ الباب ثابت ہوجائے گا ، میں کہتا ہوں ، کہ اگر یہی بات ہے تو مقتدی کو **ربنالک الحمد** بھی زور سے کہنا مسنون ہونا چاہئے ، اس واسطے کہ ج ا رص ۱۰۹ ر پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، ''باب فضل'' **اللّٰھم ربنا لک الحمد** اور اس کے تحت حدیث ذکر کی ہے، **اذاقال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللّٰھم ربنالک الحمد،** کہ جب امام **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** کہے تو تم **اللّٰھم ربنا لک الحمد** کہو اس حدیث میں بھی ''**قولوا**'' جواب میں ''**قال**'' کے وارد ہوا ہے، پس چاہئے کہ یہاں بھی اس سے ''**قول بالجھر**'' مراد ہو اور تحمید میں جہر مسنون ہو حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

بحالت حدث تلاوت پر امام بخاریؒ کا استدلال

اسی طرح ج ۱؍ ص ۳۰؍ پر باب قائم کیا ہے ’’باب قرأۃ القرآن بعد الحدث‘‘ اور اس کے تحت حدیث ذکر کی، کہ حضرت ابن عباسؓ نے ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے یہاں جوان کی خالہ ہوتی تھیں (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات شب معلوم کرنے کے لئے) ایک رات گزاری حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سوگئے یہ بھی سوگئے یہاں تک کہ نصف شب ہونے پر یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد آپ علیہ السلام بیدار ہوئے اور سورۂ اٰل عمران کا آخری رکوع پڑھا اسکے بعد وضو فرما کر نماز شروع کی حضرت ابن عباسؓ نے بھی ایسا ہی کیا اٰل عمران کا آخری رکوع پڑھا پھر وضو کر کے حضرت نبی کریم ﷺ کی بائیں جانب کھڑے ہوگئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ سے ان کا دایاں کان پکڑ کر اپنی دائیں طرف کھڑا کرلیا، ایک صاحب نے مولانا فخر الدین صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کے پاس لکھ کر بھیجا کہ بظاہر اس حدیث سے ترجمۃ الباب کو کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی اس واسطے کہ استدلال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نیند سے بیدار ہونے کے بعد بغیر وضو تلاوت کرنے سے ہوگا، اور ظاہر ہیکہ اس سے ترجمۃ الباب ثابت نہیں ہوتا کیوں کہ نوم انبیاء ناقض وضو نہیں اور دوسرا کوئی حدث وہاں منقول نہیں، انہوں نے مجھ سے جواب لکھنے کے لئے فرمایا میں نے عرض کیا کہ کیا جواب لکھدوں؟ فرمایا کہ جب آدمی سوکر اٹھتا ہے اور کس مساتا ہے، تو عادۃً خروج حدث ہوجاتا ہے اسی کو کالمتحقق

تصور کرتے ہوئے استدلال کیا ہے، میں نے عرض کیا کہ امام بخاریؒ کبھی سیدھے نہیں چلتے پیترابدل کر چلتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ انکا استدلال اس سے ہے کہ ابن عباسؓ نے بغیر وضو کے قرآن پاک پڑھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، سکوت فرمایا ابن عباسؓ کا بے وضو قرأۃ کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سکوت فرمانا (جو کہ تقریر نبی ہے) دلیل ہے اس بات کی کہ بغیر وضو قرأۃ قرآن جائز ہے، اگر یہ ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ ضرور روک ٹوک فرماتے، جیسا کہ انکے بائیں طرف کھڑے ہونیکو گوارہ نہیں فرمایا اس پر روک ٹوک کی بلکہ ان کا کان پکڑ کر دائیں طرف کھڑا کرلیا، اس پر مولانا موصوف نے فرمایا کہ بس یہی لکھدو۔

ام الصحیحین کی تنقیح

ارشاد فرمایا کہ مؤطا امام مالکؒ کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا ہے، کہ یہ اُم الصحیحین ہے، صحیحین بخاری ومسلم سے سند کے اعتبار سے ارفع اور اصح ہے پھر فرمایا حضرت قدس سرہٗ نے کہ امام محمدؒ نے اس کی تنقیح کی ہے اس میں تین چیزیں ہیں اوّل احادیث مرفوعہ امام محمدؒ نے ان میں سے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے موافق جملہ احادیث کو مؤطا امام محمدؒ میں ذکر کیا ہے اور جو اس میں امام صاحب کے مسلک کے خلاف ہیں، ان کے بالمقابل دوسری احادیث مرفوعہ ذکر کیں، اس طرح مؤطا امام مالکؒ میں کوئی حدیث حدیث مرفوع حنفیہ کے خلاف ایسی نہیں، جس کا جواب

مؤ طا امام محمدؒ میں نہ ہو، دوسری چیز مؤ طا امام مالکؒ میں ہے، آثار صحابہؓ امام محمدؒ نے ان میں سے جملہ آثار امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے موافق ذکر کئے ''کتاب الآثار'' میں اور جو اثر اس میں امام صاحبؒ کے مسلک کے خلاف ہے، اس کے بالمقابل دوسرا اثر ذکر کیا، اس طرح موطا امام مالکؒ میں کوئی اثر حنفیہ کے خلاف ایسا نہیں جس کا جواب کتاب الآثار میں نہ ہو، تیسری چیز مؤ طا امام مالکؒ میں ہے، عمل اہل مدینہ کہ امام مالکؒ اس سے بہت استدلال کرتے ہیں، ان میں سے جو عمل امام صاحبؒ کے مسلک کے موافق ہے، امام محمدؒ نے ان کو ذکر کیا ہے، کتاب الحجۃ میں اور جو عمل امام صاحبؒ کے مسلک کے خلاف ہے، اس کے بالمقابل اس میں دوسرا عمل امام صاحبؒ کے موافق ذکر کیا، اس طرح مؤ طا امام مالک میں کوئی عمل اہل مدینہ سے ایسا مذکور نہیں جو حنفیہ کے خلاف ہو، اور اس کا جواب ''کتاب الحجۃ'' میں نہ ہو۔

الصلوٰۃ معراج المؤمنین کا ماخذ

ارشاد فرمایا کہ میں نے حضرت مدنیؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ کے مکتوبات میں ''الصلوٰۃ معراج المومنین'' کے محمل تو متعدد بتلائے ہیں، مگر اس کا ماخذ نہیں لکھا حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ تو فرمایا کہ اس کے موضوع ہونے پر تو اتفاق نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے تو اختلاف بھی نہیں ملا یعنی یہ روایت حدیث کی کتابوں میں نہیں ملی، پھر فرمایا (حضرت قدس سرہٗ نے) مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ صدر مدرس مدرسہ مظاہر

علوم سہارنپور نے میرے پاس تحریر بھیجی جس میں ''**الصلوٰۃ معراج المؤمنین**'' کے ماخذ کے متعلق ہی سوال تھا میں نے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ سے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی موجودگی میں اس کے متعلق دریافت کیا تو شیخؒ نے فرمایا کہ فلاں فلاں دو کتابوں میں اور دیکھ لو اگر ان میں بھی نہ ملے تو سمجھو کہ موضوع بھی نہیں اس پر حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے فرمایا کہ اچھا کچھ احادیث ایسی بھی ہیں کہ بطون اوراق مطلق متون حدیث ان کی زیارت سے محروم ہیں، نیز فرمایا (حضرت قدس سرہٗ نے) کہ مکتوبات مجدد الف ثانی میں اور امام غزالیؒ کی بعض تصانیف میں یہ حدیث مذکور ہے، مگر ماخذ ان میں بھی مذکور نہیں اسی طرح مکتوبات مجدد الفِ ثانی میں ذکر کی جانے والی احادیث کی تخریج کی گئی ہے اس میں بھی اس کا ماخذ ذکر نہیں کیا گیا۔

محدثین کی احادیث پر محنت

امام طبرانیؒ نے اپنی دوثلث عمر احادیث کے حاصل کرنے میں صرف کی، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس دین کو محفوظ فرمایا، طریقہ ان کا یہ تھا کہ ایک محدث نے احادیث بیان کرنا شروع کی حاضرین اور سامعین سن رہے ہیں، لکھ رہے ہیں، اس سے بحث نہیں کہ کون سے باب کی حدیث ہے، کون سی قسم کی حدیث ہے بلکہ جو کچھ سامنے آتا ہے، اس کو لکھ لیتے ہیں، ان حضرات کا بڑا احسان ہے، جنہوں نے اتنی محنت کر کے تمام حدیثیں جمع کر دیں۔

اس کے بعد کچھ اور محنت شروع ہوئی، ابواب متعین کئے گئے، فلاں باب فلاں باب،

تا کہ اس کے مناسب احادیث ایک جگہ جمع کی جائیں، اس طریقہ پر جمع ہوئیں یہاں تک کہ یہ آپ کی صحاح ستہ کا زمانہ آگیا تو اور زیادہ تحقیق سامنے رکھی گئی، امام ترمذیؒ نے علوم حدیث کو سب سے زیادہ جمع کیا، ان کا طریقہ یہ ہے کہ باب منعقد کرتے ہیں، وہ بمنزلہ دعویٰ کے ہوتا ہے، اسکے ذیل میں حدیث لاتے ہیں، بمنزلہ دلیل کے، جواب اس کے موافق ومطابق ہوتا ہے، اور اسی ایک پر قناعت نہیں کرتے بلکہ یہ بھی بیان کرتے ہیں، عن فلان عن فلانٍ اس باب میں فلاں فلاں صحابی کی حدیث مروی ہے منقول ہے، چاہے وہ احادیث اس درجہ کی نہ بھی ہوں لیکن آپ کو اس کا پتہ بتلا دیتے ہیں کہ فلاں فلاں صحابی سے اس باب میں حدیث منقول ہے، اور اس حدیث سے اس مسئلے میں جو کچھ ائمہ مجتہدین کے اختلافات ہیں ان کو بھی بتلا دیتے ہیں، کہ فلاں امام صاحب کا اس بارے میں یہ مسلک ہے اور فلاں کا یہ مسلک ہے اور اس کی سند میں جو راوی ضعیف ہے یا مجہول ہے اس کو بھی بیان کرتے ہیں، حدیث کے اوپر ایک حکم لگایا جاتا ہے، کہ یہ صحیح ہے یا غریب ہے، حسن ہے ضعیف ہے، ان چیزوں کو بھی ذکر کرتے ہیں غرض علوم حدیث کو سب سے زیادہ امام ترمذیؒ نے بیان فرمایا۔

احادیث کے مختلف درجے

ایک حدیث وہ ہے جس کا تعلق ایمانیات سے ہے، اس کی سند زیادہ قوی ہونی چاہئے، اسکے راوی بھی اعلیٰ درجے کے ہونے چاہئیں جیسے امام بخاریؒ نے کتاب الایمان

مرتب کی، اس میں سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی حدیثیں ہیں، اس کے بعد ایسی احادیث جن سے مسائل کا استنباط ہوتا ہے، ان کے لئے وہ شرط نہیں، وہ اس سے کم درجہ کی ہونگی اس لئے استنباطی روایات کے سلسلے میں تتبع اور تلاش کرنا اور وہ صورت اختیار کرنا جو ایمانیات کی احادیث کے متعلق کی تھی یہ غلط ہے صحیح نہیں۔

اس سے آگے تفاسیر کا درجہ ہے، تفسیر میں اس سے بھی کم درجہ کی حدیث قبول کر لی جاتی ہے، اور اس سے آگے ہے فضائل ومناقب، اس میں اس سے بھی کم درجہ کی روایات کو لیا جاسکتا ہے، چنانچہ جو شرائط ایمانیات کی احادیث میں ہیں وہ فضائل ومناقب میں نہیں پائی جاتیں ان سب سے ادنیٰ وہ روایات ہیں جو تاریخ سے متعلق ہیں ان میں تو بعض دفعہ موضوع روایتیں بھی نقل کر دیتے ہیں، چنانچہ علامہ سیوطیؒ ''**حسن المحاضرۃ فی اختیار اصول المناظرۃ**'' میں ایسی روایتیں بیان کر دیتے ہیں، کہ جن کو خود انہوں نے موضوع کہا ہے۔

خود ہی موضوع کہہ رہے ہیں اور خود ہی کتاب میں نقل بھی کر رہے ہیں، جہاں اس کو موضوع کہہ دیا ہے وہیں اس سے استدلال بھی کیا ہے، اسی لئے ہر جگہ کی روایات پر یکساں حکم لگا دینا غلط ہے۔

روایات لینے کے مختلف طریقے

راویوں سے روایت لینے میں اوران پر جرح کرنے میں بھی طریقے الگ الگ ہیں ایک طریقہ محدثین کا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ حدیث کی روایت کرنے میں کس کا حلقہ بڑھا ہوا ہے، ایک طریقہ فقہاء کا ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ حدیث سے استنباط کرنے کی طاقت کس میں زیادہ ہے تفقہ کس میں زیادہ ہے وہ اس کو ترجیح دیتے ہیں۔

ائمہ اربعہ کا حدیث پر عبور

چاروں اماموں میں افضل اور سب سے بڑے امام، امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں، ان کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی ہے پہلی صدی میں۔

دوسرے امام مالکؒ ہیں ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں ان کی پیدائش ہے۔

تیسرے امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے یعنی دوسری صدی میں چوتھے امام احمد بن حنبلؒ ہیں جو دوسری صدی ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے، ان حضرات کو کوئی شخص نظرانداز کرے یہ درست نہیں، امام ابوحنیفہؒ پیدا ہوئے بلکہ بڑے ہوئے، یہانتک کہ سات یا آٹھ صحابی اس وقت حیات تھے، محدثین امام ابوحنیفہؒ کو تابعی نہیں مانتے، تابعی ماننے کیلئے تیار نہیں، ان کے پندرہ سال بعد امام مالکؒ پیدا ہوئے ان کو تابعی مانتے ہیں، تابعی اس کو کہا جاتا ہے، جو صحابی سے روایت کرے۔

امام بخاریؒ امام احمد کے براہِ راست شاگرد ہیں، امام نسائی بھی شاگرد ہیں، امام احمد بن حنبلؒ کے اور امام احمد بن حنبلؒ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں، امام شافعیؒ امام مالکؒ کے شاگرد ہیں، اور امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ کے معاصر (ہم عصر) ہیں، ان حضرات کے تعلقات آپس میں نہایت خوشگوار تھے، امام شافعیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے فرمایا کہ جب تم کو کوئی صحیح حدیث پہنچے تو اس کی مجھ کو اطلاع کردو تاکہ میں اس کو اپنا مذہب اور مختار بناؤں، امام شافعیؒ زیادہ تر استنباطِ مسائل میں لگے رہتے تھے، ان کا ذہن ادھر متوجہ تھا، رواۃ اور روایت کے جرح وقدح کی طرف متوجہ نہیں تھے، امام احمدؒ زیادہ تر راویوں کی جرح کرتے تھے، وہ احادیث اور رواۃ کے صحت وسقم کی طرف زیادہ متوجہ تھے، اس لئے ان پر اعتماد کرتے ہوئے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب تم کو کوئی صحیح حدیث پہنچے تو اس کی مجھے اطلاع کردو۔

دوسری بات غور کرنے کی یہ ہے کہ جو شخص جس لائن کا ہو اس لائن میں اسی کے پاس زیادہ وقیع اور وزنی چیز ہوتی ہے، محدثین رات دن احادیث کی چھان بین میں لگے رہتے تھے، فلاں روایت ضعیف ہے فلاں صحیح ہے، فلاں کا فلاں سے لقاء ثابت ہے فلاں کا ثابت نہیں، فلاں نے یہ لفظ اس طرح بیان کیا، دوسرے نے اس طرح بیان کیا اس معاملہ میں ان کی بات قوی اور وزنی ہے، اور جو حضرات مجتہدین فقہاء ہیں وہ ان احادیث سے مسائل کے استنباط کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، استنباط کا سلسلہ ان سے جاری ہے اس وجہ سے امام ترمذیؒ نے ترمذی شریف کے ص ١١٨ / پر لکھا ہے کہ "**ھم اعلم بمعانی الحدیث**" فقہاء معانی حدیث کے زیادہ عالم ہیں حالانکہ خود امام ترمذیؒ بڑے اونچے محدث ہیں، لیکن یہاں فقہاء کے اقوال ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ فقہاء حدیث کے معانی کو زیادہ جاننے والے ہیں، لہٰذا جہاں تک راویوں اور روایتوں کی چھان بین کا تعلق ہے وہاں پر محدثین کے اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جہاں تک مسائل کے استنباط اور اجتہاد کا تعلق ہے وہاں پر محدثین سے زیادہ فقہاء کے اقوال کو لیا جاتا ہے۔

دیگر علوم میں مہارت

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا قدس سرہٗ کو تفسیر وحدیث کے علاوہ دیگر علوم میں بھی مہارت تامہ سے نوازا تھا، جس کے شاہد حضرت والا کے فتاویٰ اور ملفوظات ہیں۔

نمونہ طور پر یہاں بعض ارشادات ملاحظہ فرمائیں:۔

F.M.Fainal\Jild-1\04-Muqaddama

ہل بسیطہ اورہل مرکبہ

ایک افریقی طالب علم کا دماغ خراب ہوگیا وہ جلال آباد گیا اور مولانا مسیح اللہ صاحبؒ سے کچھ سوالات کئے حضرت مولانا نے دریافت فرمایا کہ یہ سوالات تم نے کہا سے نقل کئے اس نے کہا مفتی صاحب نے دریافت کئے تھے، وہ سوالات اس کی حیثیت سے اونچے تھے، مولانا نے میرے پاس پیغام بھیجا، کہ کم استعداد والوں سے ایسے سوالات آپ نہ کیا کریں یہ پیغام لے کر آیا تھا، میں نے اسکو جواب دیدیا کہ میں نے اس طالب علم سے پوچھا تک بھی نہیں کسی اور سے بات کرر ہا تھا یہ سن کر اسکو لے اڑے تو اسکی ذمہ داری میرے سر کیا ہے۔

وہ سوالات یہ ہیں:۔

ہل بسیطہ اور ہل مرکبہ درجۂ حکایت میں دونوں وجودِ رابطی کو مقتضی ہیں اور ہل بسیطہ درجۂ محکی عنہ میں وجود رابطی کو مقتضی نہیں، یہ متضمن ہے دو چیزوں کو ایک زید موجود ہے، ایک زید قائم ہے، جب تک زید موجود صادق نہ آئے تو زید قائم صادق نہیں آسکتا، اس لئے وہ محل ہل مرکبہ ہے بخلاف زید موجود کے کہ وہ محل ہل بسیطہ ہے، ثبوتِ شئی لشئی فرع ہے ثبوتِ مثبت لہٗ کی مثلاً زید کے لئے قیام کا ثبوت فرع ہے، اس بات کی کہ پہلے زید کا ثبوت ہو، زید کا ثبوت ہوگا تو اس کے لئے قائم، نائم، قاعد سب چیزیں ثابت کرسکتے ہیں، اگر زید کا ثبوت ہی نہیں ہے تو کوئی چیز بھی کوئی محمول بھی اس کے لئے ثابت نہیں کرسکتے، زید کے لئے قائم ثابت کریں گے تو لامحالہ رابطی ہوگا، اسی طرح زید موجود کو جب درجہ حکایت میں

بیان کریں گے تو یہاں بھی وجود رابطی ہوگا، درجۂ حکایت میں تو ہل بسیطہ اور ہل مرکبہ دونوں وجودِ رابطی کو مقتضی ہوتے ہیں، لیکن درجۂ محکی عنہٗ میں ہلِ مرکبہ تو وجودِ رابطی کو مقتضی ہوتا ہے، لیکن ہلِ بسیطہ وجودِ رابطی کو مقتضی نہیں ہوتا۔

تقدُّم کی اقسام

تقدم کی اقسام پر کلام فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ متقدم متاخر کو جامع ہے یا نہیں، اگر متقدم متاخر کو جامع نہیں ہے، تو تقدم بالزمان ہے، اور اگر متقدم متاخر کو جامع ہے تو دو حال سے خالی نہیں، متقدم متاخر کا محتاج ہے یا نہیں اگر متقدم متاخر کا محتاج ہے تو متقدم اس کے لئے علت تامہ ہے یا علت تامہ نہیں ہے، اگر علت تامہ ہے تو اس کو تقدم بالعلیۃ کہتے ہیں، جیسے طلوع شمس اور وجود نہار۔

اگر متقدم متاخر کیلئے علت تامہ نہیں ہے تو دو حال سے خالی نہیں، متقدم کو متاخر کی احتیاج ہے یا نہیں، اگر احتیاج نہیں ہے تو تقدم بالطبع اور اگر احتیاج ہے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو متقدم متاخر کیلئے احتیاج کسی جعلِ جاعل اور وضع واضع سے ہوگا، یا نہیں اگر کسی وضعِ واضع سے ہے تو اس کو تقدم بالوضع کہتے ہیں، اگر کسی جعلِ جاعل کے دخل کو دخل نہیں ہے تو اس کو تقدم بالشرف کہتے ہیں، ایک اور قسم فلاسفہ نے نکالی ہے، وہ یہ ہے کہ بعض اجزاء زمان کو بعض پر تقدم حاصل ہو اس کو تقدم بالذات کہتے ہیں۔

تقدم بالزمان:۔ کی مثال جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تقدم حضرت عیسیٰؑ پر۔

تقدم بالعلیۃ:۔ جیسے وجود نہار کیلئے طلوعِ شمس، کہ طلوع شمس مقدم ہے، وجود نہار پر۔

تقدم بالطبع:۔ جیسے مفرد مقدم ہے مرکب پر تصور کو تقدم حاصل ہے تصدیق پر۔

تقدم بالوضع:۔ جیسے اگلی حصیر کو مقدم کر دیا دوسری حصیر کو مؤخر کر دیا مؤذن نے۔

تقدم بالشرف:۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تقدم حاصل ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر۔

تقدم بالذات:۔ جیسے ماضی مقدم ہے مستقبل پر، کافیہ میں لکھا ہے **الماضی مادل علی زمان قبل زمانک**[1]

منصورؒ اور فرعون کے دعویٰ انانیت میں فرق

ارشاد فرمایا کہ دو مختلف المفہوم چیزوں کو متحد الوجود کر دینا حمل کہلاتا ہے، جیسے زید اور قائم دو مختلف چیزیں ہیں، ہر ایک کا مفہوم الگ الگ ہے، ان کو متحد الوجود کر دیا کہ قائم کو زید میں فنا کر دیا جس سے دونوں ایک ہوگئے، اس طرح کہ جو زید ہے وہی قائم ہے، اور جو قائم ہے وہی زید ہے، اور **رَبُّکُمُ الاعلیٰ** کا مفہوم اور ہے، اور فرعون نے دونوں کو اس طرح متحد الوجود قرار دیا کہ **رَبُّکُمُ الاعلیٰ** کو اَنَا میں فنا کر دیا، جو واقعہ کے خلاف ہے، اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے اس کی گرفت کی، منصورؒ نے بھی انا الحق کہا مگر دونوں میں فرق ہے، فرعون نے **رَبُّکُمُ الاعلیٰ** کو فنا کیا انا میں کہ رب اعلیٰ تمہارا میں ہی ہوں، اور منصورؒ نے انا الحق کہا تو انا کو فنا کر دیا حق میں کہ میں کچھ نہیں جو کچھ ہے حق ہی ہے، اسی لئے ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔

---

[1] ماضی وہ ہے جو تمہارے زمانہ سے پہلے زمانہ پر دلالت کرے۔۱۲

تسلسل کی تعریف

ارشادفرمایا کہ امور مادیہ مرتبہ موجودہ بالفعل غیر متنازعہ کو تسلسل کہتے ہیں، اس کے بطلان پر فلاسفہ نے ترپین دلیل قائم کی ہیں، جن کو متکلمین نے توڑ ڈالا اور سب کے جوابات دیئے، شمس بازغہ کے آخر میں ایک رسالہ ہے، جس میں یہ سب موجود ہے، مگر اب ایسے عالم ہونے لگے، جن کو شمسِ بازغہ کا نام بھی معلوم نہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ شمسِ بازغہ کس فن کی کتاب ہے اور کس نے لکھی ہے، کہاں پڑھائی جاتی ہے۔

عدد کی تعریف اور اس کی تقسیم

ارشادفرمایا کہ عدد مجموعہ حاشیتین کے نصف کو کہتے ہیں، مثلاً ۳/ کا عدد ایک حاشیہ (طرف) ۲/ ہے اور ایک حاشیہ ۴/ ہے دونوں کا مجموعہ ۶/ ہوا، اور اس کا نصف ۳/ ہے پس یہ عدد ہوا اسی طرح ۱۱/ کا ایک حاشیہ ۱۰/ ہے، اور ایک حاشیہ ۱۲/ ہے، دونوں کا مجموعہ ۲۲/ ہوا، اور اس کا نصف ۱۱/ ہے، تو یہ عدد ہوا، پھر عدد کی تین قسم ہیں، زائد، مساوی، ناقص، اگر عدد کی کسور کا مجموعہ اصل عدد سے بڑھ جائے، تو وہ عدد زائد ہے جیسے کہ ۱۲/ کہ اسکی کسور نصف (۶) ثلث (۴) ربع (۳) سدس (۲) کا مجموعہ ۱۵/ ہے، جو اصل عدد سے زائد ہے اس لئے یہ عدد زائد کہلائیگا، اور اگر کسرات کا مجموعہ اصل عدد کے مساوی ہے، تو وہ مساوی کہلائیگا۔ جیسے ۹/ اس کا ثلث ۳/ ثلثان ۶/ مجموعہ ۹/ ہوا، اور اگر کسرات کا مجموعہ اصل عدد سے کم ہو تو وہ عدد ناقص کہلائے گا، مثلاً ۸/ کہ اس کی کسور نصف ۴/ ربع ۲/ ثمن ۱/ کا مجموعہ ۷/ ہے، جو اصل عدد سے کم ہے اس لئے ۸/ کا عدد ناقص ہوگا۔

قرب، قربیٰ، قربت میں کیا فرق ہے

ارشاد فرمایا کہ قرب، قربیٰ، قربت ان تینوں میں فرق ہے، قرب نزدیک مکان کو کہتے ہیں اور قربیٰ نزدیکی رشتہ کو کہتے ہیں، اور قربت نزدیکی مرتبہ ودرجہ کو کہتے ہیں۔

رؤیت، رأی، رؤیا کا فرق

ارشاد فرمایا رأئی یرأی کے تین مصدر ہیں رویت، رأی، رؤیا تینوں میں فرق ہے وہ یہ کہ رؤیت نظر من العین (آنکھ سے دیکھنے) کو کہتے ہیں" اور رأی نظر من القلب" (دل سے دیکھنے کو کہتے ہیں، اور" رؤیا نظر فی المنام" (خواب میں دیکھنے) کو کہتے ہیں۔

اعداد منقولہ فی الشرع میں رائے کو دخل نہیں

ارشاد فرمایا کہ اعداد منقولہ فی الشرع (مثلاً مطلقہ غیر حاملہ کو تین حیض سے یا تین ماہ سے عدت گزارنا) میں رائے کو دخل نہیں اس لئے ان کی کوئی علت بیان نہیں کی جاسکتی، جو کچھ کسی نے بیان کیا ہے وہ مصالح ہیں علل نہیں۔

فرقہ باطلہ کی سرکوبی

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والاقدس سرہٗ کوفرق باطلہ کی تردید وسرکوبی میں بھی کمال عطافرمایا تھا،ان کے زیغ ضلال سے پورے طور پرواقفیت رکھتے تھے۔

اہل باطل کی کتابوں کا وسیع وعمیق مطالعہ تھا،ان کے تمام مضامین بالکل ازبر تھے، اوران کی تردید کا خاص ملکہ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا کو عطافرمایا تھا،حضرت والاؒ کے فتاویٰ اورملفوظات اسکے شاہد ہیں، یہاں بھی بطورنمونہ فرق باطلہ کی تردید سے متعلق بعض ارشادات پیش خدمت ہیں،تاکہ فرق باطلہ کی سرکوبی وتردید میں حضرت والا کی مہارت تامہ کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

ملاحظہ فرمائیں:۔

ایک قادیانی سے گفتگو

ایک قادیانی سے دلچسپ گفتگو

ارشادفرمایا کہ گنگوہ میں ایک شخص قادیانی آیااس نے اپنی قادیانیت کی تبلیغ شروع کی، وہاں آپس میں ہم نے کہا کہ یہ بڑی گڑبڑ کی بات ہوگئی، اپنے ایک آدمی کواس کا مرید بنوادیا، اس کی ساری توجہ اس مرید کی حدتک محدود رہی، اور جو بات ہوتی وہ مرید سے پوچھ کراس کے مشورہ سے ہوتی، حضرت گنگوہیؒ کے ایک نواسہ تھے حافظ محمد یعقوب صاحبؒ ان کی بیٹھک میں لوگ آکر بیٹھا کرتے تھے، تو پیر مرید دونوں نے مل کر یہ طے کیا کہ اگر حافظ محمد یعقوب صاحب قادیانی ہوجائیں تو بہت لوگ قادیانی ہوجائیں گے، آپس میں مشورہ کرکے طے کیا کہ ان کے لئے کوشش کی جائے، مرید نے ہمیں بھی بتادیا کہ آج یہ طے ہوا ہے، سردیوں کا زمانہ تھا، حافظ محمد یعقوب صاحب رضائی اوڑھ کر دھوپ میں لیٹ گئے، میں ایک مونڈھے پر بیٹھا، قادیانی ایک مونڈھے پہ بیٹھا، ایک پہ مرید بیٹھا، اب مرید نے پوچھنا شروع کیا، یہ بتایئے کہ کلمہ سب نبیوں کا یکساں ہے یا الگ الگ ہے، یہ میری تعلیم کا آخری سال تھا، میں نے کہا بھائی، کلمہ اور کلام کی یہ بحث تم نے کیا چھیڑدی، یہ تو نحوی لوگ کیا کریں الکلمة لفظ وضع لمعنی مفرداً کیا تعلق اس سے، تھوڑی دیر تک تو اس سے تفریح کرتے رہے، پھر کہا پہلے جز لاالہ الااللّٰہ میں سب کا اشتراک تھا، اور دوسرے جز میں ہر نبی کی نبوت کا تذکرہ تھا، مرید نے کہا کہ دیکھئے آپ نے اب بتادیا اطمینان ہوگیا، پھر مرید نے کہا کہ اچھا وہ جو پنجاب میں ایک حضرت نبی صاحب ہوئے ہیں، یہ کہتے ہوئے

اُسے ہنسی بھی آئی، کیونکہ وہ ضمیر کے خلاف کہہ رہا تھا، میں نے کہا کہ پنجاب میں کون نبی ہوا ہے؟ عرصہ ہوا نبوت ختم ہوئے، نبوت کا دروازہ تو بند ہوگیا، اس نے کہا جی نہیں نبی ہوئے ہیں، میں نے کہا، ارے وہ کمبخت ملعون غلام احمد کو کہہ رہے ہو کیا؟ اب وہ گُرو بولا، جی نہیں ایسا نہ کہئے، وہ تو بہت اچھے آدمی تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا (حضرت والا) ان کی گفتگو کا جو کچھ محور ہوتا ہے، وہ حیات عیسیٰؑ ہوتا ہے، بات کہیں کی کہیں چلتی رہتی ہے، اور وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوگیا، میں نے کہا کہ اگر انتقال ہوگیا تو کیا ہوگیا، اگر نہیں ہوا تو اور چند روز بعد وفات ہوجائے گی، اس دنیا میں جو آیا ہے وہ وفات پانے کے لئے آیا ہے، لیکن مرزا کی نبوت سے اس کا کیا تعلق، وفات ہو عیسیٰ علیہ السلام کی اور ثبوت ہو مرزا کی نبوت کا، مارے گھٹنہ پھوٹے سر، خیر آباد خیر (حضرت والاؒ نے فرمایا) کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔

قادیانی:۔قرآن شریف میں ہے "یعیسیٰ انی متوفیک" اے عیسیٰ میں تجھے موت دوں گا۔

حضرت والا بتاؤ:۔کہاں لکھا ہے، موت دینے کے معنی میں؟

قادیانی:۔مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ترجمہ لکھا ہے۔

حضرت والا:۔دکھاؤ، قرآن شریف وہیں موجود تھا، اس میں یہ لفظ موت نہیں تھا۔

قادیانی:۔اس کے معنی ہیں تجھے قبض کرلونگا۔

حضرت والا:۔قبض کے معنی اور ہیں، موت کے معنی اور ہیں۔

قادیانی:۔قبض کرنے کے معنی موت ہی کے تو ہیں۔

حضرت والاؒ:۔ سبحان اللہ یہ حافظ محمد یعقوب عجیب ہیں کہ جب یہ کہیں کہ تمہیں قبض ہورہا، کیا اس کے معنی یہ ہیں، کہ موت آرہی، فلاں نے فلاں نے فلاں کی زمین پر قبضہ کرلیا، تو اس کا کیا مطلب، کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ موت آ گئی، تلوار کا قبضہ، چاقو کا قبضہ، کیا ان سب الفاظ میں قبضہ موت کے معنی میں ہے، حضرت عیسی علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پہ اٹھایا۔

قادیانی:۔ توفی کے معنی جبکہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو اور اس کا مفعول ذی روح ہو تو اس کے معنی صرف موت کے آتے ہیں۔

حضرت والا:۔ ''**اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا**'' اللہ تعالیٰ جس کو موت دیتے ہیں اس کی توفی کر لیتے ہیں، اور جس کی زندگی باقی ہے تو نوم کی حالت میں اس کی توفی ہوتی ہے، کیا اس کے معنی یہ ہونگے کہ جہاں نیند آئی آدمی مرگیا۔

قادیانی:۔ مردہ اور سویا ہوا تو برابر ہی ہوں۔

حضرت والا:۔ اچھا مردہ کی جائداد تقسیم ہوتی ہے، اس کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے، رات کو باپ سویا صبح ہوتے ہی اسکے بیٹے اس کی جائداد تقسیم کرلیں گے کہ وہ تو مرگیا، اگر مردہ اور سوتا ہوا برابر ہوتے ہیں تو آپ سویئے، میں آپ کے لاٹھی مارتا ہوں اور ایک لاٹھی مردہ کو مارتا ہوں، آپ کو تکلیف تو نہیں ہوگی۔

قادیانی:۔ آئیں آئیں، اگر آپ مجھے ماریں گے، تو آپ کو گناہ ہوگا۔

حضرت والاؒ:۔ مسئلہ تو حل ہوجائے گا، پھر اگر عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ موت

دیتے اور اس میں ان کی تسلی ہوتی کہ اے عیسی گھبراؤمت میں تمہیں موت دونگا، تو ایک بات تھی مگر موت سے کہیں تسلی ہوا کرے؟ یہودی ان کو قتل کرنا چاہتے تھے، ان سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں توفی کرلوں گا، اسکے معنی یہ ہیں کہ میں زندہ آسمان پر اٹھالونگا تم ان کے ہاتھ ہی نہیں لگنے کے، اور اس سے مراد موت ہے تو اس سے کیا تسلی ہوتی، موت سے تو آدمی بھاگا پھرتا ہے " قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ " (آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آپکڑے گی (بیان القرآن) آدمی تو اس سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے یہاں تسلی کی کیا بات ہوسکتی ہے، اور اگر یہودی بھی قتل کردیتے، کیا مضائقہ تھا شہادت کا درجہ ملتا۔

قادیانی: ۔نہیں، نہیں قتل ہونا تو لعنت کی موت ہے۔

حضرت والا: ۔اچھا کیا قتل ہونا لعنت کی موت ہے، حضرت عمرؓ کو قتل کیا گیا، غزوۂ احد میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے، غزوۂ بدر میں ۱۴ رصحابہؓ شہید ہوئے کیا یہ سب لعنت کی موت مرے۔

قادیانی: ۔ نبی کے حق میں قتل ہونا لعنت کی موت ہے۔

حضرت والا: ۔حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کیا گیا، اور کتنے انبیاء کو قتل کیا گیا، روایات میں لکھا ہے کہ یہودیوں نے ایک دن میں ۷۰ رانبیاء کو قتل کیا ہے، علماء نے منع کیا کہ کیا غضب کررہے ہو، تمہارے اوپر عذاب نازل ہوگا، تو یہودیوں نے کہا کہ یہ علماء بھی نبیوں کے دُم چھلے ہیں، لہٰذا ان کو بھی ان کے ساتھ چلتا کرو، چنانچہ علماء کو بھی قتل کیا۔

قادیانی: ۔تفسیروں میں بہت باتیں غلط لکھی ہوئی ہیں، تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت د

اؤدعلیہ السلام نے ایک شخص کی بیوی سے زنا کرنے کے لئے اس کے شوہر کو قتل کرادیا تھا۔

حضرت والا:۔ بتاؤ کونسی تفسیر میں لکھا ہے؟

قادیانی:۔ کیا حضرت داؤدعلیہ السلام نے اس کو لڑائی میں نہیں بھیجدیا تھا، اور کاہے کے واسطے بھیجا تھا۔

حضرت والا:۔ سبحان اللہ کیا جس کو لڑائی میں بھیجا اسواسطے کہ وہ وہاں مرجائے گا، قتل ہوجائے گا، اوراس کی بیوی سے زنا کرینگے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو سرایا میں بھیجا، کیا اسی واسطے بھیجا تھا، کیا بھیجنے کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

قادیانی:۔ زنا نہیں، یہ مطلب نہیں بلکہ بیوی کو رکھ لے۔

حضرت والا:۔ اللہ کے بندے، کہاں نکاح کرکے بیوی بنا کر رکھنا، کہاں زنا کرنا، کیا تمہارے نزدیک نکاح اور زنا میں فرق نہیں؟ قادیان میں اسی طرح ہوگا۔

قادیانی:۔ تفسیر میں بہت باتیں غلط لکھی ہیں۔

حضرت والا:۔ قرآن میں تو غلط نہیں لکھا، قرآن پاک میں ہے "**یقتلون النبیین بغیر الحق**" یہود نبیوں کو قتل کرتے تھے۔

قادیانی:۔ وہاں تو نبیوں سے مراد علماء ہیں۔

حضرت والا:۔ جی ہاں اب سمجھ میں آ گیا نبیوں سے مراد جہلا ہیں، آپ کے نزدیک غلام احمد قادیانی جیسا نبی ہوتا ہے، تو اس سے ایسے ہی جاہل لوگ مراد ہوں گے، بس آپ نے ٹھیک کہا، اچھا دوست یہ تو بتاؤ؟ کہ محمدی بیگم کا کیا قصہ تھا، کتنے عرصے تک قادیانی صاحب اس کے فراق میں رہے؟

اور عبداللہ آتھم کا کیا قصہ تھا؟ عبداللہ آتھم سے مناظرہ ہوا، مناظرہ کے بعد مرزا نے

پیشین گوئی کی بذریعہ الہام کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے وہ سترہ مہینہ کے اندر اندر مرجائے گا، آتھم ضرور مرجائے گا، وہ نہ مرا تو میری ٹانگ میں رسی باندھ کر مجھے امرتسر کے بازار میں گھسیٹا جائے، اور ذلیل وخوار کیا جائے، مرزا نے عدالت میں کھڑے ہوکر بذریعہ وحی یہ پیشین گوئی کی سترہ مہینے گذر گئے آتھم نہیں مرا لوگ رسی لیکر آئے کہ تیرے پیر میں باندھ کر تجھے امرتسر کے بازار میں گھسیٹنا ہے تو کہتا ہے کہ میری مراد اس سے یہ تھوڑا ہی تھی کہ آتھم ہی مرجائے گا، بلکہ اس کے گروہ کا کوئی آدمی مرجائیگا، چنانچہ پادری رائٹ مرگیا جو اس کا ساتھی تھا، پھر وہ رجسٹر دیکھا جسکے اندر پیشینگوئی کر کے اس نے دستخط کئے تھے، میری مراد فقط آتھم ہے، فقط آتھم ہے، فقط آتھم ہے، کہ وہ سترہ مہینہ کے اندر اندر مرجائے گا۔

قادیانی:۔انہوں نے تو اسمیں یہ قید لگادی تھی، کہ بشرطیکہ آتھم حق کی طرف رجوع نہ کرے۔

حضرت والا:۔تو کیا آتھم مسلمان ہوگیا تھا، اور حق کی طرف رجوع کرلیا تھا۔

قادیانی:۔یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ مسلمان ہوجائے۔

حضرت والا:۔اچھا کیا آپ کے یہاں اسلام کے علاوہ کوئی اور مذہب بھی حق ہے؟ ہاں قادیانی کا مذہب آپ کے یہاں حق ہوگا، ٹھیک ہے۔

قادیانی:۔پھر مرزا صاحب نے اس سے (آتھم سے) کہدیا تھا کہ اب تو نہیں بچیگا، چنانچہ وہ مرگیا۔

حضرت والا:۔اسی وقت مرا یا بعد میں مرا؟ میں بھی کہتا ہوں تو بھی نہیں بچے گا، جب بھی مرے گا، بچے گا کہاں۔

F.M.Fainal\Jild-1\04-Muqaddama

قادیانی:۔ علمی باتوں کی منطق کا ہمارے مبلغ جواب دیں گے۔

حضرت والاؒ:۔ میں نے کہا اچھا بے علم کے سہی، دیکھو نبی کو تو اللہ تعالیٰ پڑھا کر بھیجتے ہیں بذریعہ فرشتہ اسکے پاس علم بھیجتے ہیں، دنیا میں آکر نبی کسی سے پڑھا نہیں کرتا، اور یہ غلام احمد قادیانی حافظ رحیم بخش کے یہاں پڑھا کرتا تھا، اور جب سبق یاد نہیں ہوتا تھا تو وہ بھاگ جاتا تھا، اور لونڈے پکڑ کر لایا کرتے تھے، ایک ہاتھ ایک نے پکڑ رکھا ہے، ایک پیر ایک نے پکڑ رکھا ہے، ڈنڈا ڈولی کرتے ہوئے، گھسیٹتے ہوئے مُکّے مارتے ہوئے، اسے لایا کرتے تھے، کیا ایسا آدمی بھی نبی ہوسکے؟ کیا وہ لونڈے یہ نہیں کہیں گے کہ ہم تو کل تیری یہ گت بنایا کرتے تھے، اور اب تو نبی بنا بیٹھا ہے، اور جب مرزا کو سبق یاد نہیں ہوتا تھا، تو کان پکڑ کر بٹھا دیا کرتے تھے۔

قادیانی:۔ آئیں آئیں، وہ تو سبق یاد کرلیا کرتے تھے، کان وان نہیں پکڑوایا کرتے تھے۔

حضرت والاؒ:۔ کیا آپ اس کے ساتھی تھے، آپ کو کیا خبر؟

قادیانی:۔ انہوں نے (مرزا نے) استاذ کی مار نہیں کھائی۔

حضرت والا:۔ اگر اس نے استاذ کی مار نہیں کھائی تو اس کو علم نہیں آیا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے:۔

شعر:۔ ہر آں طفلے کہ جورِ آموزگار...... نہ بیند جفا بیند از روزگار[۱]

نبی کی شان یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت کیلئے تشریف لیجاتے اور جب فارغ ہوکر واپس تشریف لاتے تو صحابہؓ دیکھتے کہ وہاں کچھ پڑا ہوا تو نہیں

---

[۱] جو بچہ استاذ کی مار نہیں کھاتا، وہ زمانہ سے سختی دیکھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کو علم نہیں آتا، اس لئے اہل زمانہ اس کے ساتھ سختی کا معاملہ کرتے ہیں۔

ہے فضلہ، تو ان کو کوئی فضلہ نہیں ملتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی کے فضلہ پر کسی کی نظر نہیں پڑتی، وہ محفوظ رہتا ہے، نبی کی شان تو یہ ہے، اور مرزا کا تو یہ حال تھا کہ بیت الخلاء میں گر کے مرا، اس کے منہ سے پاخانہ نکلا، اس کا یہ حال ہوا، (کسی نے حضرت والاؒ سے سوال کیا کہ غسل خانہ میں مرا یا بیت الخلاء میں، تو فرمایا کہ اس میں دونوں ہی تھے، یقین نہ ہو دیکھ لیجو)۔

قادیانی:۔آپ تو ایسی باتیں کرتے ہیں جیسے بازار کے شُہدّے کرتے ہوں۔

حضرت والا:۔نہیں، بازار کے شہدوں کی باتیں کرتا ہوں، اچھا ذرا یہ تو بتاؤ کہ کیا آج تک کانا (بھینگا احول) بھی نبی ہوا ہے؟

قادیانی:۔نہیں!

حضرت والا:۔مرزا تو کانا تھا، آپ نے تو (اس قادیانی کو خطاب فرما کر) جلالت شان کیوجہ سے ان کے چہرے کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھائی ہوگی، فوٹو میں دیکھ لو، اس کی آنکھ میں پھولا ہے۔

قادیانی:۔نہیں، انکا فوٹو تو بہت صاف ہے۔

حضرت والا:۔کیا فوٹو اتروایا تھا، فوٹو اتارنا حرام ہے۔

قادیانی:۔ولایت بھیجنے کے لئے اتروایا تھا۔

حضرت والا:۔کیا ولایت بھجوانے کیلئے اتروانا جائز ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو سارے عالم کیلئے نبی تھے، کہیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا فوٹو نہیں بھیجا۔

گفتگو بر توسیع قدرت

گفتگو برتوسیع قدرت

فرمایا ایک روز کانپور میں کوئی بریلوی صاحب آگئے، ان کے ساتھ دوتین معتقدین بھی تھے، آتے ہی انہوں نے سوال کیا آپ کا خدا جھوٹ بول سکتا ہے، یانہیں؟ میں نے ان سے کہا دیکھو بھئی بات کو بگاڑنا کوئی شریفانہ کام نہیں، بات صرف اتنی ہے، کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ نے فتاویٰ رشیدیہ، ص۱۰ رج ارمیں لکھا ہے کہ جس شخص کا نام لیکر اللہ تعالیٰ نے فرمادیا یہ جہنمی ہے اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں بھیجیں گے (جیسے ابولہب) جنت میں نہیں بھیجنے کے، لیکن وہ جنت میں بھیجنا چاہے تو اسے کوئی روک بھی نہیں سکتا، وہ قادر ہے، بس اتنی سی بات ہے، تم نے اس پر کہہ دیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے، وہ کہنے لگے مجھے تو ہاں یانہیں میں جواب چاہئے، خدا جھوٹ بول سکتا ہے یانہیں؟ اور کچھ نہیں چاہئے، میں نے کہا بعض بات نفس الامر میں صحیح ہوتی ہے، اس کے باوجود اس کا زبان سے نکالنا خلافِ ادب ہوتا ہے، مثلاً سب جانتے ہیں کہ انبیاء کا خالق اللہ ہے، فرشتوں کا خالق اللہ ہے، تمام حیوانات کا خالق اللہ ہے، بندر اور خنزیر کا بھی خالق اللہ تعالی ہے، لیکن علماء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالق القردۃ والخنازیر نہیں کہنا چاہئے، کہ اسمیں سوءادب کا پہلو ہے، انہوں نے کہا آخر یہ ہڈی آپ کے حلق میں اٹکی ہوئی کیوں ہے؟ ہاں یانہیں میں جواب کیوں نہیں دیتے، میں نے کہا معلوم ہوتا ہے، خمیرہ گاؤ زباں عنبری، جواہر مہرہ موافق مزاج نہیں، کچی اوجھڑی کی ضرورت ہے وہ بھی بغیر صاف کی ہوئی، بتلائیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو منہ دیا ہے منہ میں

دانت ہیں، دانتوں میں تیزی ہے، چبانے کی طاقت ہے، زبان بھی دی ہے، حلق بھی دیا ہے، لعاب بھی ہے، بتلائیے اگر ایک چمچہ انڈے کے حلوے کا آپ کے منہ میں ڈالا جائے تو کھا سکتے ہیں، ایک چمچہ گاجر کے حلوے کا دیا جائے تو کھا سکتے ہیں، لیکن اگر ایک چمچہ بلی کے پاخانہ کا آپ کے منہ میں ڈالا جائے تو اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

دیکھئے کھائیے گا نہیں، مسئلہ بھی یہی بتلاؤں گا، مشورہ بھی یہی دونگا، سوال صرف اتنا ہی ہے کہ اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ایسا تو نہیں کہ بلی کے پاخانے کا چمچہ منہ میں گیا منہ سارا پتھر بن گیا، دانتوں کی تیزی ختم ہوگئی، لعاب سب ختم ہوگیا، حلق کا پھاٹک بند ہوگیا، اس لئے بتلائیے کہ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے اِدھر اُدھر کی ہانکنا شروع کی میں نے کہا آخر بلی کے پاخانے کا چمچہ آپ کے منہ میں اٹکا ہوا کیوں ہے؟ اسے اُگلئے یا نگلئے۔

گفتگو بر علم نبوت

اس کے بعد انہوں نے کہا آپ لوگ کہتے ہیں شیطان کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ تھا، میں نے کہا بعد میں دیکھ لیں گے، کس کا علم زیادہ تھا، ابھی تو چمچہ کی بات ہورہی ہے، کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج پہلی مرتبہ منہ میں بلی کا پاخانہ گیا ہے، بہت ہی لذیذ معلوم ہورہا ہے، اس لئے اس کو منہ میں رکھتے ہوئے آپ نے دوسرا مسئلہ چھیڑا تاکہ اس کا ذائقہ حاصل کرتے رہیں، پھر کہا کیوں بھئی کیا میں نے کہا شیطان کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، کیا میرے کسی فتوے میں دیکھا؟ اگر نہیں تو

پھر بے سند بات میری طرف منسوب کرنیکا کیا حق ہے؟ میرا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شان نبوت کے لائق ذات وصفات اور عالمِ آخرت کے
متعلق اتنے علوم عطا فرمائے کہ تمام جن وبشر اور تمام ملائکہ کے علوم آپ کے علم کے مقابلہ
میں بمنزلہِ قطرہ کے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ایک بڑے سمندر کی طرح ہے، اور
میرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اس سے بھی زیادہ ہے، اسکی کوئی نسبت قائم ہی نہیں کی
جاسکتی، یہ ان علوم سے متعلق ہے جو شانِ نبوت کے لائق ہوں، رہا لغویات کا علم وہ کسی کے
پاس زیادہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرق نہیں آتا، اس پر انہوں نے کہا یہی وہ
چیز ہے جس کو آپ لوگ چھپاتے ہیں، جس کا علم زیادہ ہوگا وہ افضل ہوگا، میں نے کہا چاہے
کسی قسم کا علم ہو انہوں نے کہا ہاں علم تو علم ہی ہے؟ میں نے کہا دیکھو سڑک پر بیٹھ کر جوتی
گانٹھنے والا چمار ایسی صفائی سے جوتی گانٹھ دیتا ہے، کہ بادشاہِ وقت بھی نہیں گانٹھ سکتا تو کیا
اس چمار کو افضل کہو گے، بادشاہ وقت سے؟ چور ایسی صفائی سے چوری کرتا ہے، اس طرح
جیب کاٹتا ہے کہ بڑے بڑے عالم نہیں کاٹ سکتے، کیا چور افضل ہو جائیگا؟ انہوں نے کہا اس
میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟ بات ظاہر ہے، اس پر میں نے کہا تو ممکن ہے کہ بریلی کے چمار
افضل ہوں، اعلیٰ حضرت سے بریلی کے چور افضل ہوں، اعلی حضرت سے اچھا یہ بتایئے
آدمی کے پاخانہ کا ذائقہ آپ کو زیادہ معلوم ہے یا سور کو؟ اور آپ کو تو فرصت نہ ہوگی، کیونکہ
بلی کے پاخانہ کا چمچہ آپ کے منہ میں موجود ہے، خانصاحب سے پوچھئے کہ آدمی کے پاخانہ کا
ذائقہ خانصاحب کو زیادہ معلوم ہے یا سور کو؟ اگر اعلی حضرت کو زیادہ معلوم ہو تو ہم کہیں گے
اعلی حضرت افضل ہیں، سور سے آدمی کے پاخانہ کے ذائقہ کے بارے میں اور اگر نہیں تو ہم

کہیں گے خانصاحب سور سے بھی گئے گذرے ہیں، سوران سے افضل ہے، اب ان کو غصہ آ گیا کہنے لگے آپ کو شرم نہیں آتی، ایسی باتوں سے، میں نے کہا اچھا جب اللہ تعالیٰ کے متعلق پوچھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ اس وقت شرم نہیں آئی تھی؟ اب جو خانصاحب کے منہ میں پاخانہ گیا تو شرم آنی شروع ہوگئی۔

کیا حضور ﷺ مجلس میلاد میں تشریف لاتے ہیں

پھر انہوں نے کہا، آپ لوگ کہتے ہیں مجلس میلاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لا سکتے میں نے کہا وہ بعد میں دیکھا جائے گا، پہلے یہ بتائیے کہ ایک لائن میں کھڑے ہوئے ہیں، ایک کا نام سور، ایک کا نام احمد رضا خاں، ان میں سے کون زیادہ عالم ہے، آدمی کے پاخانہ کے ذائقہ کا اسے پہلے حل کر لیجئے، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بلی کا پاخانہ آج عمر بھر میں پہلی مرتبہ آپ کے منہ میں گیا ہے، اسی طرح خانصاحب کے منہ میں پہلی مرتبہ آدمی کا پاخانہ گیا ہے، اس لئے اس کو اپنے منہ میں رکھے ہوئے، اگلا مسئلہ چھیڑتے ہیں، بھئی مجلس میلاد کے بارے میں بھی بات بگاڑی گئی ہے، بات صرف اتنی ہے کہ مجلس میلاد کے ختم پر تم لوگ قیام کرتے ہو، تم سے پوچھا جائے کہ قیام کیوں کرتے ہو؟ تو کہتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا دو طرح سے ہوسکتا ہے، ایک تو یہ کہ کسی حدیث میں فرمایا ہو کہ جہاں کہیں مجلسِ میلاد ہوتی ہے میں وہاں جا کر شرکت کرتا ہوں، ایسی کوئی مستند حدیث ہو تو بتلاؤ؟ اور دوسری شکل یہ ہے کہ تمہیں نظر آتا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، جب یہ دونوں باتیں نہیں تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنیکا حق کیا ہے؟ یہ تو "**من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعدهٗ من النار**" (مشکوٰۃ شریف ص۳۲ر جس شخص نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اس کو چاہئے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے) کی زد میں آتا ہے، پھر انہوں نے کہا جو شخص ہر جگہ پہنچ جاتا ہے، وہ زیادہ افضل ہوتا ہے، شیطان تو ہر جگہ پہنچ جاتا ہے، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پہنچ سکتے میں نے کہا خدا تمہیں ہدایت دے شیطان تمہارا مقتدا اور رہنما ہے قرآن وحدیث سے تمہیں دلیل نہیں ملتی، ملتی ہے تو شیطان سے؟ اچھا یہاں بھی معلوم ہوتا ہے کہ اوجھڑی کی ضرورت پیش آئیگی ایک بات بتلائیے کہ ایک چھوٹی سی بیت الخلاء کی نالی جس میں مختلف قسم کی غلاظت بہتی ہے، چھچھوندر اس میں گھس جاتی ہے، اپنی حاجت پوری کرنے کیلئے، کیا تم بھی اس میں جاسکتے ہو؟ تم نہیں تمہارے والد بزرگوار بھی گھس جائینگے اتنا بڑا سر لئے ہوئے تو ہم کہیں گے چھچھوندر افضل نہیں ہے، تمہارے والد سے اسواسطے کہ یہ بھی پہنچ گئی، وہ بھی پہنچ گئے، دونوں برابر ہیں، اور اگر چھچھوندر چلی گئی اور آپ کے والد صاحب نہیں جاسکے، تو ہم کہیں گے کہ چھچھوندر آپکے والد صاحب سے افضل ہے، بس ناراض ہوگئے، اُٹھ کر چلدیئے، میں نے کہا مہربان ذراسی بات اور سنتے جایئے؟ آپ کو مذہبی چھیڑ چھاڑ کا بہت شوق معلوم ہوتا ہے، آئندہ جب کبھی طبیعت کے اندر یہ شوق ابھرے تو اس کا خیال ملحوظ رہے کہ آپ یہاں سے اس حال میں جارہے ہیں کہ بلی کے پاخانہ کا چمچہ آپکے منہ میں، آدمی کے پاخانہ کا چمچہ خانصاحب کے منہ میں آپ کے والد صاحب کا سر بیت الخلاء کی نالی میں ہے پھر بھی اگر شوق ہو تو کر لیجئے ممکن ہے وہاں سے بھی کچھ اس قسم کا تحفہ ملجائے۔

دیوبندیوں سے فتویٰ پوچھنا بریلویوں کی نظر میں

ارشادفرمایا کہ ایک صاحب نے یہاں (دارالعلوم دیوبند) سے فتویٰ طلب کیا، جس کا جواب ایک عارض کی بناپرمختصر دیا گیا، انہوں نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کو لکھا کہ فلاں مسئلہ کا جواب دارالعلوم دیوبند سے طلب کیا تھا، وہاں حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے انتقال کے باعث مختصر جواب دیا گیا، جس سے تسلی نہ ہوئی، آپ سے فتویٰ طلب کررہا ہوں، اس پر مولانا احمد رضا خاں صاحب نے مسئلہ کا تو وہی جواب دیا جو دارالعلوم سے دیا گیا تھا، مزید براں لکھا کہ دیوبندیوں سے فتویٰ پوچھنا حرام انکو حضرت مولانا کہنا حرام، ان کے نام کے ساتھ رحمہ اللہ کہنا حرام ہے۔

دیوبندی کا نکاح

ارشادفرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں نے فتاویٰ رضویہ میں لکھا ہے کہ دیوبندی کا نکاح نہ مسلم سے درست نہ کافر اصلی سے درست نہ مرتد سے درست حتیٰ کہ حیوان سے بھی درست نہیں۔

حرکتِ نفس سے نماز کا اعادہ

فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں نے ایک مرتبہ عصر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد کمرہ میں آکر نماز کا اعادہ کیا، کسی نے ان سے کہا کہ یہ کونسا مسئلہ ہے؟ کہ امام نماز کا اعادہ کرے اور مقتدی نہ کریں؟ تو کہا کہ حرکت نفس سے میرا کمر بند ٹوٹ گیا تھا، اس لئے میں نے نماز کا اعادہ کیا ہے، ایک مناظر نے، نفس بفتح الفاء کو نفس بسکون الفاء سے بدل دیا۔

قرأۃ خلف الامام پر ایک غیر مقلد سے گفتگو

F.M.Fainal\Jild-1\04-Muqaddama

قراءۃ خلف الامام پر ایک غیرمقلد سے دلچسپ مکالمہ

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کانپور میں بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، کہ ایک صاحب آئے اور سوال کیا۔

س:۔قرأۃ خلف الامام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ سبق کسی اور حدیث سے متعلق تھا، مگر انہوں نے بیٹھتے ہی یہ سوال کیا؟

ج:۔ پہلے مجھے اپنے مخاطب کا موقف معلوم ہو جائے، تب جواب دوں۔

س:۔ میں اہل حدیث ہوں؟

ج:۔اب سوال کیجئے!

س:۔قرأۃ خلف الامام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج:۔حضرت مجھے آپ کے سوال سے اذیت ہوئی۔

س:۔سوال سے بھی اذیت ہوتی ہے؟

ج:۔ جی ہاں، بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں کہ قرآن پاک میں ان کی ممانعت آئی ہے، ارشاد ہے:۔

یاایھا الذین امنو الاتسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسئو کم (اے ایمان والو ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر تم سے ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو۔

(بیان القرآن ج۳ رص ۶۴)

س:۔اذیت کی کیا وجہ ہے؟

ج:۔اذیت کی وجہ یہ ہے کہ آپ مجھ سے میرا خیال معلوم کررہے ہیں، کیا میرے خیال کا اتباع کریں گے؟ آپ کو معلوم کرنا چاہئے کہ حدیث اس سلسلہ میں کیا کہتی ہے؟

س:۔ہاں ہاں وہی مطلب ہے؟

ج:۔الحمدللہ، آپ کا ضمیر اندر سے شہادت دے رہا ہے، کہ میرا خیال وہی ہے جو حدیث شریف ہے اسکے خلاف نہیں، یعنی میں جو بات کہونگا حدیث سے کہوں گا، تو سنئے قرأۃ خلف الامام کی فرضیت ثابت نہیں۔

س:۔فرضیت ثابت نہ ہونے کی کیا دلیل ہے؟

ج:۔مجھے آپ کے سوال سے پھر اذیت ہوئی۔

حضرت:۔اس وجہ سے کہ حدیث میں "**البینة علی المدعی**" حافظ ابن صلاح نے اپنے مقدمہ میں اس کے مشہور ہونے کی صراحت کی ہے، لہٰذا دلیل کا مطالبہ مدعی سے ہونا چاہئے، اور میں مدعی نہیں، اس لئے مجھ سے دلیل کا مطالبہ حدیث شریف کے خلاف ہے، جو اہل حدیث سے بعید ہے، لیکن چلئے پھر بھی بتلائے دیتا ہوں کہ فرضیت کے ثبوت کے لئے نص قطعی کی ضرورت ہے، یہاں نص قطعی موجود نہیں۔

س:۔میں دلیل دیتا ہوں "**لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب**" (اس کی نماز نہیں ہوئی جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی)

حضرت:۔یہ کون سے پارے کی آیت ہے؟ یا کونسی سورت ہے؟ یہ تو خبر واحد ہے، آپ نص قطعی کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے، توبہ توبہ تاہم حدیث آپ نے پیش کرہی دی، تو اس سے استدلال کا طریقہ بھی بتلادیجئے، مجھے تو مدت سے خواہش تھی کہ کوئی اہل علم اور اہل فہم حدیث مل جائیں، تو ان سے دریافت کروں، کہ اس حدیث سے قرأۃ خلف الامام کی

فرضیت کیسے ثابت ہوتی ہے، حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، نماز سے فراغت کے بعد فرمایا "**لعلکم تقرؤن خلف امامکم**" اس سے پہلے یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا، اور نہ اس وقت عام معمول قرأت خلف الامام کا تھا، ورنہ سوال کے کوئی معنی ہی نہیں تھے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہوتا، تو صحابہ کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ہی حکم دیا تھا، اسلئے ہم قرأت کرتے ہیں، اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہ دریافت نہ فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے امام کے پیچھے التحیات یا تسبیح پڑھتا ہے، اس واسطے کہ اس کو تمام لوگ پڑھتے تھے، الغرض بعض صحابہ نے دبے لفظوں میں کہا کہ جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے امام کے پیچھے تلاوت کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "**لاتفعلوا الابفاتحة الکتاب فا نه لاصلوٰة لمن لم یقرأبها**، (کذافی بذل المجہود، ص۱۵۱/ج۲)

س:۔ دیکھئے ہے تو سہی؟

ج:۔ ہاں ہاں ہے، ابھی بتاتا ہوں، **لاتفعلوا** نہی ہے ایک چیز کو منع فرمارہے ہیں، اور الا سے استثناء فرمارہے ہیں، نہی حرمت کو چاہتی ہے، اور استثنا اثبات کو، دونوں کا محل الگ الگ ہونا چاہئے، استثناء کا محل تو مذکور ہے یعنی فاتحہ الکتاب، نہی کا محل کیا ہے، وہ آپ بتایئے۔

س:۔ نہی کے ذیل میں ضم سورۃ وغیرہ رہ گیا یعنی فاتحۃ الکتاب کے علاوہ قرآن کی آیات یا سورۃ کی ممانعت مقصود ہے۔

ج:۔ اچھا اب ہم اعتبار کریں گے، اعتبار جانتے ہو؟

س:۔ ہاں ہاں کسی کی بات کو مان لینا۔

ج:۔ یہ نہیں بلکہ اعتبار محدثین کی اصطلاح ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک حدیث کا متن جتنے طریقوں سے مروی ہے ان تمام کو تلاش کر کے یکجا کرنا پھر حکم تلاش کرنا جب ہم اس حدیث کا اعتبار کرتے ہیں تو ہم کو مختلف الفاظ ملتے ہیں، کسی میں ہے ''**لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً**'' کسی میں ہے ''**فمازاد**'' کسی جگہ ہے ''**وماتیسر**'' کسی جگہ ہے'' **وسورۃ معھا**'' کسی جگہ ہے ''**واٰیتین معھا**'' (کذافی بذل المجہود، ج۲رص۵۱) ومعارف السنن ج۳رص۲۰۴) اب ان تمام طرق کو سامنے رکھ کر بتلائیے کہ ''**لاتفعلوا**'' کے تحت کیا چیز باقی رہ گئی، ایک ہی چیز پر نفی واثبات واقع ہو رہا ہے، اس کا جواب دیجئے، حضرت نے مزید فرمایا کہ اگر ان الفاظ میں کسی کی سند میں کوئی اشکال ہو تو بتلائیے ابھی اس کو کتاب میں دکھائے دیتا ہوں۔

پھر حضرت نے کہا کہ یہ بحثیں تو دوسری قسم کے ذہنوں کے لئے رہنے دیں، میں آپ سے پوچھتا ہوں اگر آپ مسجد میں ایسے وقت پہونچے کہ امام رکوع میں ہے، پہلی رکعت ہے تو آپ امام کے ساتھ شریک ہوں گے یا نہیں؟ اگر شریک نہیں ہوں گے تو اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ہے کہ امام کو جس حالت میں پاؤ شریک ہو جاؤ، کذافی مصنفہ عبدالرزاق ج۲رص۲۸۱راس لئے تارک حدیث ہوئے اور اگر شریک ہوں گے تو اگر رکوع میں سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں تو یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں رکوع میں قرآن شریف پڑھنا منع ہے، (کذافی النسائی ج۱رص۱۶۰) اسلئے تارک حدیث ہوئے، پھر اگر اس میں رکعت کو معتبر قرار نہیں دیتے بلکہ سلام امام کے بعد ایک رکعت اور پڑھیں گے، جیسا کہ بعض اہل حدیث کا عمل ہے، تو یہ اس حدیث کے خلاف ہوگا، جس میں ہے کہ جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے رکعت کو پالیا (بذل المجہود، ج۲رص۸۴) اسلئے تارک حدیث ہوئے پس ان تمام حدیثوں کے خلاف کرتے ہو، پھر بھی اہل حدیث ہو کسی ایک حدیث پر بھی عمل ہے؟

س:۔سرہانے پائنتی ہرطرف سے تو گھیرلیااب کدھر سے نکلوں؟

ج:۔اب گھر جانے کے بعد نکلنے کا راستہ بھی گھیرنے والے ہی سے معلوم کرتے ہیں کتنے بھولے ہیں آپ۔

س:۔اچھاتم کیا کروگے ایسی صورت میں اگرتم کو یہ صورت پیش آجائے؟

ج:۔ذخیرۂ حدیث آپ کے پاس ختم ہوگیا اگر میں بتلادوں تو عمل کروگے؟اس پرسائل خاموش رہا، پھرحضرت نے فرمایا آپ وعدہ کیجئے ہماری تقلید کریں گے؟

س:۔یہ منطقی چکرنہ دیں؟

ج:۔چکرمیں تو آپ ایسے آگئے کہ نکلنے کا راستہ نہیں!

س:۔اچھاایسی حالت میں آپ کیا کرینگے؟

ج:۔ہم تو ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے پاس جائیں گے،اورعرض کریں گے کہ حضرت ہم سرہانے پائنتی ہرطرف سے پھنس گئے ہیں،ہم کو نکلنے کا راستہ بتادیجئے،تو امام ابوحنیفہؒ فرمائیں گے بیٹا اگرامام کو رکوع میں پاؤ تو اس کے ساتھ شریک ہوجاؤ، تاکہ اس حدیث پرعمل ہوجائے ،جس میں ہے کہ امام کو جس حالت میں پاؤ اس کے ساتھ شامل ہوجاؤ، حدیث کے خلاف نہ کرنا، حدیث کے خلاف کرنا بری بات ہے اور دیکھو بیٹا رکوع میں جانے کے بعد سورۂ فاتحہ وغیرہ نہ پڑھنا بلکہ تسبیحات پڑھنا تاکہ اس حدیث پرعمل ہوجائے، کہ رکوع وسجدہ میں قرآن پڑھنا منع ہے،حدیث کے خلاف نہ کرنا حدیث کے خلاف کرنا بری بات ہے،اور دیکھو بیٹا اس رکعت کو معتبر مان لی جیو تاکہ اس حدیث پرعمل ہوجائے، کہ جس نے امام کو رکوع میں پالیا،اس نے رکعت کو پالیا،حدیث کے خلاف نہ کرنا حدیث کے خلاف کرنا بری بات ہے،اب ہم امام صاحب سے سوال کریں گے کہ حضرت ایک حدیث رہ گئی ”لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب“ تو امام ابوحنیفہؒ فرمائیں

گے کہ بیٹا وہ امام ومنفرد کے حق میں[۱] ہے، امام ومنفرد کی نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے نہیں ہوتی۔

مقتدی کے لئے دوسری حدیثیں "اذاقرأ فانصتو"(مسلم شریف ج۱رص۱۷۴)
یعنی جب امام قرأۃ کرے تو تم خاموش رہو "من کان له امامٌ فقرأة الامام له قرأة"
(کذافی بذل المجهود جلد۲رص۵۳) بحوالہ دارقطنی وابن ماجہ وطبرانی) جس شخص کے لئے
امام ہو امام کی قرأۃ ہی اس کی قرأۃ ہے اور "الامام ضامن" (ترمذی شریف مع عرف
الشذی ص۵۱رج۱) آخر امام نے کس چیز کی ضمانت لی ہے۔

س: ۔اس حدیث کا راوی کذاب ہے؟

ج: ۔"اذاقرأ فانصتوا" مسلم شریف کی روایت ہے اس کی سند میں گڑبڑی
بتلاتے ہو، اچھا وہ کونسا روای ہے جس کے بارے میں آپ کو اشکال ہے تاکہ میں اس کو نو
ٹ کرلوں، اور دیکھو اگر آپ نے کسی حدیث سے استدلال کیا اور وہ راوی اس کی سند میں
آیا تو میں آپ کی گرفت کرلوں گا۔

س: ۔اس حدیث میں کوئی خرابی نہیں بلکہ دوسری حدیث "من کان له امام
فقرأة الامام له قرأة کی سند میں ایک راوی کذاب ہے۔

حضرت: ۔کونسا راوی کذاب ہے؟

سائل: ۔جابر جعفی۔

حضرت: ۔جابر جعفی کو کس نے کذاب لکھا ہے؟

سائل: ۔امام ابوحنیفہؒ نے۔

حضرت: ۔سبحان اللہ تقریباً تیرہ سو برس گذر گئے یہ سنتے سنتے کہ امام ابوحنیفہؒ کو
حدیث نہیں آتی تھی، آج آنجناب کی زبان مبارک سے سن کر بڑی خوشی ہوئی، کہ امام

[۱] جیسا کہ امام احمد سے بھی ترمذی شریف، ج۱رص۷۲ر پر نقل کیا گیا ہے ۱۲ مرتب۔

ابوحنیفہؒ حدیث جانتے تھے، اور آپ کی زبان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے حدیث میں کوئی کتاب بھی لکھی ہے، جس میں رجال حدیث پر بحث ہے، اور ان کی تقلید میں آپ جابر جعفی کو کذاب کہہ رہے ہیں، اچھا مہربانی فرما کر اس کتاب کا نام بھی بتلا دیجئے اس پر وہ خاموش ہوگیا، عصر کی اذان ہوچکی تھی، وہ اٹھ کر چلنے لگا، حضرت نے فرمایا کہ کم از کم عصر کی ایک نماز تو احناف کے پیچھے پڑھتے ہی جایئے، آپ کو اختیار ہے آپ قرأۃ کر لیجئے گا۔

سائل:۔نہیں ضروری کام ہے جلدی جانا ہے۔

حضرت:۔اچھا ایک حدیث سنتے جایئے، صحاح ستہ کی روایت ہے کہ جب اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے، (کذا فی المشکوٰۃ ج۱رص۶۴ ربحوالہ بخاری ومسلم) کیونکہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے تمام حجر و مدر مؤذن کے حق میں قیامت کے دن شاہد بنیں گے، وہ بھاگتا ہے کہ میرا نام شاہدین کی فہرست میں نہ آجائے، اسی طرح دوسری حدیث میں ہے "من تشبه بقوم فهو منهم" (مشکوٰۃ شریف ص۳۷۵رج۲)

یعنی جو شخص جس قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرلیگا، اس کا شمار انہیں میں سے ہوگا، تو اگر آپ جائینگے تو شیطان کی مشابہت اختیار کرنی پڑے گی، (اوجز، ج۱رص ۳۷) میں ہے کہ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ وضو میں جب ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرے تو ہاتھ سے صاف کرے، صرف سانس سے جھٹکا دیکر صاف نہ کرے، کیونکہ اس میں حمار (گدھے) کی مشابہت ہے تو شیطان کی مشابہت سے بھی بچنا چاہئے، اس پر وہ شخص چلا گیا، اور کوئی جواب نہ دیا۔

مذاہب اربعہ سے متعلق غیر مقلد سے گفتگو

مذاہب اربعہ سے متعلق غیر مقلد سے گفتگو

ارشادفرمایا کہ ایک مجھ سے بھی زیادہ بوڑھے شخص لاٹھی پر ٹیک لگاتے ہوئے میرے پاس آئے ، کسی نے مجھے بتایا کہ یہ غیر مقلد ہیں،اور آپ کو غیر مقلد بنانے آئے ہیں ، آ کر کہنے لگے ، کہ ایک بات کہوں خفا نہ ہونا میں نے عرض کیا کہ اگر وہ بات خفگی کی ہوگی ، تو ضرور خفا ہونگا میں کوئی دیوار ہوں اس کو جو چاہو کہہ لو وہ کوئی جواب نہیں دیتی ، مجھ کو تو مقید کرتے ہو ، کہ خفا نہ ہوں اور خود آزاد رہنا چاہتے ہو ، کہ جو چاہو پوچھو ، آپ خفگی کی بات نہ کہیں میں خفا نہ ہونگا لیکن آپ خفگی کی بات کہیں گے تو میں ضرور خفا ہوں گا ، کہنے لگے یہ چاروں مذہب چوتھی صدی کے بعد وجود میں آئے ہیں نا ؟ میں نے کہا یہ لفظ اسم اشارہ ہے ، جو محسوس ومبصر کے لئے آتا ہے ، کیا مذاہب اربعہ آپ کو نظر آرہے ہیں ، کہیں رکھے ہوئے ہیں ، جو آپ کو محسوس ہورہے ہیں ، کہنے لگے ، کہ یہی میں نے کہا کہ انہیں یہی تو پوچھ رہا ہوں شاید آپ کو ائمہ اربعہ کے نام لیتے ہوئے شرم آرہی ہے ، امام اعظم ابوحنیفہؒ ، امام مالکؒ ، امام شافعیؒ ، امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب کیوں نہیں کہتے ، کہا ہاں میں نے کہا ، پھر آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ چوتھی صدی کے بعد وجود میں آئے ہیں ، شاید کسی غیر مقلد کی کتاب میں دیکھ لیا ہوگا ، اسی کی تقلید میں کہہ رہے ہیں ، اسی اندھی تقلید کو تو ہم حرام بتاتے ہیں ، اس کے بعد میں نے کہا کہ اچھا آپ کا قول ’’ مذاہب اربعہ چوتھی صدی کے بعد وجود میں آئے ‘‘ تو صغریٰ ہوا ، اور اگر بالفرض یہ صحیح ہے ، تو اب کبریٰ لگائیے کہ جو چوتھی صدی کے بعد وجود میں آئے وہ باطل

مردود جہنم میں پھینکنے کے قابل ہے اس پر جواب دیا کہ دیکھو جی جو بات جیسی ہوگی ویسی ہی کہی جائے گی، آپ خفا نہ ہوجئے گا میں نے کہا اچھا یہ بتایئے آپ کب پیدا ہوئے، چوتھی صدی سے پہلے یا بعد میں؟ آپ کے والد کب پیدا ہوئے؟ آپ کے دادا کب پیدا ہوئے؟ دس پشتوں تک بتاتے چلے جایئے، نیز ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، میاں نذیر حسین اور نواب صدیق حسن بھوپالی یہ سب کب پیدا ہوئے سب باطل مردود جہنم میں پھینکنے کے قابل ہیں اس پر وہ خفا ہوکر جانے کے لئے کھڑے ہوگئے، تو میں نے کہا دیکھو جی جو بات جیسی ہوگی ویسی ہی کہی جائے گی، آپ خفا نہ ہوجئے گا، اور دیکھئے مذاہب اربعہ کا وجود چوتھی صدی کے بعد نہیں ہوا اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔

امام مالکؒ ۹۵ھ میں امام شافعیؒ ۱۵۰ھ میں اور امام احمدؒ ۱۶۴ھ میں (شامی ج۱ر ص۴۵) لہٰذا آپ کے قول کے مطابق بھی یہ مذاہب اربعہ باطل نہیں۔

عورت کو سربراہ مملکت بنانے سے متعلق دلچسپ مکالمہ

عورت کو سربراہ مملکت بنانے سے متعلق ایک دلچسپ مکالمہ

کئی حضرات سے ایک مجلس میں ملاقات ہوئی،ایک صاحب نے کسی صاحب کا تعارف کرایا، کہ ان کوقرآن پاک کی تحقیقات کا زیادہ شوق ہے،اور دینی مسائل سے بہت زیادہ واقفیت رکھتے ہیں، آپ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں،فوراً وہ صاحب بولے، کچھ پوچھنا تونہیں تبادلۂ خیال کرنا ہے، پھر کہنے لگے،عورت کومملکت کا سربراہ بنانا کیسا ہے؟اور جوکچھ جواب دیں کتاب وسنت سے جواب دیں،فقہی جزیات پیش نہ کریں۔

میں نے کہا پہلے یہ معلوم ہوجائے، کہ مخاطب کا موقف کیا ہے،تاکہ جواب دینے میں سہولت ہو، بتلایئے آپ کا مسلک ومشرب کیا ہے؟انہوں نے بتلایا کہ جماعت اسلامی سے تعلق رکھتا ہوں، میں نے کہا، دوصورتیں ہیں،ایک تو یہ کہ میں اپنی طرف سے جواب دوں، دوسری صورت یہ ہے کہ مولانا مودودی کیطرف سے جواب دوں، غالباً دوسری صورت آپ کے نزدیک زیادہ قابل ترجیح ہوگی(کیونکہ آپ جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں) وہ کہنے لگےان(مودودی صاحب) کا اس بارے میں کیا مسلک ہے؟میں نے کہا،ان کے نزدیک توعورت کو سربراہ بنانا جائزنہیں، کہنے لگے، اس کا ثبوت کیا، میں نے کہا، کتاب میرے پاس نہیں،البتہ حوالہ دیئے دیتا ہوں،ترجمان القرآن ماہ اکتوبر ۱۹۵۲ءمیں مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

پاکستان کی کسی اسلامی کورٹ میں عورت کو سیاسیات میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اور جو لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ جنگ جمل سے استدلال کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا حضرت ابن عمرؓ نے انہیں منع کیا، فلاں فلاں نے منع کیا اور پھر وہ پچھتاتی رہیں، کہ میں نے غلطی کی۔

اس موقعہ پر مودودی صاحب نے ایک ایسی بات لکھی ہے، جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، انہوں نے پوچھا وہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

جو لوگ ان مقدس ہستیوں کی زندگیوں سے ان کی غلطیوں اور لغزشوں ہی کو چن چن کر نکالتے رہتے ہیں، وہ ان کی پاکیزہ زندگیوں پر ظلم کرتے ہیں۔

وہ کہنے لگے اچھا آپ کے نزدیک کیا ہے؟ میں نے کہا پہلے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کے نزدیک مودودی صاحب کی یہ رائے غلط ہے اگرانکی یہ رائے آپ کے نزدیک صحیح نہیں تو آپ مجھ سے پوچھیں میں بتاؤں گا، اپنی رائے کہنے لگے آپ کو اپنی رائے بتانے میں کیوں تامل ہے؟ میں نے کہا یہ سوال ایسا ہے جیسے پیٹ کا درد ایک شخص ڈاکٹر کے پاس گیا اور اس کو بتایا کہ میرے پیٹ میں درد ہے، ڈاکٹر نے دوا دیدی اب اگر اس سے فائدہ ہوا تو کیا ضرورت ہے دوسرے ڈاکٹر کے پاس جانے کی، اگر اس سے فائدہ نہیں ہوا تو علاج تبدیل کرنے میں مضائقہ نہیں دوسرے ڈاکٹر کے پاس جانے میں حرج نہیں، تو معلوم ہو جائے کہ مودودی صاحب کا یہ خیال آپ کو پسند نہیں، یا کتاب وسنت کے خلاف ہے تو پھر آپ مجھ سے پوچھئے میں بتاؤں گا، اپنی رائے بھی، کہنے لگے، آپ کو اپنی رائے بتانے میں شرم کیوں معلوم ہوتی ہے؟ میں نے کہا، شرم تو خیر کوئی بری چیز نہیں اچھی چیز ہے۔

اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الایْمَانِ[۱] (حدیث) اچھا میں بتلاتا ہوں سنئے!

مجھے مودودی صاحب سے بنیادی اختلاف ہے، اس اختلاف کے باوجود یہ بات بعید ہے کہ اگر ان کے قلم سے کوئی بات کہیں اتفاق سے صحیح نکل جائے، تو میں اسے غلط کہنے لگوں ایسا نہیں حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:۔

ولا یجرمنکم شناٰن قوم علی ان لا تعدلوا[۲] میرے نزدیک ان کی یہ رائے صحیح ہے، کہ عورت کو سربراہ بنانا جائز نہیں، وہ کہنے لگے، دلیل کیا ہے؟ میں نے کہا دیکھئے ذرا سنبھل کر بات کیجئے بارہ چودہ برس ہوئے مودودی صاحب کی اس عبارت کو چھپے ہوئے شائع ہوئے اور آپ حضرات کے نزدیک سب سے بڑا کام یہی ہے کہ مودودی صاحب کا لٹریچر پھیلایا جاوے۔

اس کو بار بار پڑھا جائے، اس کی تلاوت کی جائے، سنایا جائے، مگر اتنی مدت میں کسی کے منہ میں زبان نہیں تھی کہ مودودی صاحب سے پوچھتا اس کی دلیل کیا ہے؟ آج یہی بات میں کہتا ہوں، تو مجھ سے دلیل پوچھی جاتی ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ حضرات کے یہاں تو ناقدانہ نظر ہے کسی کی ذہنی غلامی نہیں ہے، ہر ایک پر تنقید جزء دین ہے کسی سے عقیدت آپکے یہاں نہیں، جو محض عقیدت کی بنا پر مان لیں، مگر بارہ چودہ سال سے مودودی صاحب کی بات کو بلا دلیل تسلیم کررہے ہیں، اور آج وہ بات میری زبان سے نکلتی ہے، تو مجھ سے اس کی دلیل پوچھی جاتی ہے، اس کا کیا مطلب؟

---

۱ حیاء ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے۱۲۔

۲ اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جاوے کہ تم عدل نہ کرو۔ (بیان القرآن)

اس نے کہا:۔اچھانہ بتائیے دلائل ہوں گےنہیں میں نے کہا اچھا میں بتا تا ہوں، میں نے جو یہ رائے قائم کی ہے یہ مودودی صاحب کے لکھنے کی وجہ سےنہیں بلکہ میرے پاس دلائل کا انبار ہےجن کے اٹھانے کے لئے آپ کوقلی کی ضرورت پیش آئیگی ،خود آپ سے نہ اُٹھیں گے۔

سنئے :۔(١)ایک بچہ ہےجس کونو ماہ تک ماں نے اپنے پیٹ میں رکھاہے پھر دو برس تک اس کو اپنے سینے سے لگا کر خون جگر پلایا ہےجتنی حفاظت گرمی سردی سے اپنی کی ہے،اس سے کہیں زیادہ حفاظت بچے کی کی ہے،اس کے باوجود جب اسکی شادی کا وقت آتا ہے،تو ولایت ماں کو حاصل نہیں ہے، باپ کو حاصل ہے ،عورت کی سربراہی اس بچے پر شریعت نےتسلیم نہیں کی ہےتو ساری مملکت کا اس کو کیسے سربراہ بنا سکتے ہیں؟

(۲) ایک مکان ہےجس میں ایک شخص رہتا ہے،اس کے ساتھ بیوی ہے بچے ہیں، ماں ہے،بہن ہے،ان سب پرسربراہی مردکوحاصل ہے،کسی عورت کوسربراہی حاصل نہیں۔

(۳)قرآن کریم میں ہے **الرجال قوامون علی النساء**[١] پارہ۵؍رکوع۳؍اس آیت شریفہ میں مردوں کوقوام بنایا گیاہے،عورتوں کےاوپرعورتوں کوقوام نہیں بنایا گیا ہے مردوں کےاوپر۔

(۴) حدیث پاک میں ہے **"لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ"**

اس قوم کو ہرگز فلاح میسر نہوگی جس نے اپنے امور کسی عورت کے ہاتھ میں دیدیئے یعنی اس کو سربراہ بنالیا انہوں نے کہا عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش چلنا چاہئے میں نے کہا غلط ہے،حدیث پاک میں ہے:۔

---

١ مرد حاکم ہیں عورتوں پر (بیان القرآن)

(۵)اخروھن من حیث اخرھن اللّٰہ عورتوں کومؤخر رکھو جیسے کہ اللہ نے ان کو مؤخر رکھا ہے، دوش بدوش چلیں گی، تو پیچھے (مؤخر) کہاں رہیں گی، وہ تو برابر آجائیں گی، اسی وجہ سے اگر عورت نماز میں مرد کے برابر کھڑی ہوجائیگی، تو مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی، کچھ شرطوں کے ساتھ۔

(۶) عورت کو مردوں کے لئے دو رکعت کا امام (سربراہ) بنانے کی اجازت نہیں دی گئی چہ جائے کہ ساری مملکت کا امام (سربراہ) اس کو بنایا جائے۔

(۷) عدالت میں بعض امور ایسے ہوتے ہیں کہ انمیں ایک مرد کی خبر قبول کر لیجاتی ہے مثلاً رمضان شریف کے چاند کے لئے جبکہ مطلع صاف نہ ہو تو ایک ثقہ عادل کی خبر کافی ہے، بعض معاملات میں دو مردوں کی شہادت ضروری ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد ہے، واستشھدوا شھیدین من رجالکم[۱] بعض معاملات میں چار مردوں کی شہادت ضروری ہے اس میں عورت کی شہادت معتبر نہیں، جیسے زنا کیلئے حق تعالیٰ شانہٗ کا پاک ارشاد ہے "فاستشھد وا علیھن اربعۃ منکم[۲] "نیز ارشاد ہے :۔

"والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتو اباربعۃ شھداء فاجلد وھم "[۳]
اگر عورت کو حاکم بنایا جائیگا تو اس کی عدالت میں بعض ایسے مقدمات بھی آئیں گے، جن میں اسکی شہادت مقبول نہیں اس کا فیصلہ کیسے نافذ ہوگا، اس پر انہوں نے کہا کہ قانون تو بنائے گی

---

[۱] اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو (بیان القرآن)

[۲] سو تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ کر لیا کرلو (بیان القرآن)

[۳] اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی دُرّے لگاؤ۔ (بیان القرآن)

پارلیمنٹ نافذ عدالت کرے گی، میں نے کہا "**استغفر اللّٰہ**" توبہ کیجئے تجدید ایمان کیجئے قانون سازی کا حق آپ پارلیمنٹ کو دے رہے ہیں، جماعت اسلامی کا لٹریچر بھرا پڑا ہے کہ قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں تجدید ایمان کیجئے۔

انہوں نے کہا عورتوں اور مردوں کے حقوق برابر ہیں، میں نے کہا آپ غلط کہہ رہے ہیں، نص قطعی (قرآن کریم) کے خلاف کہہ رہے ہیں، قرآن کریم میں **یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین**[۱] پارہ۴/سورۂ نساء۔

یہاں مرد کا حصہ دوہرا اور عورت کا اکہرا (مرد سے نصف) حصہ بتایا گیا انہوں نے کہا:۔ یہ تو اولاد کے بارے میں حکم ہے میں نے کہا کیا اولاد مرد عورت نہیں ہوتی؟ کہنے لگے میں شوہر بیوی کے بارے میں کہتا ہوں، میں نے کہا اس کے بارے میں بھی ایسا ہی حکم موجود ہے شوہر کا انتقال ہوجاتا ہے، اس نے اولاد چھوڑی ہے تو بیوں کو آٹھواں حصہ ۱/۸ ملتا ہے، اور اولاد نہیں چھوڑی ہے، تو چوتھائی حصہ (۱/۴) ملتا ہے۔

اور عورت کا انتقال ہونیکے بعد اولاد نہیں چھوڑی تو نصف حصہ (۱/۲) ملتا ہے، اور اگر اولاد چھوڑی ہے تو چوتھائی حصہ ملتا ہے، برابر سرا بر نہیں ملتا "**ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مماترکن**[۲] الخ **ولھن الربع مماترکتم ان لم یکن لکم ولدفان کان لکم ولد فلھن الثمن**[۳] (سورۃ نساء)

---

[۱] اور اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے باب میں لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے۔ (بیان القرآن)

[۲] اور تم کو آدھا ملیگا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں اگر ان کے کچھ اولاد نہ ہو اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملیگا۔ (بیان القرآن)

[۳] اور ان بیبیوں کو چوتھائی ملیگا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ، اگر کچھ تمہاری اولاد ہو اور اگر کچھ تمہارے اولاد نہ ہو تو ان کو تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملیگا۔ (بیان القرآن)

خیر سے وہ بیچارے حافظ نہیں تھے، اتنی کمی تھی، ان میں ایک آیت ان کے ذہن میں گھوم رہی تھی، مگر حافظ نہ ہونے کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتے تھے، اس لئے میں نے ہی کہا، شاید آپ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے، **ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف**[۱] کہنے لگے ہاں ہاں میں نے کہا تھوڑا اسا اور آگے پڑھ دیجئے کیا لکھا ہے" **وللرجال علیهن درجة**". [۲]

عورتوں کا ووٹ شریعت میں

اس کے بعد کہنے لگے :۔عورتوں کو مردوں کی طرح ووٹ دینا چاہئے ؟ میں نے کہا نہیں غلط کہتے ہو، ووٹ کے معنی ہیں رائے ،اور رائے اس کی معتبر ہوتی ہے جس کی عقل کامل ہو، جس کا دین کامل ہو۔

عورت کا دین ناقص ہے، عقل بھی ناقص ہے[۳] پس ناقصات العقل والدین کی رائے کیسے معتبر ہوسکتی ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "شاوروهن وخالفوهن فان فی خلافهن الخیرو البرکة" عورتوں سے مشورہ کرو، اور جو وہ مشورہ دیں، اسکے خلاف کرو، اس خلاف میں خیر وبرکت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

۱۔ اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں، جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں، قاعدہ کے موافق ۔(بیان القرآن)

۲۔ اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے ۔(بیان القرآن)

۳۔ یہ حدیث پاک کا مفہوم ہے ۔

طاعة النساء ندامة ،عورتوں کی اطاعت کا نتیجہ شرمندگی ہے، حضرت بن مسعودؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تو یہ فرماتے ہیں (جو ذکر کیا گیا) اور آپ کہتے ہو کہ ان کو ووٹ دینا چاہئے، ہاں اگر ان کو ووٹ اس واسطے دیئے جائیں، کہ اسکے خلاف فیصلہ کیا جائیگا، تو ٹھیک ہے، انہوں نے کہا کہ قرآن پاک میں تو ایک عورت کی رائے کا تذکرہ ہے، اس نے رائے دی وہ صحیح نکلی میں نے جواب دیا کسی عورت کی رائے انفرادی طور پر معتبر ہو جائے یہ ہوسکتا ہے، لیکن الیکشن لڑنے کے لئے عورتوں کی رائے لینا یہ بالکل ثابت نہیں اور اگر کسی ایک کی رائے معتبر ہونے سے استدلال کیا جا سکتا ہے، تو قرآن پاک میں شیطان کی بھی رائے کا تذکرہ ہے اس نے ایک رائے قائم کی تھی، اور وہ صحیح نکلی ارشاد ہے "**قال رب فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطک المستقیم ثم لأتینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم وعن ایمانهم وعن شمائلهم ولاتجد اکثرهم شاکرین**"[1] (سورہ اعراف)

اگر ایسا ہی ہے تو پھر اس کو بھی اپنی مملکت کا سربراہ بنا لیجئے یا اس سے رائے لیا کیجئے، وہ ووٹر تو ہر وقت ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

---

[1] وہ کہنے لگا کہ بسبب اس کے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کیلئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا، پھر ان پر حملہ کرونگا، ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی، اور ان کی دائیں جانب سے بھی، اور انکی بائیں جانب سے بھی، اور آپ ان میں سے اکثروں کو احسان ماننے والا نہ پائینگے۔(بیان القرآن)

سلطانہ رضیہ اور ملکۂ سبا سے استدلال

انہوں نے کہا ہندوستان میں سلطانہ رضیہ نے حکومت کی ہے، میں نے کہا (سلطانہ رضیہ کا نام لیتے ہو) مسواک کیجئے کلی کیجئے، آپ سلطانہ رضیہ کا نام لے رہے ہیں، وہ کتاب اللہ تھی یا سنت تھی؟ کیا چیز تھی میرے اوپر تو ابھی آپ نے پابندی عائد کردی تھی، کہ جواب کتاب وسنت سے دیں، فقہی جزئیات پیش نہ کریں، خود آپ کیا پیش کررہے ہیں؟ کہنے لگے:۔ اچھا ملکہ سبا کے پاس تو حکومت تھی جس کا ثبوت قرآن سے ہے، میں نے کہا جی ہاں اس کی حکومت تھی، لیکن جب تک وہ کافرہ تھی جب تک اس نے کلمۂ اسلام نہیں پڑھا تھا اسکی حکومت تھی اور جب وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لے آئی اور ماتحت ہوگئی، تو اس کی حکومت کہاں رہی؟ **قالت رب انی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمان للّٰہ رب العالمین**[1] (پارہ ١٩ سورۂ نمل) اب آپ بتایئے کہ کلمۂ پڑھنے سے پہلے کی حالت آپ کے نزدیک قابل اتباع ہے، یا کلمۂ اسلام پڑھنے کے بعد کی حالت قابل اتباع ہے؟

---

[1] بلیقین کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا، اور میں سلیمانؑ کے ساتھ ہوکر رب العالمین پر ایمان لائی۔ (بیان القرآن)

کیا عورتیں جہاد کریں؟

کہنے لگے عورتوں کو جہاد کرنا چاہئے، میں نے کہا یہ بھی غلط حدیث پاک میں ہے کہ عورتوں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ مرد جہاد کرتے ہیں، جماعت کی نماز پڑھتے ہیں، جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، جنازہ میں جاتے ہیں، عورتیں ان میں سے کوئی کام نہیں کرتیں، مرد ثواب میں آگے ہو جاتے ہیں، عورتوں کو کوئی ترکیب بتایئے کہ مردوں سے پیچھے نہ رہیں؟

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جہاد کیا کرو، بلکہ اس کا بدل تجویز فرمایا، انہوں نے کہا کہ عورتیں جہاد میں گئی ہیں، میں نے کہا ہاں ایک دو مرتبہ بعض عورتیں پہنچ گئی ہیں، جب خبر پہنچی کہ مردوں پر جنگ میں بہت سخت وقت ہے، تو بے اختیار چلی گئیں پانچ چھ عورتیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کس کے ساتھ آئیں کس کی اجازت سے آئیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس دوا ہے، کچھ مرہم پٹی کر دیں گی، زخمیوں کی کچھ تیر پکڑانے میں مدد کریں گی، وہ موقعہ ان کو واپس کرنیکا نہیں تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمالی، باقی یہ کہیں نہیں عورتوں کی فوج بنا کر دشمنوں کے مقابلے پر بھیجدی گئی ہوں، اور ڈوب مریں وہ مرد جو گھر میں بیٹھے رہیں، اور عورتوں کو دشمن کے مقابلے کے لئے بھیجیں اس پر وہ بیچ میں بول پڑے کہ عورتوں کو گھوڑے کی سواری سیکھنی چاہئے، میں نے کہا، غلط کہتے ہو، فتح القدیر میں روایت موجود ہے **لعن اللّٰہ الفروج علی السروج** ان عورتوں پر خدا کی لعنت جو گھوڑا سواری

کریں،عورتیں گھوڑ سواری نہیں کرسکتیں، یہ مردوں کا کام ہے، جوعورت مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے،اس پرلعنت آئی ہے، **لعن اللّٰہ المشبہات من النساء بالرجال (الحدیث)** (اللہ تعالیٰ مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پرلعنت فرمائے۔۱۲) پھر میں نے پوچھا کہ آپ کو اتنی سخت ضرورت کیا پیش آئی کہ عورت کو اتنا بڑھانا چاہتے ہیں،کیا سارے پاکستان میں کوئی مرد اس قابل نہیں رہا، انہوں نے کہا کہ ایوب خاں کا پنجۂ استبدادوظلم بہت سخت ہے اس سے پاکستان کی مخلوق پریشان ہے میں نے کہا،اب سمجھ میں آ گئی بات آپ ایوب خاں کے ہاتھ سے پنجۂ استبداد لیکر مس فاطمہ جناح کے دست نازک میں دینا چاہتے ہیں کہ جوجب چاہے،اس کو مروڑ دے،آخر اسکی ضرورت کیوں پیش آئی؟ مودودی صاحب خود کیوں میدان میں نہیں آ جاتے،وہ تشریف لے آویں ہم ان کی مخالفت نہیں کریں گے وہ مس فاطمہ جناح کے آنچل میں کیوں پناہ لیتے ہیں؟اس پر انہوں نے ذرا غصہ سے کہا، کہ کیا آپ کے نزدیک ایوب خاں اہل ہیں؟ میں نے کہا دیکھئے مجھے معلوم نہیں کہ ایوب خاں کی زندگی کیسی ہے؟ آزاد زندگی ہے یا پابند شریعت ،اگرانکی زندگی آزاد ہومگر وہ آج ہی توبہ کرکے پابند شریعت بن جائیں تو آج ہی سے وہ اہل ہوجائینگے ،لیکن مس فاطمہ جناح اگرستر برس بھی توبہ کرتی رہیں،تو بھی اہل نہیں بن سکتیں (بوجہ عورت ہونے کے)اہلیہ تو بن سکتی ہیں(کسی مرد کی)لیکن اہل نہیں بن سکیں گی،(سربراہ بننے کی)اس سے ان کو بڑی تکلیف ہوئی اس لئے کہنے لگے اچھا اب گفتگو ختم کردیجئے، میں نے کہا،ہاں اب دلائل برداشت نہیں ہوئے قلی کی ضرورت پیش آہی گئی،خود یہ بوجھ نہیں اٹھاسکتے۔

خدا نظر کیوں نہیں آتا

ایک ڈاکٹر سے گفتگو

خدا نظر کیوں نہیں آتا ایک ڈاکٹر سے گفتگو

ایک دفعہ ایک جگہ سفر میں گیا ہوا تھا، وہاں جب مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا، سڑک پر ایک صاحب نے ہاتھ پکڑا اور کہا کہ مولانا صاحب ایک مسئلہ پوچھنا ہے، یہ بتایئے خدا کہاں ہے؟ اگر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا، جب تک میں پانچوں چیز سے نہ دیکھ لوں، میں تسلیم نہیں کرسکتا؟

میں نے کہا کہ مسٹر جواب ذرا دیر طلب ہے، سڑک پر کھڑے کھڑے جواب دشوار ہے، فلاں جگہ پر میرا قیام ہے، وہاں تشریف لے آیئے، کہنے لگا واہ مولانا صاحب ذرا سے مسئلہ کے واسطے بھی آپ کے دربار عالی میں حاضر ہونا پڑے گا، بس ان کی اسی بات سے مزاج کا پتہ چل گیا، سارے مزاج کا شروع سے اخیر تک کیسا مزاج ہے، میں نے ان سے کہا اگر آپ نے ڈاکٹری پڑھی ہو، آپریشن میں مہارت حاصل کی ہو، آنکھ کے آپریشن میں آپ بڑے ماہر ہوں، تو اگر اس وقت یہیں کھڑے کھڑے ایک شخص کہے کہ ڈاکٹر صاحب میرے آنکھ میں موتیا آگیا، آپ کے پاس آپریشن کرنے کے لئے اوزار بھی ہیں، ذرا میری آنکھ کا آپریشن کرتے جایئے، آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ کہیں گے بھئی آپریشن اس طرح نہیں ہوا کرتا، ہسپتال میں آؤ، وہاں داخلہ لو، وہاں پیٹ صاف کیا جائے گا، تمہاری آنکھوں کے بال کاٹے جائیں گے، تمہیں لٹایا جائیگا، تمہاری آنکھ کو بے حس کیا جائیگا، تب

آپریشن ہوگا، پھر پٹی بندھے گی، اتنے گھنٹے تک سیدھے لٹے رہوگے، اس طرح سے ہوگا، تب وہ آپ کے جواب پر کہنے لگے، واہ ڈاکٹر صاحب تھوڑی سی بات کے واسطے بھی آپ کے دربار عالی میں حاضر ہونا پڑیگا، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اگر آپ نے اس کے فقرے سے متاثر ہوکر وہیں کھڑے کھڑے آپریشن کردیا تو میں کہونگا کہ آپ نے اس مریض کے ساتھ بدخواہی کی، اس کی آنکھ پھوڑ دی، آپ نے اپنے فن کے ساتھ خیانت کی، حکومت کو اگر پتہ چل جائے کہ آپ نے اس طرح سڑک پر کھڑے کھڑے آپریشن کردیا، تو آپ کا ڈپلوما ضبط کرلے، آپ کو سزا دے، فوراً ان کی سمجھ میں آگیا، کہا کہ اچھی بات ہے، میں آتا ہوں، یہ لوگ دلائل کی حقیقت کو نہیں جانتے، نظائر کو جانتے ہیں، نظائر سے بہت جلدی سمجھ جاتے ہیں، دلائل سے نہیں سمجھتے۔

توانہوں نے وعدہ فرمالیا کہ میں آونگا، چنانچہ پھر ایک روز وہ آئے، اورانہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں وہ ہوں جس نے آپ سے مسئلہ پوچھا تھا، میں نے کہا اچھا اب کہئے اپنا سوال میں بھی فارغ، آپ بھی فارغ، انہوں نے کہا کہ خدا کہاں ہے؟ اگر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا، جب تک میں پانچوں چیز سے نہ دیکھ لوں میں تسلیم نہیں کرسکتا، میں نے کہا کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کہیں سے یا کسی سے یہ الفاظ سن لئے ہیں، اور بغیر معنیٰ مطلب سمجھے آپ نے ان کو یاد کرلیا، جیسے طوطا رٹا کرتا ہے، نبی جی، میاں مٹھو، جس طرح وہ مطلب سمجھے بغیر بولدیتا ہے، اسی طرح آپ نے کہیں سے یہ الفاظ سن لئے اور مطلب سمجھے بغیر آپ نے بولدیئے، ان کو یہ بہت ناگوار گذرا، کہنے لگے کہ آپ نے کیسے کہدیا؟ کہ میں نے مطلب نہیں سمجھا، میں نے کہا میں نے ایسے کہدیا کہ آپ اپنے سوال

کی تشریح نہیں کر سکتے، جب میں آپ سے تشریح پوچھوں، انہوں کہا کیسے نہیں کر سکتا ہوں، میں ابھی تشریح کر دونگا، پوچھئے آپ، میں نے کہا کہ بتایئے پانچ چیزیں آپ کے پاس کیا ہیں؟ دیکھنے کے لئے، اس نے کہا یہی حواس خمسہ، باصرہ، شامہ، سامعہ، ذائقہ، لامسہ، سب یہی پانچ چیزیں ہیں؟

میں نے کہا قدرت نے دیکھنے کے لئے باصرہ بنائی ہے، بقیہ چار چیزیں دیکھنے کے لئے نہیں بنائی، کسی چھوٹے بچہ سے پوچھوں کہ تم کس چیز سے دیکھتے ہو؟ وہ کہے گا آنکھ سے، اس سے کہو کان سے دیکھتے ہو تم؟ تو کہے گا کہ نہیں غلط ہے کان سے نہیں دیکھتا، کان کا کام دیکھنا نہیں، سننا ہے، کہو کہ ناک سے دیکھتے ہو؟ کہے گا کہ نہیں، ناک کا کام سونگھنا ہے، اس سے کہو کہ زبان سے دیکھتے ہو؟ کہے گا کہ نہ، زبان کا کام چکھنا ہے، کہو کہ ہاتھ سے دیکھتے ہو، کہے گا کہ نہیں ہاتھ کا کام چھونا ہے، غرض یہ کہ بچہ بھی یہ باتیں سمجھتا ہے، اور آپ نے اتنی تعلیم پائی خدا جانے کیا کیا پڑھا ہوگا، گریجویٹ کہیں کئے ہوئے ہوں گے، آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں، پھر ذرا اچھی طرح سلجھا کر ان کو سمجھایا تو کہنے لگے، کہ ہاں بات تو ویسی ہی ہے، اور کہا کہ اب سوال کیجئے، تو انہوں نے پھر سوال کیا خدا کہاں ہے؟ اگر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا، جب تک میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اس وقت تسلیم نہیں کر سکتا، میں نے کہا آپ کے اس سوال کے خیمہ کے پانچ ستون تھے، جن میں سے چار تو گر گئے، ایک رہ گیا، اس پر آپ اب تک اتنی شدت سے قائم ہیں؟ مجھے بتائے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں کیا سب کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ہی تسلیم کرتے ہیں، بغیر دیکھے تسلیم نہیں کرتے اپنا کان دیکھا ہے آپ نے آئنہ میں عکس دیکھا ہوگا، کان نہیں دیکھا ہے، اگر کوئی کہے کہ آپکے کان نہیں تو آپ کہیں کہ

ہے کان، تو کیا آپ نے کبھی دیکھا ہے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا، اپنی آنکھ دیکھی ہے؟ آئینہ میں آنکھ دیکھی ہے اپنی، اگر کوئی کہدے کہ آپ نابینا ہیں، اندھے ہیں آپ کے آنکھ تو ہے نہیں بتائیے؟ آپ نے اپنی آنکھ دیکھی ہے، آنکھ سے آپ نے اپنی گردن دیکھی ہے؟ سینہ میں دل دیکھا ہے؟ زبان دیکھی ہے، جگر دیکھا ہے، کمر دیکھی؟ کچھ بھی تو نہیں دیکھا آپ نے، دنیا میں آکر دوسروں کی تو یہ چیزیں دیکھتے پھرتے ہو، اپنی نہیں دیکھی، ان میں سے کسی ایک چیز کی نفی کیجائے، آپ ماننے کو تیار نہیں، میں نے کہا کہ اچھا بتائیے کہ اس شہر کی آبادی مردم شماری کتنی ہے؟ انہوں نے فوراً فرمایا، ایک لاکھ چھتیس ہزار میں نے کہا ہر شخص کو دیکھا ہے؟ کہا کہ ہر فرد کو دیکھا ہے آپ نے؟ یوں بتادیا ایک لاکھ چھتیس ہزار کیا ہر شخص کو دیکھا ہے؟ تب وہ خاموش ہوگئے، میں نے کہا آنکھ کی روشنی بھی دیکھی ہے؟ آنکھ کی پتلی آپ نے دیکھ لی ہوگی اور جو آنکھ کے اندر روشنی ہے جس کو نگاہ کہتے ہیں، وہ تو آئینہ میں بھی نظر نہیں آتی، لیکن ہے آپ کے پاس یقین ہے آپ کو کہ موجود ہے حالانکہ آپ نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔

بہت ساری مثالیں دیں، کسی چیز کو رد تو کر نہیں سکے وہ باقی ہاں سمجھ میں آرہا تھا کہ ان کا دل قبول نہیں کررہا ہے، میں نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے؟ بتایا، والد کا نام کیا ہے؟ بتایا، میں نے کہا کہ والد کا والد ہونا بھی دیکھا ہے، آپ نے؟ ایک شخص کو تو دیکھا ہے لیکن والد ہونے کی بنیاد بھی دیکھی ہے، یہاں آکر وہ خاموش رہے۔

اتنا بڑا دعویٰ کہ جب تک میں اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں اس کا وجود تسلیم نہیں کرسکتا، بتائیے صدر جمہوریہ ہند کو آپ نے دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا، مکہ دیکھا ہے؟ مدینہ دیکھا ہے؟

انگلینڈ دیکھا؟ کچھ نہیں دیکھا لیکن ان سب چیزوں کا یقین ہے بغیر اپنی آنکھ سے دیکھے تسلیم کرتے ہیں، اچھا یہ بتایئے کہ قدرت نے یہ جو پانچ چیزیں دی ہیں، پہلے تو آپ ان پانچ چیزوں سے دیکھنے کے دعویدار تھے، اب وہ چار چیز سے دیکھنے کو توختم کر دیا، لیکن کیا ان چار چیزوں سے کسی قسم کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا، اچھا آنکھ کو آپ نے کارآمد قرار دیا بقیہ چار چیزوں کو بیکار قرار دیا، آپ کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اپنی آنکھ سے دیکھیں گے تو یقین کریں گے، اور ان چار سے کوئی چیز حاصل ہو، علم میں آئے تو اس کا یقین نہ کریں گے؟ تو گویا آپ کے نزدیک حواس خمسہ میں سے چار بیکار ہوئے، ایک کارآمد ہے، لہٰذا یہ دعویٰ یہ مطالبہ کہ جب تک اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں تسلیم نہیں کرسکتا، کہاں تک صحیح ہے، بالکل غلط ہے، آئندہ کہیں کسی سمجھدار آدمی کے پاس ایسی بات نہ کہیئے گا، میں نے کہا کہ یہ سوال کرتے کہ ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں یا نہیں دیکھ سکتے ہیں؟ تو کہنے لگے کہ اچھا یہی بتا دیجئے؟ میں نے کہا کہ ہاں دیکھ لیں گے، آپ بتایئے کہ اگر آپ صدر جمہوریہ امریکہ کو دیکھنا چاہیں تو آپ کا مطالبہ ہو کہ اسی وقت یہیں بیٹھے بیٹھے اسی حال میں دیکھ لیں تو کیا دیکھ لیں گے؟ نہیں دیکھ سکتے، آپ کو سفر کرنا ہوگا، مختلف سواریوں کا سفر کرنا ہوگا، آپ کو ویزا پاسپورٹ بنوانا ہوگا، آپ کو کسٹم پر تمام چیزوں کی جانچ کرانی ہوگی، بمبئی میں پورا معائنہ کرانا ہوگا، کہ کوئی خلاف قانون چیز تو نہیں لئے جا رہے ہو، وہاں کی زبان سیکھنی ہوگی، وہاں کا لباس اختیار کرنا ہوگا، وہاں صدر کے جو لوگ مقرب اور دربار کے لوگ ہیں، ان سے رابطہ قائم کرنا ہوگا، تب کبھی جا کر آپ اس کو دیکھ سکیں گے، حالانکہ وہ آپ ہی جیسا گوشت پوست سے بنا

ہوا ایک انسان ہے لیکن اپنے جیسا گوشت پوست سے بنے ہوئے انسان کو آپ اس جگہ اسی وقت یہیں بیٹھے بیٹھے دیکھنا چاہیں تو نہیں دیکھ سکتے، تو مالک الملک جو سارے عالم کا خالق ہے، اس کو کیسے دیکھ سکتے ہیں، اس کے لئے بھی آپ کو سفر کرنا ہوگا، جیسے صدر جمہوریہ امریکہ کو دیکھنے کے لئے سفر کرنا ہوگا، اس مالک الملک کو دیکھنے کے لئے بھی سفر کرنا ہوگا، پاسپورٹ، ویزا بھی دیکھا جائے گا آپ کا۔

قبر کا سفر کرنا ہے، وہاں منکر نکیر آپ سے کچھ سوالات کریں گے جانچ کریں گے، کہ کوئی غلط قسم کی چیز تو دنیا سے نہیں لے کر آئے؟ اس کے بعد ایک مدت تک وہاں آپ کو رکھا جائے گا، پھر چل کر میدان حشر میں اعمال تولے جائیں گے، تمام حساب کتاب ہوگا، کیا دھرا سامنے آئے گا، خدا جانے نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے یا بائیں ہاتھ میں ملے، بہرحال اس کو پڑھنا ہوگا، پھر پلصراط پر گزرنا ہوگا، تب جا کر وہاں دیکھ پائیں گے، یہ جسم آپ کا وہاں کارآمد نہیں یہ ختم ہوجائیگا، یہ آنکھیں کارآمد نہیں دوسرا جسم ملے گا، دوسری آنکھیں ملیں گی، دوسرا دماغ ملیگا، دوسری طاقت ملیگی، یہ جسم دنیا کے لئے ہے ہزار قسم کی بیماریاں اس جسم میں لگی ہوئی ہیں، ڈاکٹر طبیب وغیرہ سے علاج کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے، جوانی ہے یہ ختم ہونے والی ہے، یہاں بڑھاپا آئیگا، یہاں کی راحت ختم ہوتی ہے، تو رنج آتا ہے، غرض قسم قسم کے حوادث یہاں لگے ہوئے ہیں، وہاں یہ حوادث موجود نہیں ہیں، وہاں ایسی جوانی ملے گی، جس کے بعد بڑھاپا نہیں، ایسی طاقت ملے گی، جس کے بعد کمزوری نہیں، ایسی تندرستی ملے گی جس کے بعد بیماری نہیں، ایسی زندگی ملے گی، جسکے بعد

موت نہیں، وہاں جا کر دیکھیں گے، مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہاں حق تعالیٰ کا دیدار جنت کی ایک اہم نعمت ہے، جس وقت حساب وکتاب ہوکر وہاں پہونچ جائیں گے، دنیا میں رہتے ہوئے ایسی طاقت نہیں کہ اس مالک الملک کو دیکھ سکیں گے، اس کی پیدا کی ہوئی چیز سورج کو دھوپ کے وقت تیز گرمی میں نہیں دیکھ سکتے، آنکھ کی طاقت بہت کمزور ہے، بہت ضعیف ہے، واجب الوجود کو یہ آنکھ نہیں دیکھ سکتی، دوسری آنکھ ملے گی اس آنکھ سے دیکھیں گے۔

گوشت خوری پر ڈاک افسر سے گفتگو

گوشت خوری پر ڈاک افسر سے گفتگو

ارشاد فرمایا کہ ایک ڈاکیہ نے مجھ سے کہا کہ ہمارے افسر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

میں نے کہا بہت اچھا، چنانچہ لے آئے ان کو۔

افسر نے کہا کہ ایک سوال ہے جس کا جواب چاہئے، وہ یہ کہ مسلمان گوشت کیوں کھاتے ہیں؟

میں نے کہا صرف گائے کے گوشت کے متعلق سوال ہے، یا جو جانور شریعت میں حلال ہیں سب کے متعلق!

اس نے کہا سب کے متعلق سوال ہے؟

میں نے کہا گوشت کھانا طبقاتی اعتبار سے انسان کی فطری چیز ہے اس لئے اس میں اشکال کی کیا بات ہے، اور وہ اس طرح کہ کائنات کی دو قسم ہیں ایک جسم، ایک روح، جس کے لئے شکل وصورت متعین ہو اس کو جسم کہتے ہیں، جس کے لئے شکل وصورت متعین نہ ہو مختلف صورتوں میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے، اس کو روح کہتے ہیں۔

پھر جسم کی دو قسم ہیں۔(۱) علوی (۲) سفلی، علوی کی بہت سی قسم ہیں شمس، قمر، عرش، کرسی، لوح محفوظ وغیرہ وغیرہ، سفلی کی دو قسم ہیں، بسیط مرکب، بسیط چار ہیں، جن کو عناصر اربعہ، اصول کون وفساد اور اُسطُقسیات بھی کہتے ہیں، یعنی خاک، باد، آب، آتش، (مٹی ہوا پانی، آگ)

مرکب کی دو قسم ہیں مرکب تام، مرکب ناقص۔

مرکب تام وہ جس میں چاروں عناصر موجود ہوں۔

مرکب ناقص وہ جس میں بعض عناصر ہوں بعض نہ ہوں، جیسے بھاپ، دھواں، غبار، مرکب تام کی چند قسم ہیں۔

۱......جمادات جن میں بڑھنے کی صلاحیت نہیں البتہ عناصر اربعہ ان کے اندر موجود ہیں، جیسے پتھر کی سل کہ اس کو جس ہیئت پر رکھ دو گے اسی پر رہے گی بڑھے گی نہیں، البتہ عناصر اربعہ سے حصہ لیتی رہتی ہے، اور یہی عناصر اربعہ فطری طور پر جمادات کی غذا قرار دیئے گئے ہیں۔

۲......جمادات سے اوپر نباتات ہیں، جن کے لئے اندر بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے ان میں عروق (رگیں) ہوتی ہیں، جس کے ذریعہ وہ اپنی غذا کو کھینچتی ہیں، لیکن غذائے بعید کو حاصل نہیں کرسکتیں، اور دشمن سے بھاگ کر بچ بھی نہیں سکتیں، نباتات کی غذا فطری طور پر قرار دیا عناصر کو اور جمادات کو اور بعض نباتات کو دوسری بعض نباتات کی غذا بھی قرار دیا جیسے پیپل کسی درخت پر چڑھ جاتا ہے، تو اس کو کھا جاتا ہے۔

۳......نباتات سے اوپر چل کر حیوانات ہیں ان کی غذا عناصر بھی ہیں، جمادات بھی ہیں، نباتات بھی ہیں، لیکن نباتات ہر حیوان کی غذا نہیں بلکہ جو نبات جس حیوان کے لئے مفید ہے، قدرتی طور پر وہ اس کی غذا ہے، اور ہر حیوان کی فطرت بتادیتی ہے کہ یہ چیز اس کے لئے مفید ہے، اس کو ڈاکٹری پڑھنے کی ضرورت نہیں، جس طرح بعض نباتات بعض دوسری نباتات کی غذا ہیں اسی طرح بعض حیوان بھی بعض حیوان کی غذا ہیں، چنانچہ بلی کی غذا چوہا ہے، شیر کی غذا بکری ہے وغیرہ وغیرہ۔

۴......حیوانات سے اوپر چل کر انسان ہے اس کی غذا عناصر بھی ہیں، جمادات بھی ہیں،

F.M.Fainal\Jild-1\04-Muqaddama

نباتات بھی ہیں ،حیوانات بھی ہیں ، مگرجس طرح ہر نبات انسان کی غذانہیں ، ہرحیوان بھی اس کی غذانہیں ، بلکہ اس کو بتایا جاتا ہے ، پڑھایا جاتا ہے ، کہ تمہاری یہ غذا ہیں یہ غذانہیں ، انسان کوبھی انسان کی غذانہیں بنایا ، اس طبقاتی کلیہ پرغور کرنے سے معلوم ہوتا ہے ، بلکہ صاف واضح ہوجاتا ہے کہ طبقۂ مافوق کی غذا طبقہ ماتحت کو بنایا گیا ہے ، لہٰذا جانوروں کوکھانا انسان کے لئے تجویز کیا گیا ، اس میں کیا اشکال ہے آپ کو۔

اس نے کہا یہ بات ہے کہ آپ بکری کھاتے ہیں سورنہیں کھاتے؟

میں نے کہا جس طرح ہر نبات ہرحیوان کی غذانہیں اسی طرح ہرحیوان ہرانسان کی غذانہیں ، بلکہ جواس کیلئے مفید ہے ، ان کوغذا بنایا ، اور جومضر ہیں یاان کی مضرت غالب ہے ، انکوغذانہیں بنایا ، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سور میں بے حیائی کا مادہ غالب ہے ، ایک مادہ سے کئی کئی نریکے بعد دیگرے جفتی کرتے ہیں ، جب تک ایک جفتی سے فارغ ہو ، تو کئی کئی امیدوار کھڑے رہتے ہیں ، اورکسی کوغصہ نہیں آتا ، اس کے برخلاف مرغ کو دیکھو بیس مرغیاں ایک مرغ کے ماتحت ہیں ان میں سے ایک مرغی کو دوسرا مرغا پکڑنا چاہے تو اس مرغ کو اتنا غصہ آتا ہے ، کہ سر اور گردن کے بال کھڑے کرکے دوڑتا ہے ، اس کو مارنے کیلئے اسی وجہ سے سور کھانے والوں کو دیکھو کہ انکے مزاج میں بھی کتنی بے حیائی ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی قربانی

ہمارے ایک بزرگ تھے (حضرت مولانا شیخ الہندؒ) وہ قربانی کے لئے گائے پالتے خود اس کو سانی کرتے، چارہ کھلاتے، بڑی محنت کرتے گائے کو بھی حضرت سے اتنا اُنس ہو جاتا کہ جب حضرت سبق کے لئے تشریف لاتے تو گائے بھی ساتھ ساتھ پیچھے آتی، اور دارالحدیث کے سامنے بیٹھ جاتی، پھر جب سبق سے فراغت پر گھر تشریف لے جاتے تو گائے بھی ساتھی ہولیتی، اور جب قربانی کے ایام آتے تو گھاس میں کمی کر دیتے بالٹی بھر کر دودھ جلیبی کھلاتے پھر قربانی سے پہلے اس کے جگہ جگہ مہندی لگاتے پھول بناتے، پھر یوم نحر (دس ذی الحجہ) میں قربانی کرتے اس پر دو چار آنسو بھی ٹپکاتے۔

لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کروگے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کروگے۔ (بیان القرآن)

پر عمل کرتے اس پر اس نے کہا اللہ کی محبت میں ایسا ہونا بعید نہیں، پھر میں نے کہا کہ ایک عیب سور میں یہ بھی ہے کہ وہ غلاظت کھاتا ہے، اس کا گوشت کھایا جائے تو اس کے اثرات آئیں گے۔

اس پر اس نے کہا کہ بعض گائیں بھی غلاظت کھاتی ہیں۔

میں نے کہا جو کچھ تھوڑی بہت کھالیتی ہے، وہ گھاس وغیرہ کے ذریعہ تحلیل ہو جاتی ہے، اس کا اثر باقی نہیں رہتا، اور جو گائے مستقل غلاظت کھاتی ہے، اس کی غذا غلاظت ہی

ہے، وہ ہمارے نزدیک بھی جائز نہیں اور آپ کو یہ غلاظت تو محسوس ہو رہی ہے، اشکال ہو رہا ہے، جو لوگ اس کا پیشاب پیتے ہیں، اور اس کے گوبر کو پوجتے ہیں، اپنے بتوں کے منہ پر لگاتے ہیں، اس پر کوئی اشکال نہیں ہوتا، اس پر اس نے کہا اچھی بات ہے، میں گفتگو ختم کرتا ہوں، شاید آپ کو ناگواری ہو رہی ہے، میں نے کہا مجھے ناگواری نہیں ہو رہی ہے، باقی آپ کو ضرور ناگواری شروع ہوگئی، اس پر گفتگو ختم ہوگئی اور وہ چلا گیا۔

بکرے کی حلت اور سور کی حرمت پر پنڈت سے گفتگو

ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک پنڈت میرے پاس آیا، کبھی کبھی آیا کرتا تھا، کہنے لگا مولوی صاحب آپ کے مذہب میں ایک مسئلہ بڑا عجیب ہے؟

میں نے کہا ہم سارے ہی عجیب ہیں، آپ نے دیکھا ہی کیا ہے، بتلایئے؟

اس نے کہا دو جانور ایک صورت شکل کے ایک کو آپ حلال کہتے ہیں، ایک کو حرام کہتے ہیں، یعنی بکرا اور سور ایک طرح کے مگر آپ ایک کو حلال کہتے ہیں، ایک کو حرام اس کی کیا وجہ ہے؟

میں نے کہا پنڈت جی ذرا جواب کڑوا ہے، ناگوار نہ گذرے۔

اس نے کہا ہوگا ہی نہیں جواب۔

میں نے کہا جواب تو ایسا ہے کہ اگر سمجھ میں آ گیا تو ناک کے بال بھی جل جائینگے، منہ سے حلق تک سب چھل جائے گا، اور زندگی بھر کبھی یہ سوال زبان پر نہیں لاؤ گے، لیکن چونکہ آپ سے تعلق ہے اس لئے زیادہ کڑوے اجزاء نکال کر ہلکی کڑواہٹ کے ساتھ پیش

کرتا ہوں سنئے، کون اندھا ہے جو بکرے اور سور کو ایک جیسا کہہ دیگا، (میں نے اپنی طرف سے اشارہ کرکے کہا) بکرے کے داڑھی ہے (اور اس کی طرف اشارہ کرکے کہا) سور کے داڑھی نہیں، بکرا گھاس پات کھاتا ہے، سور پاخانہ اور دوسری غلاظتیں کھاتا ہے، بکری کے تھن دو ہوتے ہیں، اور سورنی کے زیادہ، بکرے کے سینگ ہوتے ہیں، سور کے سینگ نہیں ہوتے غرض صورت اور اعضاء کی خلقت دونوں کی الگ الگ ہے لیکن ہم نے مانا کہ دنیا میں اندھے بھی رہتے ہیں، ان کی رعایت بھی ضرور کرنی ہے (جن کو یہ فرق نظر نہیں آتا) اچھا آپ بتلایئے کہ آپ کی والدہ زندہ ہے؟

اس نے کہا ہاں زندہ ہے!

میں نے پوچھا بہن ہے کوئی؟

اس نے کہا ہاں ہے!

میں نے کہا بیوی ہے؟

کہا ہاں!

میں نے پوچھا کہ بچے بھی ہیں؟

اس نے بتایا دو بچے ہیں!

میں نے کہا کس سے؟

اس نے کہا کس سے کیا مطلب!

میں نے کہا بھئی آپ کے گھر میں تین عورت ہیں، ایک آپ کی والدہ دوسرے آپ کی بہن، تیسرے آپ کی بیوی وہ دو بچے آپ کے کس عورت سے ہیں؟

اس پر غصہ میں جواب دیا بیوی سے ہیں بچے اور کس سے ہوتے ہیں، میں نے کہا

آپ کی بیوی والدہ بہن تینوں عورتیں ہیں شکل وصورت بھی ایک ہی ہے، دونوں ایک جیسی ہیں، دوآنکھیں ان (بیوی) کے دوآنکھیں ان (والدہ) کے دوکان دو ہاتھ دو پیر بیوی کے بھی والدہ کے بھی، شکل بھی ایک اعضاء بھی ایک، خلقت بھی ایک، لیکن کیا وجہ ہے آپ اپنے لئے بیوی کوحلال سمجھتے ہیں، اور والدہ کوحرام (ان کی پیشانی پرتغیر آیا) پھر بیوی اور ماں میں تو عمر کا فرق بھی ہے، بیوی اور بہن میں تو کوئی خاص فرق نہ ہوگا، عمر میں بھی ایک جیسی ہونگی، کیا وجہ ہے کہ آپ بہن کو اپنے لئے حرام سمجھتے ہیں، اور بیوی کو حلال سمجھتے ہیں۔

پنڈت جی غصہ میں آکر کہنے لگے دیکھئے یہ ہیں مسلمان یہ ہیں ان کے اخلاق یہ ہے ان کو تمیز، پہنچ گئے ماں بہن پر۔

میں نے کہا توبہ توبہ پنڈت جی آپ غلط سمجھ گئے، میں آپ کی ماں بہن پرنہیں پہونچ رہاہوں، آپ ایسا سمجھے تو ہے واقعی غصہ کی بات، کسی شریف آدمی کی ماں بہن کے پاس کوئی غیر آدمی پہنچ جائے غصہ آہی جاتا ہے، آپ کا غصہ بالکل صحیح ہے، لیکن سمجھے آپ غلط (آپ ہی نے سوال کیا تھا ایک ہی شکل وصورت کے دو جانور ہیں، اسلام عجیب ہے کہ ایک کوحلال ایک کوحرام کہدیا، اسی کا جواب سمجھا رہاہوں) بس اب اُوٗل فول بکنا شروع کیا۔ میں نے کہا دیکھئے میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جواب بہت زیادہ کڑوا ہے، تاہم اس میں سے بہت کڑوے اجزا میں نے نکال لئے تھے۔

کہنے لگے کہدو وہ بھی کہدو۔

میں نے کہا کہہ دوں؟

اس نے کہاہاں!

میں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اب کچھ تحمل کا مادہ پیدا ہوگیا ہے، تو سنئے مجھ میں

اورآپ میں کوئی فرق تو نہیں کیا وجہ ہے کہ آپ اپنی بیوی کو خود کے لئے حلال سمجھتے ہیں اور میرے لئے حرام اسی طرح مجھ میں اور آپ کے بہنوئی میں کوئی فرق نہیں کیا وجہ ہے کہ اپنی بہن کو اپنے بہنوئی کے لئے آپ جائز سمجھتے ہیں، اور میرے لئے ناجائز، اسیطرح کیا وجہ ہے کہ اپنی والدہ کو اپنے والد کے لئے حلال سمجھتے ہیں، اور میرے لئے حرام کہتے ہیں، حالانکہ بظاہر مجھ میں اور آپ کے والد میں کوئی فرق نہیں بلکہ پرانی وضع قطع کے ہوں تو شاید ان کے بھی داڑھی ہو، غرض ہم دونوں ایک سے ہیں کیا وجہ ہے کہ ان کے لئے آپ کی والدہ حلال میرے لئے حرام، پنڈت جی بہت بہت شرمندہ ہوئے، اور جتنے الفاظ ان کی ڈکشنری میں تھے غصہ میں سارے ہی کہہ دیئے، میں نے کہا پنڈت جی اب تو بہت ہوگیا، اب ذرا سنبھل کر بیٹھو، آپ کا غصہ اور ناراض ہونا حماقت اور جہالت ہے، آپ اپنے مذہب سے واقف نہیں جو ناراض ہو رہے ہیں، آپ کی کتاب ستیارتھ پرکاش میں (ص۱۲۹) میں لکھا ہے کہ جو شخص روپیہ حاصل کرنے کیلئے یا علم حاصل کرنے کے لئے، باہر پردیش میں گیا ہو اور اس کے پیچھے اسکی بیوی کو اولاد حاصل کرنے کی خواہش ہو تو اس کے واسطے جائز ہے کہ اپنے پڑوسی سے حاصل کرلے، میں نے کتاب کھول کر دکھا دی، اس کے بعد میں نے کہا اب بتایئے میں نے کیسے خلاف کیا، اور اگر کوئی آپ کے پڑوس میں رہتا ہو اور آپ کہیں باہر گئے ہوں اور آپ کی بیوی کو اولاد حاصل کرنے کی خواہش ہو تو آپ کی کتاب کی رو سے بلا تکلف جائز ہے کہ غیر سے اولاد حاصل کرلے، بس اب اٹھ کر چل دیئے۔

میں نے کہا پنڈت جی معاف کرنا سور کا جواب تو ایسا ہی ہو!

اس نے کہا ہاں اب سور بھی مجھے کہہ دو۔

میں نے کہا میں تو بہت دیر سے کہہ رہا ہوں کوئی نہ سمجھے تو کیا کروں۔

افتاء وتفقہ

تمام علوم عقلیہ نقلیہ، درسیہ، غیر درسیہ، میں مہارت تامّہ کے باوجود افتاء وتفقہ میں وہ مہارت تامہ حق تعالیٰ نے حضرت والا کو عطا فرمائی تھی، کہ عصر حاضر میں اس کی نظیر بمشکل ملے گی، افتاء وتفقہ حضرت والا کا اصل موضوع تھا، گویا اسی کے لئے حضرت والا کو پیدا کیا گیا تھا، پوری زندگی اس خدمت میں صرف ہوئی، اس کیلئے بھی ''حیات محمود'' سے کچھ نقل کرتا ہوں، جس سے افتاء وتفقہ میں حضرت والا کی مہارت تامہ وکامل دستگاہ اور عظیم بصیرت کا کچھ اندازہ ہوسکے۔

افتاء وتفقہ

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا قدس سرہٗ کوتفقہ فی الدین میں وہ عظیم مقام عطا فرمایا جو لاکھوں کروڑوں علماء میں کسی خوش نصیب کو عطا ہوتا ہے، علوم درسیہ کی تکمیل اور فراغت کے بعد سے اخیر تک زندگی کا تمام وقت درس و تدریس اور دیگر دینی خدمات کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں ہی بسر ہوا، بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمال درک مطالعہ کی کثرت وسعت اور گہرائی وگیرائی علوم کا استحضار رسوخ فی العلم ورسوخ فی الدین کتاب وسنت فقہ واصول فقہ میں اختصاصی مہارت اس کے ساتھ طبع سلیم، فہم مستقیم، فطرت صحیحہ پھر قدیم وجدید، علمی ذخیرہ پر اطلاع ووا قفیت کے ساتھ اہل زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت عرف سے بھی باخبری جسکو فقہاء نے بڑی اہمیت دی ہے، نیز تیسیر کے حدود کی نگہداشت اور عموم بلویٰ کی صحیح تعریف اور اسکے لحاظ سے فقہی شرائط سے آگاہی اہل زمانہ کے عقود ومعاملات اور تعلقات کی نوعیت، نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت تغیرات زمانہ اوران کے شرعی احکام سے واقفیت اوران کے لحاظ سے حدود سے آگاہی، مقاصد شریعت اور حکمت تشریع کا علم جو استنباط مسائل کی روح اور قیاس واستحسان اور مصالح مرسلہ کی نگہبان و پاسبان ہے، اوراس پر جذبۂ خدمت خلق اور کمال اخلاص وللّٰہیت، صلاح وتقویٰ، امانت ودیانت وہ آپ کا وصف ممتاز اور موہوب خداوندی ہے، جس نے آپ کو آپ کے تمام اقران وامثال میں ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کردیا، ہندوستان کے اسلامی علوم وفنون کے دو عظیم مرکز دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور دارالافتاء کے مفتی اعظم ہوئے اور دیگر متعدد مدارس کے دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل

رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی، سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوے تلمذ طے کرکے، مفتیانِ کرام تیار ہوئے، اورانہوں نے اپنے اپنے مقام پر پہلے سے قائم شدہ دارالافتاؤں کوسنبھالا، یا نئے قائم کئے اور فتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعت دین اورمخلوق کی رہبری وہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے، کہ آج دارالعلوم دیوبند، مظاہرعلوم سہارنپور، شاہی مرادآباد، مدرسہ تعلیم الدین جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، جامعہ رحمانیہ ہتھورا باندا، اوردیگر ملکی اور بہت سے غیرملکی اداروں کے دارالافتاء کے مسند کوزینت دینے والے اکثرحضرت والا کے تربیت یافتہ اورتلامذہ ہی ہیں۔

فقیہ الامت اورمفتیٔ اعظم ہند کا خطاب

ادھرحضرت والا کے تحقیقی فتاویٰ کی متعددمبسوط جلدیں شائع ہوکرعلمی وفقہی اورتحقیقاتی دنیامیں حضرت والا کی جلالت شان اورکمال فقاہت کالوہامنواچکی ہیں، جس کی وجہ سے آج پوری علمی دنیامیں حضرت والا کوفقیہ الامت اورمفتی اعظم ہند کے نام سے یادکیاجاتاہےاوریہ لقب، خطاب آپ کواپنے نیازمندشاگردوں اورعقیدتمندوں نےنہیں دیابلکہ من جانب اللہ یہ خطاب آپ کے لئے تجویز کیا گیا، اورپھرعوام وخواص کی زبانوں پراس کی شہرت ہوگئی۔

ایک دفعہ حضرت مولاناملک عبدالحفیظ مکی زیدمجدہم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب زیدمجدہم اوردیگرحضرات کلیرشریف، حضرت خواجہ محمد صابرصاحب نوراللہ مرقدہٗ کے مزار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، اورحضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کوبھی ہمراہ لے گئے، وہاں جاکرفاتحہ وغیرہ پڑھ کرمراقب ہوئے، مولاناملک عبدالحفیظ

صاحب زید مجدہم جنکو مکاشفات اور کشف قبور وغیرہ سے گہری مناسبت ہے مکاشفہ میں دیکھا مکاشفہ تو بہت طویل ہے، یہاں تو صرف وہ حصہ جو حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے متعلق ہے بیان کرنا مقصود ہے، مکاشفہ میں دیکھا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے بارے میں فرمایا:۔

آپ مفتی اعظم ہند ہیں، آج آپ کو نوازا جائیگا، اور آپ پر پھول نچھاور کئے جائینگے چنانچہ ایک تخت پر بٹھا کر آپ پر پھول نچھاور کئے گئے۔

ہے تو یہ مکاشفہ ہی اور مکاشفہ کوئی قطعی حتمی چیز نہیں ہوتی، غلطی کا احتمال اس میں ہوتا ہے، مگر اس مکاشفہ کے بعد دیکھا کہ خطوط پر ہر چہار جانب سے مفتی اعظم ہند لکھا ہوا آنا شروع ہو گیا، اور عام طور پر لوگوں نے مفتی اعظم ہند کہنا اور لکھنا شروع کر دیا، حالانکہ یہ مکاشفہ تو بہت راز میں رکھا گیا، کہ کسی کو اس کا علم ہی نہ ہو سکا، جس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ مکاشفہ حق تھا، اور گویا من جانب اللہ ہی لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی، ورنہ تو اس سے قبل عام طور پر مفتی اعظم دار العلوم لکھا اور بولا جاتا تھا۔

حضرت والا کے فتاویٰ پر اعتماد اکابر

حضرت والا قدس سرہٗ کے فتاویٰ پر اکابر کو اعتماد ابتداہی سے رہا، اسی کمال واعتماد کی بناپر اکابر مظاہر سہارنپور حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوریؒ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ بانیٔ تبلیغ، حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر علوم نور اللہ مراقدہم نے فتویٰ نویسی کے عظیم منصب پر مظاہر علوم میں تقرر فرمایا، اور جامع العلوم کانپور تشریف بری کے بعد یہ تمام اکابر مظاہر علوم واپسی کے برابر کوشاں اور ساعی رہے، اور اسی کمال اعتماد

کی بنا پر مرکز العلوم دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کی صدارت اور مفتی اعظم کے عظیم منصب کے لئے اکابر دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا علامہ ابراہیم بلیاویؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نوراللہ مرقدہم اور دیگر اکابر شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے تقرر فرمایا اور انتہائی کوشش کے بعد جامع العلوم کانپور سے دارالعلوم بلالیا گیا، دیگر مفتیان کرام کی آرا اگر کسی مسئلہ میں مختلف ہوتیں توحضرت والا کی رائے اور تحقیق ہی عام طور پر آخری رائے، اور فیصلہ کن قابل اعتماد سمجھی جاتی۔

قطب عالم حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کوخود ذاتی طور پر کسی مسئلہ میں تحقیق کی ضرورت پیش آتی تو، حضرت والا قدس سرہٗ کی طرف ہی رجوع فرماتے، اور حضرت کے فتاویٰ پر ہی کامل اعتماد فرماتے۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں (زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً) قیام کے دوران حضرت مولانا قاری محمد عباس بخاری نوراللہ مرقدہٗ نے گھوڑے کا گوشت حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کی خدمت میں بھیجا حاضرین مجلس میں باہم چہ میگوئیاں اس کے جواز وعدم جواز کے سلسلہ میں ہوئیں، حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے دریافت فرمایا، حضرت نے جواب دیا جائز ہے! حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا بھائی مجھ کوتو میرے مفتی نے فتویٰ دے دیا، میں تو کھاؤنگا، جس کا جی چاہے کھائے جس کا جی چاہے نہ کھائے۔

حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری قدس سرہٗ کی تدفین اور ہندوستان جنازہ کے منتقلی کے سلسلہ میں ہندو پاک کے علماء ومفتیان کرام میں سخت اختلاف ہوا، حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ سے بھی دریافت کیا گیا بلکہ بہت سے حضرات نے

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کی رائے پر ہی فیصلہ موقوف کردیا، حضرت شیخ نواللہ مرقدہٗ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو کانپور پوری تفصیل لکھ کر فتویٰ طلب کیا، اور پھر اسی فتویٰ کو اپنی رائے قرار دے کر لکھ کر بھیج دیا، اور اسی کے مطابق عمل درآمد کیا گیا۔

مکتوب گرامی حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ

اس وقت نہایت ایک اہم شدید ضرورت ایک مسئلہ کی ہے، جس میں ہندو پاک میں اہل فتویٰ بہت مختلف ہیں، اور فیصلہ مجھ جاہل پر رکھ دیا گیا، قصہ یہ ہے کہ حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کی نعش مبارک ایک تابوت میں لاہور سے حضرت کے گاؤں لے جائی گئی، وہاں سیلاب کا بہت خطرہ ہے، گاؤں بھی کئی دفعہ ڈوب چکا ہے اس لئے نعش مبارک کو کھود کر اس میں رکھنے کے بجائے، ایک چبوترہ بنا کر اس پر رکھ دیا، اور چاروں طرف سے پختہ چن کر اس پر ڈاٹ لگادی، اور اسکے چاروں طرف بہت سی مٹی ڈال کر اس چبوترہ کو قد آدم سے اونچا کر دیا گیا، اور چبوترہ سب کچا ہے، اب تابوت چبوترہ کی سطح سے تقریباً قد آدم نیچا ہوگیا، اور چبوترہ سب کچا ہے، اسکے اوپر کچی قبر بنادی گئی، ایک فریق کہتا ہے کہ یہ دفن فی القبر ہوا ہی نہیں تابوت چبوترہ پر رکھا ہے، وہ تدفین سے پہلے منتقل کیا جاسکتا ہے، اسی لئے کہ یہ نہ دفن ہے نہ قبر دوسرا فریق کہتا ہے کہ فقہاء نے سیلاب وغیرہ اعذار کی وجہ سے اس صورت کو بلا کراہت جائز رکھا ہے، اس فریق کے روح رواح مفتی زین العابدین مفتی عبداللہ دہرم کوٹی، مفتی محمد سعید ڈنگہ بونگہ، اور کئی مفتیان ہیں، جو شامی بدائع اور سنا ہے کہ بہت سی کتابیں فقہ کی گاؤں میں لئے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کو اعتراض ہو ہمارے

پاس آجائے، سنا ہے بلکہ کئی خطوط آبھی چکے ہیں، کہ میرے فیصلہ کی اس میں فوراً ضرورت ہے، ارادہ تو میں آپکو لکھنے کا شروع ہی سے کررہا تھا، مگر علی گڈھ کے سفر اورانتشار وتشتت کی وجہ سے ٹلتا رہا، آج کی ڈاک سے کئی اہم خطوط اس بارے میں اپنی رائے لکھنے کیلئے پہنچے، دوسرے فریق کے سرگروہ مولانا عبدالعزیز گم تھلویؒ ہیں، علی میاں بھی کل رات لاہور سے آئے اورکل شام لکھنؤ چلے گئے، ان کا ارادہ دوتین روز میرے پاس ٹھیرنے کا تھا، مگر نظام الدین سے عربوں کی ایک جماعت پرسوں یہاں آئی، جوآج لکھنؤ گئی، ان کی مجبوری سے علی میاںؒ کل ہی لکھنؤ چلے گئے اس لئے کہ مولوی منظور بھی وہاں نہیں ہیں، علی میاں اس سلسلہ میں بہت غور وخوض سے کوئی بات جلد لکھنے کا تقاضا کرگئے ہیں، اس لئے کہ اس فتنہ کا بڑھنے کا خطرہ ہے سنا ہے کہ حضرتؒ کے بعض ولایتی مرید بہت زوروں پر ہیں، اوروہ تابوت کو وہاں سے منتقل کرنے کے منصوبے بنارہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہی فضل فرماوے، میں نے فوری طور پر یہ لکھدیا ہے کہ ابھی کوئی تغیر نہ کیا جائے، لیکن جولوگ یہ کہتے ہیں کہ دفن ہی نہیں ہوا، ان کے نزدیک دفن میں تاخیر ہورہی ہے، براہِ کرم غور کے بعد اپنی رائے سے جلد مطلع کریں، بندہ کے خیال میں اگر دفن بالکراہیت ہی ہوگیا ہے، تو کافی ہے کہ اب نقل میں مزید فتنہ کے اندیشہ ہے۔ فقط والسلام محمد زکریا یکم ربیع الثانی ۸۴ھ

اس نوع کا سوال بہادرشاہ ظفر مرحوم کی قبر کورنگون سے دہلی لال قلعہ میں منتقل کرنے کا پیش آیا، بعض ارباب حکومت اس میں کافی شدت پر تھے، جنرل شاہنواز نے اس سلسلہ میں استفتاء مولانا محمد میاں صاحبؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند کی خدمت میں بھیجا انہوں نے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ سے استفسار کیا حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے استفتاء مع مکتوب حضرت مولانا میاں صاحبؒ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے پاس بھیجدیا، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے اس کا تحقیقی جواب ارقام فرمایا،

جس کو ان سب اکابر نے تسلیم کیا، اور اسی کے مطابق عمل کیا گیا، کہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنیکا ارادہ ختم کردیا گیا اس موقع پر جو مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا ہدیہ ناظرین کیا جارہا ہے:۔

اسکے بعد جنرل شاہنواز خاں کا استفتاء مع مکتوب مولانا محمد میاں صاحب قدس سرہٗ اور جواب حضرت والا قدس سرہٗ پیش کیا جائے گا۔

مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ

مکرم محترم مفتی صاحب مد فیوضکم بعد سلام مسنون ایک بہت ضروری استفتاء آپ کے پاس بھیج رہا ہوں، کل کی ڈاک سے یہ استفتاء مولوی محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء نے میرے توسط سے مدرسہ میں بھیجا تھا، اور جلدی تقاضا جواب بھی کیا اس لئے کہ شروع نومبر میں بہادر شاہ ظفر کی برسی منائی جارہی ہے، اس لئے پہلے یہ استفتاء چاہئے، اس میں ایک خط تو جنرل شاہنواز کا ہے، جو مولوی محمد میاںؒ کے نام انہوں نے لکھا ہے اسکی نقل شروع میں ہے اور سرخی کے نشان کے بعد وہ استفتاء ہے جو جنرل شاہنواز نے مولوی محمد میاں سے کیا ہے، کہ علماء کے مشورہ سے جواب لکھیں اس میں قابل غور چیز یہ ہے کہ ان کے بیان کے موافق اگر وہ خطۂ زمین پانچ چھ گز سے زمین سمیت اکھاڑ لیا جائے، اس میں نبش قبر تو ہوتا نہیں، البتہ انتقال میت ضرور ہے، ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟ کیا یہ بھی نقل میت ہے، نبش قبر تو نہیں بشرطیکہ یہ صورت ممکن ہو یہ لکھ رہے ہیں، کہ زمین کا وہ حصہ اٹھایا جاسکتا ہے، بہرحال اس سے فکر سوار ہوگیا، نہ معلوم دنیا کو کیا خبط سوار ہورہا ہے، غور وخوض کے بعد جواب میں عجلت فرمائیں۔ فقط والسلام محمد زکریا مظاہر علوم ۶؍ جمادی الثانی ۸۳ھ۔

اسکا جواب حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا اسی کو حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے مولانا محمد میاں صاحب قدس سرہٗ کے پاس بھیجدیا، فتاویٰ محمودیہ میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

مکتوب مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء

س:۔ حضرت محترم دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج اقدس:۔

جنرل شاہنواز کے خط کی نقل ہم رشتہ ہے اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی زندگی میں بھی یہ مسئلہ آیا تھا، ان حضرات کا خیال تھا کہ منتقل کرنے کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ قبر کو کھودنے اور لحد کو کھولنے کے بجائے پوری قبر اٹھائی جائے، یعنی قبر کے چاروں طرف سے دو ڈھائی گز تک زمین کھود کر یہ پورا ٹکڑا جس میں لحد اور قبر ہے اس طرح اٹھالیا جائے جیسے بڑے درخت کا پنڈا اٹھایا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس صورت میں بھی وہی حکم ہوگا، جو لحد کھولنے اور جنازہ کو اس سے نکالنے کا ہوتا ہے۔ بینوا توجروا انشاء اللّٰہ۔

نیازمند محتاج دعا (حضرت مولانا) محمد میاں

۴ / جمادی الآخر ۸۳ھ

استفتاء جنرل شاہنواز خاں صاحب مرحوم

صفدر جنگ روڈ نئی دہلی، مورخہ ۱۷/۱ اکتوبر ۶۳ھ

محترم جناب مولانا صاحب مدظلہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
۷/نومبر ۶۳ء کو چھ بجے شام لال قلعہ دہلی میں جناب بہادر شاہ ظفر کی برسی منائی جارہی ہے، جس کی رسم افتتاح جواہر لال نہرو فرمارہے ہیں، اس موقع پر یہ سوال بھی اٹھے گا کہ بہادر شاہ ظفر کی قبر کورنگون سے دہلی کے لال قلعہ میں منتقل کیا جائے یہ وہ حسرت ہے جس کو اپنے دل میں لئے ہوئے، حضرت ظفر نے وفات پائی یہ حسرت ان کے شعر سے صاف ظاہر ہوتی ہے، جس میں انہوں نے فرمایا ہے۔

ع:۔ دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں

۴۳ء میں جنگ آزادی کے دوران نیتاجی سبھاش چندر بوس پہلی مرتبہ رنگون گئے، تو انہوں نے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کے اوپر کھڑے ہوکر انکی یہ نظم دہرائی:۔

غازیوں میں بو رہے گی جب تلک ایمان کی
تخت لندن تک چلے گی تیغ ہندوستان کی

نیتاجی سبھاش چندر بوس نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں سبھاش چندر بوس آپکے سامنے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہندوستان کی تلوار لندن تک چلاؤنگا اور جو کام جنگ آزادی کا آپ نے شروع کیا ہے اس کو پائے تکمیل تک پہنچاؤنگا، اس موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان آزاد ہوگا، اور دہلی کے لال قلعہ کے اوپر ''یونین جیک'' کی جگہ ترنگا جھنڈا لہرائے گا تب آپ کو جنگ آزادی کے شہنشاہ کی حیثیت سے پوری شان وشوکت کے ساتھ دیس واپس لایا جائے گا، ظفر کمیٹی کی خواہش ہے کہ نیتاجی سبھاش چندر بوس کے اقرار کو پورا کیا جائے، اور شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار

F.M.Fainal\Jild-1\05-Muqaddama

کو دہلی کے لال قلعہ میں لایا جائے، اوراس کے اوپر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے ممبران کمیٹی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دینی نقطۂ نگاہ سے مزار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے، میں بہت مشکور ہونگا، اگر آپ مجھے اس کا جواب دوسرے علمائے کرام سے مشورہ کرکے جلد از جلد دیں، زیادہ آداب آپ کا مخلص۔(دستخط، شاہ نواز خاں)

جواب فقیہ الامت قدس سرہٗ

الجواب:۔ حامداً ومصلیاً

اصل یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہوا اس بستی میں اس کو دفن کیا جائے اگر اس نے وصیت کی ہو، کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا، تو اس وصیت پر عمل لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے''**یندب دفنه فی جهة موته ای فی مقابر اهل المکان الذی مات فیه او قتل** اھ''(شامی) حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کو انتقال کے بعد دوسرے مقام پر لے جا کر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک سفر میں جاتے ہوئے جب انکی قبر پر گزریں تو فرمانے لگیں، کہ اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کئے جاتے، بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا، وہیں دفن ہوتے، تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمدؒ نے میل دو میل مقام وفات سے حسب مصالح دور لے جا کر دفن کرنے کی گنجائش بتائی ہے:۔

''ولاباس بنقله قبل دفنه قیل مطلقا وقیل الی ما دون السفر وقیدهٗ محمد بقدر میل اومیلین لان مقابر البلدربمابلغت هذه المسافة فیکره فیما زادقال فی النهرعن عقدالفرائدهو الظاهر'' (شامی، ص۶۰۲، ج۱)

لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی، **واما نقله بعد دفنه فلامطلقا** اھ (شامی)

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنے کی تین صورتیں لکھی ہیں، ایک یہ کہ میت کوکسی غیر کی زمین میں بغیر اجازت مالک دفن کردیا گیا ہو، جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہوگیا، اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضا مند نہیں ہے، بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے، تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کردیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، دوسری صورت کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، تیسری صورت یہ ہیکہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو منتقل کرنے کی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے۔

واقعہ مسئولہ دوسری صورت میں داخل ہے جوکہ بالاتفاق ناجائز ہے، یہ تاویل کہ دوڈھائی گز زمین کھودکر اٹھائی جائے، کارآمد نہیں کیوں کہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے، اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی، وہ نعش کے تابع ہوکر منتقل ہوگی، جس طرح کہ میت کے ساتھ کفن تابوت ہوکہ وہ تابع میت ہے نہ کہ مقصود اصل لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا، کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کرکے لائے ہیں، پھر دہلی لاکر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا، یہ بناء علی القبر ہے جس کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے، اور فقہا نے اس کو حرام لکھا ہے:۔

"فی الشرنبلالی عن البرهان يحرم البناء عليه للزينة ويكره للاحكام بعد الدفن اھ (طحطاوی)

تنبیہ:۔ شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ

اس طرح جو بھی اہم تحقیقی سوالات حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں آتے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے پاس بھیجدیتے اور مرسل کو لکھ دیتے کہ میں نے آپ کا خط اپنے معتمد مفتی محمود صاحب کے پاس بھیجدیا اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ ان کے جوابات تحریر فرماتے، حضرت شیخ نو اللہ مرقدہٗ کے مکتوب گرامی کا اقتباس ملاحظہ ہو:۔

اقتباس مکتوب گرامی حضرت شیخ

پرسوں ایک کارڈ نجس شہد کے مسئلہ کے سلسلہ میں پتہ کاٹ کر آپ کے پاس ارسال کیا تھا، آج پاکستان کا ایک خط پہنچا، اپنی جہالت کی سزا میں دو لفافے مزید خرچ کر کے آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔

ان خطوط کے جواب میں اتنا اضافہ فرما دیا کریں کہ زکریا نے تمہارا خط میرے پاس بھیجدیا ہے، وہ خود فتاویٰ کا جواب نہیں لکھتا تا کہ انکو یہ اشکال نہ رہے کہ خط تو فلاں کے نام تھا ان صاحب کو تو میں اسی وقت کارڈ بھی لکھ رہا ہوں کہ آپ کا خط میں نے مفتی محمود حسن صاحبؒ کے پاس جو میرے بہت معتمد ہیں بھیج دیا۔ فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم، ۲۸ / جمادی الثانی ۸۷ھ

۶۶ھ میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے رمضان المبارک نظام الدین گزارا حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ اور دیگر بہت سے اہل تعلق وارادت نے بھی وہیں رمضان گزارا رمضان بعد ملکی حالات خراب ہو گئے، اِدھر اُدھر آمد ورفت مشکل ہو گئی۔

اس موقع کا ایک مکتوب گرامی ملاحظہ ہو:۔

مکتوب گرامی حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ

عنایت فرمایم مفتی محمود صاحبؒ مدفیوضکم، بعد سلام مسنون اس سے قبل ایک خط میں بندہ نے لکھا تھا کہ میری واپسی تک جمعہ کے دن ایک گھنٹہ ۱۱؍ سے ۱۲؍ تک آپ مسجد مدرسہ قدیم یا کچے گھر میں تشریف رکھ کر دیہات سے آنے والوں کو مسائل کے علاوہ تبلیغ و تذکیر اوران فسادات کے دور میں نماز واذکار کی پابندی پر تنبیہ فرمایا کریں مولوی نصیر صاحب لوگوں سے بتادیں کہ وہ اس وقت وہاں جمع ہوجایا کریں، جو حضرات ماہ مبارک میں یہاں جمع تھے، اور میری واپسی تک یہاں سے میرے ساتھ سہارنپور جانا چاہتے تھے، سب کو میں نے تقاضہ سے ان کی خلاف خواہش روانہ کردیا بعد میں اس سے بڑی مسرت ہوئی کہ وہ بھی خواہ مخواہ میرے ساتھ محبوس ہوجاتے، مگر آپ کے جانے کا اسلئے قلق ہوا کہ یہاں مفتی کی بڑی ضرورت پیش آئی، دہلی کے سب راستے بند اور تقریباً ایک لاکھ کا مجمع دیہات اور دہلی کا پرانے قلعہ اور نظام الدین کے ماحول میں محبوس اور مسائل کی ہر وقت ضرورت اور میں فتاویٰ سے عاجز مسائل تو بہت پیش آئے، اس وقت دو مسئلے لکھتا ہوں مفتی صاحب کے مشورہ سے جواب تحریر فرمادیں، الخ فقط والسلام

محمد زکریا ۱۸؍ ذی قعدہ ۶۶ھ ایضاً

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مکرم محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون۔

تقریباً ۱۵؍ یوم سے ایک ضروری مسئلہ کی تحقیق کیلئے تو خط کا ارادہ بھی برابر کرتا رہا،

مگر بالآخر وقت نکل گیا گو اب بعد از وقت ہے تاہم دریافت کر ہی لوں، ضرورت بہٹ ہاؤس کی نماز کے ذیل میں تھی، اگر چند آدمی ملکر کسی جگہ عید کی نماز ادا کرلیں تو اس کے بعد قربانی شہر میں جائز ہے یا نہیں؟

اگر ہے تو وہ انہی کے لئے جنہوں نے نماز پڑھی یا سب کے لئے اگر جائز ہے تو بڑی بڑی آسانی ہے کہ وقت مکروہ نکلتے ہی ۴؍۵؍ نفر کے کسی ایک مسجد میں پڑھنے سے شہر میں سب جگہ قربانی شروع ہوجایا کرے، اگر نہیں تو پھر دارالطلبہ کی نماز کے بعد کیوں جائز ہے، جب کہ عیدگاہ میں ہمیشہ وہاں سے تقریباً دو گھنٹہ بعد ہوتی ہے، امسال دارالطلبہ میں ۷ ½ پڑھی اور عیدگاہ میں ۹ ¾ پر اور شہر کی مختلف مساجد میں ۱۱؍ جگہ ان کے علاوہ ان کے درمیان اور ۱۰ ½ تک مع جزئیہ تحریر فرماویں۔

فقط والسلام زکریا ۱۲؍۱۲؍۷۸ھ شنبہ

اس کا جواب حضرت والا قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا اس پر شبہ باقی رہا اس لئے پھر مزید وضاحت اور اطمینان کے لئے تحریر فرمایا۔ (ایضاً)

مکرم محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون:۔

اس وقت گرامی نامہ پہنچا میں شاید اپنا شبہ سابقہ خط میں واضح نہ کرسکا شبہ یہ تھا کہ اگر ۴؍۵؍ نفر، کسی مسجد میں علی الصباح نماز پڑھ لیں تو کیا یہ بھی سارے شہر کے لئے کافی ہوگی، یہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتا، لیکن کوئی فارق اس میں اور ان مساجد متعددہ میں سمجھ میں نہیں آتا، جہاں ہمیشہ عید کی نماز کا معمول ہو آپ نے جو نقول لکھی وہ صاف صاف ہیں مگر کیا وہ ہی اسبق صلوٰۃ میں شمار ہوگی۔ فقط والسلام

زکریا ۵؍ محرم ۷۹ھ

یہاں ان تمام مسائل کا احصاء مقصود نہیں جن کی تحقیق کے سلسلہ میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے حضرت والاقدس سرہٗ کو تحریر فرمایا، بلکہ صرف نمونہ ظاہر کرنا مقصود تھا، ان تمام مکاتیب کو اگر یہاں نقل کیا جائے جن میں کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے تحریر فرمایا ہے تو بہت سے اوراق اسی کی نذر ہو جائیں گے۔

نقول فتاویٰ کے رجسٹروں کو ملاحظہ فرمانے کی تجویز

اسی کمال اعتماد کی بنا پر قیام کانپور کے دوران حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے یہ تجویز فرمایا کہ ماہ مبارک میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ مظاہر علوم کے نقول فتاویٰ کے رجسٹروں کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمایا کریں، اور کسی فتویٰ میں سقم رہ گیا ہو تو اس کی نشان دہی فرمایا کریں۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

رمضان میں حضرت مفتی محمود صاحب حسب معمول یہاں رمضان گزارنے کے لئے آئے زکریا نے ان سے درخواست کی کہ صاحب کے فتاویٰ پر جو درج رجسٹر ہیں ایک گہری نظر ڈال لیں، اور جو مسائل غلط لکھے گئے ہوں، ان کی نشاندہی کردیں انہوں نے اس کی تعمیل کی۔ (ملخصاً) (دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم، ص ۷۸)

مظاہر علوم کے اہم فتاویٰ کے بارے میں تجویز

اسی طرح حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے دارالعلوم دیوبند قیام کے دوران حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے تجویز فرمایا کہ مظاہر علوم کے اہم فتاویٰ حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کے مشورہ اور استصواب رائے بلکہ دستخط کے بغیر روانہ نہ کئے جائیں، مولانا مفتی عبدالعزیز صاحب مرحوم اور مفتی یحیٰ صاحب قدس سرہٗ کو حکم دیا کہ دونوں میں سے کوئی دیوبند جاکر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے اہم فتاویٰ پر مشورہ اور دستخط کرایا کرے۔

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ اپنے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

میرا خیال ہے کہ معمولی فتاویٰ یہ لوگ بھیج دیا کریں، اور کوئی اہم فتویٰ یحیٰ، عبدالعزیز میں سے کوئی شخص دیوبند جاکر اس میں مفتی محمود سے مشورہ اور دستخط کرالایا کرے آگے تحریر فرماتے ہیں ''ان کا یہ سفر رخصت نہ ہو بلکہ بکار مدرسہ ہو کرایہ اگر مدرسہ نہ دے تو زکریا دے دیا کرے گا'' (دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم)

حضرت مولانا مفتی محمد یحیٰ صاحب صدر مفتی مظاہر علوم تو حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کے کانپور کے دوران بھی اہم فتاویٰ کے جوابات حضرت والا سے استصواب رائے کے بغیر نہیں لکھتے تھے، ڈاک سے سوال لکھ کر دریافت فرماتے جواب آنے پر ہی اس کا جواب تحریر فرماتے، اور دارالعلوم قیام کے زمانہ میں حضرت اقدس قدس سرہٗ حسب معمول جمعرات کو مظاہر علوم تشریف لے جاتے تو حضرت مفتی یحیٰ صاحب قدس سرہٗ ہفتہ بھر کے اہم فتاویٰ جمع کرکے رکھتے اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی مظاہر علوم تشریف آوری پر مشورہ کرکے ہی جوابات لکھتے۔

رائے کی پختگی

حضرت والا قدس سرہٗ جس مسئلہ میں دلائل کی روشنی میں جو رائے قائم فرماتے جب تک دلائل کی روشنی ہی میں اس رائے کا مرجوح یا کمزور ہونا معلوم نہ ہو جائے، آپ اس پر قائم رہتے اور کسی عظیم شخصیت سے محض شخصیت کی بنا پر مرعوب نہ ہوتے چنانچہ ایک دفعہ ایک مسئلہ دریافت کیا گیا اس کا جواب حضرت والا نے تحریر فرمایا، اسی مسئلہ کا جواب حکیم الامت حضرت تھانویؒ نوراللہ مرقدہٗ نے تحریر فرمایا جو حضرت والاؒ کے جواب کے خلاف تھا، اور وہ صورت کا اختلاف تھا، حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے جو جواب تحریر فرمایا وہ دوسری صورت سے متعلق تھا، استفتاء میں جو صورت تھی، اس سے مختلف وہ دوسری صورت تھی، وہ جواب حضرت والا کے سامنے آیا، محض شخصیت سے مرعوب ہو کر حضرت نے اپنی تحقیق سے رجوع نہیں فرمایا، بلکہ وضاحت فرمادی، کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی نقل فرمودہ عبارات دوسری صورت سے متعلق ہیں، سوال میں جو صورت ہے وہ اس سے مختلف ہے، اس کا حکم وہی ہے جو یہاں سے تحریر کیا گیا، اس کی پوری تفصیل حضرت والا نے ایک موقع پر ارشاد فرمائی، حضرت والا کا ارشاد بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:۔

ارشاد:۔ ایک صاحب نے مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ کے پاس استفتاء بھیجا کہ ایک شخص غیر مسلم حکومت میں محکمۂ C.I.D میں ہے اور اس کو کسی مجرم کا پتہ لگانے کے لئے یہ صورت بھی اختیار کرنی پڑتی ہے، کہ اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرنا پڑتا ہے،

ماتھے پر قشقہ لگاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں ہندوٴ ہوں مجھ کو مسلمان کر لیجئے، اس کا کیا
حکم ہے؟ اور مفتی جمیل احمد تھانویؒ کو لکھا کہ اسکا جواب مظاہر علوم سے منگا کر بھیجیں،
انہوں نے وہ سوال مظاہر علوم بھیجا، مظاہر علوم سے جواب دیا گیا، کہ وہ شخص ایسا
کرنے سے کافر ہو جاتا ہے، اور اس سے متعلق فقہی عبارت نقل کر دی گئی، مفتی جمیل
احمد صاحبؒ کو جواب اس وقت ملا جب وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان
پر تھے حضرت مولانا تھانویؒ نے پوچھا کیا ہے؟ مفتی جمیل احمد صاحبؒ نے وہ سوال
جواب سامنے رکھ دیا حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے اسکو پڑھا، اور فرمایا بھائی عبارات
تو اسمیں نقل کی ہیں، مگر کسی مسلمان کو کافر کہنے کی ہمت نہیں ہوتی، اور پھر ازخود اس کا
جواب تحریر فرمایا کہ وہ کافر نہیں ہوا، اور وہ عبارات کہ کسی چیز سے کسی کے مسلمان
ہونے اور کافر ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہو تو اس کو کافر نہیں کہیں گے نقل فرمائیں
اور مفتی جمیل احمد صاحب اسکو لیکر مظاہر علوم ناظم صاحب مولانا عبداللطیف صاحب
کے پاس تشریف لائے، اور حضرت تھانویؒ کا جواب حضرت تھانویؒ کو دکھایا، اور
فرمایا کہ مفتی محمود صاحبؒ سے کہیں، وہ اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیں، حضرت ناظم
صاحبؒ نے جواب دیا، مفتی محمود صاحبؒ اپنے فتویٰ کو دلائل کے ساتھ صحیح سمجھتے ہیں
تو کیوں رجوع کر لیں، الا یہ کہ ان کو اپنے فتویٰ کا غلط ہونا دلائل سے معلوم ہو جائے
مفتی جمیل احمد صاحبؒ نے اس کو دیوبند مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس بھیجا، انہوں
نے حضرت تھانویؒ کے فتویٰ کے تائید کی، اور عبارت نقل کی، کہ ایک شخص قیدی
چھڑانے کے لئے ہندوانہ وضع اخیار کرتا ہے، اور کافروں کے پاس جاتا ہے، اس
سے وہ کافر نہیں ہوتا، پھر اس کو لے کر مفتی جمیل احمد صاحب سہارنپور تشریف لائے
کہ دیکھو یہ عبارت اب تو اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیں، میں نے کہا یہ تو صورت کا
اختلاف ہے، صورت میں اختلاف نہیں یعنی وہ صورت جس کو مفتی محمد شفیع صاحبؒ
نے نقل فرمایا ہے، اس سے مختلف ہے، جو سوال میں درج ہے، اور جس کا جواب

یہاں سے دیا گیا ہے، اسلئے رجوع کس طرح کیا جائے، حضرت ناظم صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کی تحریرات میں اسکو دیکھا جائے، میں نے کہا ”حیات المسلمین“ میں ہے کہ جو شعار کفار کے ساتھ مخصوص ہے اس کو اختیار کرنے سے کافر ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نقل نہیں فرمایا، حضرت تھانویؒ کا وہ فتویٰ ”بوادر النوادر“ میں چھپا ہوا ہے، مظاہر علوم کے فتویٰ پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ کے دستخط بھی تھے، حضرت تھانویؒ ان کے شیخ ان کا جواب اس کے خلاف ان کو بڑی پریشانی ہوئی، اس لئے انہوں نے ایک تحریر حضرت ناظم صاحبؒ کے پاس بھیجی کہ اس عاجز کو آئندہ فتاویٰ پر دستخط کرنے سے معذور رکھا جائے، حضرت ناظم صاحبؒ ان کے بھی استاذ تحریر فرمایا جس مسئلہ میں اشکال ہو، اس پر دستخط نہ کرنے میں تو اشکال نہیں، لیکن جس مسئلہ میں اشکال نہیں اس پر دستخط کرنے میں کیا اشکال ہے۔
لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی رائے پر ضد اور ہٹ دھرمی بھی مطلقاً نہیں، اپنے فتاویٰ اہل علم حضرات کو دکھاتے اور کوئی دلائل کی روشنی میں کوئی مشورہ دیتا اس کو بہت خندہ پیشانی سے قبول فرماتے اور خوش ہوتے بلکہ احسان مند ہوتے ہیں، اور اگر دلائل کی روشنی میں اپنے فتاویٰ کا مرجوح ہونا معلوم ہوا تو اس سے رجوع کرنے میں دریغ نہیں فرمایا بلکہ بلا تکلف اس سے رجوع فرمالیا اور اس کا صاف اعلان بھی فرمادیا اور بار بار اس کو ظاہر فرماتے۔

اس وقت صرف ایک مسئلہ ذکر کرتا ہوں، حضرت والا نے شادی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے دعوت کو مسنون قرار دیا تھا، اور مصنف عبدالرزاقؒ کی ایک روایت سے استدلال فرمایا تھا، حضرت کو بتایا گیا کہ وہ روایت ضعیف ہے قابل استدلال نہیں۔

حضرت والا نے اس کی تحقیق کی تو واقعی اس حدیث پر اس قسم کی جرح موجود ومنقول پائی جس سے وہ حدیث قابل استدلال نہیں رہتی، حضرت والا نے فوراً پہلے فتویٰ

سے رجوع فرمالیا اوراس کا اعلان فرمادیا اوراس کو رسالہ ''الریاض'' میں شائع کرنے کا حکم دیا۔

محترم مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب زید مجدہم نے اس فتویٰ پر چند شبہات نقل کر کے بھیجے حضرت والا نے اسکا جواب بھی عنایت فرمایا اوراپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا۔

سوالات وشبہات

(۱) جس روایت سے استدلال کیا گیا ہے وہ ''مصنف عبدالرزاق'' کی ہے، اور عبدالرزاق کو بعض علماء نے اہل تشیع میں شمار کیا ہے۔

(۲) مصنف کی جس روایت سے دعوت کو مسنون قرار دیا گیا ہے اس روایت کے بعض رواۃ ضعیف ہیں۔

(۳) اس واقعہ میں اس کا احتمال ہے کہ حضور ﷺ نے نیابۃً حضرت علیؓ کی طرف سے ولیمہ کی دعوت کی ہو جب کہ حضرت علیؓ حضور ﷺ کی کفالت میں تھے۔

(۴) شادی کے وقت دعوت کو مسنون قرار دینے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بارات کی اجازت ہے اور باراتیوں کو کھانا کھلانا مسنون ہے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت فاطمہؓ کے نکاح میں کھانا کھلایا اس کے علاوہ کسی اور صاحبزادی کے نکاح میں دعوت نہیں کی، نیز لڑکی کے نکاح میں سلف وخلف صحابہ وتابعینؒ میں سے کسی کا دعوت کرنا ثابت نہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا دوبارہ ثبوت نہیں پھر اس کو سنت کہنا کیسے صحیح ہے؟ کہ ''**ماواظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع الترک احیاناً** ''اورایک مرتبہ کسی چیز کو کرنے سے مواظبت ثابت نہیں ہوگی۔ فقط والسلام

مکتوب گرامی حضرت فقیہ الامت قدس سرہٗ

مکرم محترم مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا موقر جریدہ (ماہنامہ الریاض دوماہی) جلد ۱، شمارہ نمبر ۱، ۱رمحرم الحرام، صفر المظفر ۱۴۰۶ھ کا مطالعہ کیا، جس میں صفحہ ۱۷ پر لڑکی کے شادی کے موقع پر دعوت کا تذکرہ ہے جو کہ آپ نے پیام سنت کانپور سے نقل کیا ہے، اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ میرے ایک محترم فاضل محسن حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہٗ شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور نے مجھے متنبہ کیا (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) کہ اس سلسلہ کی جو روایت ''مصنف عبدالرزاق'' میں ہے اس پر سخت جرح کی گئی ہے میں نے مصنف عبدالرزاق میں تلاش کر کے دیکھا تو اسکے حاشیہ پر محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی ادام اللہ النفع بعلومہ وبرکاتہ نے ابن حجرؒ سے ایسی جرح نقل فرمائی ہے کہ جس سے وہ روایت قابل احتجاج نہیں رہتی، اس لئے میں اپنی تحریر سے جس میں بحوالہ مصنف عبدالرزاق لڑکی کی تقریب نکاح کے وقت دعوت کا ذکر ہے، اور حضور ﷺ سے حضرت فاطمہؓ کی تقریب نکاح میں دعوت کرنا منقول ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں، آپ اس کو الریاض میں شائع فرمادیں، تاکہ ناظرین غلطی میں مبتلا نہ ہوں، **استغفر اللّٰہ العظیم**.

آپ نے جو سوالات وشبہات اس روایت پر نقل کئے ہیں، اب گو اس کے جواب کی ضرورت نہیں رہی تاہم بطور تکمیل وتتمیم عرض ہے۔

(۱) عبدالرزاق کوبعض علماء نے اہل تشیع میں شمار کیا، یہاں تشیع سے مراد رفض نہیں بلکہ ختنین کے بارے میں بجائے تساوی کے حضرت علیؓ کوترجیح دیناہے، اورشیخین پر ہرگز ترجیح نہیں دیتے تھے، چنانچہ بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو یہ خبر تک نہیں کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کوحضرت ابوبکرصدیقؓ وحضرت عمرؓ پرترجیح دوں، کیونکہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ان دونوں حضرات (شیخین) پرترجیح مت دو، نیز ان کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں معمر بڑے حافظ حدیث تھے، ۶۰ رسال تک ان کی صحبت میں رہے، امام احمد بن حنبلؒ یحی بن معینؒ جو کہ رؤس، جرح وتعدیل میں سے ہیں ان کے تلمیذ ہیں، اسحاق بن راہویہ نے بھی ان سے استفادہ کیاہے، تشیع کا یہ حاصل ہے کہ حضرت علیؓ کوحضرت عثمانؓ پرترجیح دیتے تھے، جس کے اسباب بھی موجود ہیں، ایسا تشیع اور بہت سے حضرات میں ملے گا حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا حال تو بہت مشہور ہے کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیااور کیوں کیا گیا۔

(۲) نمبر دو کا جواب بھی اس میں آ گیا، (۳) نمبر تین کی توجیہ کی ضرورت بھی نہیں رہی۔

(۴) جب اصل ہی قابل اعتماد نہیں رہی تو پھر فرع اس پر بے سود بلکہ بےمحل ہے

(۵) یہ تو بہت شاندار اعتراض ہے خاص کر یہ جز کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی دوبارہ اسکا ثبوت نہیں اوراسپر مواظبت ثابت نہیں، کیا بتاسکتے ہیں کہ اسکے بعد کسی صاحبزادی کا نکاح کیا جو یہ سوال پیدا ہو، جبکہ سب سے آخری نکاح یہی ہے اور تاحیات کسی اور نکاح کی نوبت نہیں آئی تو پھر مواظبت کا سوال بےمحل ہے، اگر کوئی الزامی جواب دیناچاہےتو کہہ سکتاہے کہ یہ ہی تو مواظبت ہیکہ اخیر تک اسکے خلاف نہیں فرمایا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ چھتہ مسجد دارالعلوم دیوبند

حضرت والا کی کمال فقاہت اور شان تحقیق وتدقیق اور اس کے لئے محنت وجفاکشی کثرت مطالعہ اور ایک ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے اس سے متعلقہ متعدد کتابوں کی مراجعت وغیرہ دیکھنا ہو تو ''فتاویٰ محمودیہ'' کا مطالعہ فرمائیں، کہ ہر ہر مسئلہ سے مذکورہ بالا چیزیں ظاہر وعیاں ہیں۔

مسئلہ تکفیر میں کمال احتیاط

تکفیر کا مسئلہ نہایت نازک اور اہم ہے، فقہاء کرام نے اس میں بڑی احتیاط کی ہے حضرت مفتی صاحب بھی اس میں انتہائی محتاط تھے۔

کسی مسلمان کے بارے میں اگر ایسے الفاظ نقل کرکے جن سے بظاہر کفر لازم آتا ہو حکم دریافت کیا جاتا، حضرت والا حتی الامکان اس میں تاویل کی کوشش فرماتے اور بعید سے بعید بھی تاویل کی اگر گنجائش نکلتی تو تاویل کرکے اس کو کفر سے بچانے کی کوشش فرماتے۔

آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر مکّا دکھانے والے کا حکم

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ فلاں صاحب منکر خدا ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کو مکّا دکھاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے، ایسا شخص ملحد وبے دین معلوم ہوتا ہے، حضرت نے تحریر فرمایا، وہ شخص منکر خدا نہیں اگر منکر خدا ہوتا تو اللہ پاک کو مکّا کیوں دکھاتا، اور مکّا دکھا کر اقرار کرتا ہے کہ میں اس کو مکّا دکھانے کے علاوہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

خدا کے نام کو تمبا کو سے کڑوا بتانے کا حکم

ایک شخص نے دریافت کیا کہ ایک شخص دوکاندار کے پاس تمبا کو لینے گیا اس نے تمبا کو دکھایا اس نے کہا اس سے اور زیادہ کڑوا دکھاؤ، دوکاندار نے کہا اس سے کڑوا خدا کا نام ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ وہ شخص مسلمان رہا یا کافر ہو گیا؟ کہ خدا کے نام کو تمبا کو سے زیادہ کڑوا بتاتا ہے، حضرت نے تحریر فرمایا کہ تمبا کو میں کڑوا ہونا صفت کمال ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کمال ثابت کر رہا ہے، لہٰذا اس کو کافر نہیں کہا جائے گا، لہٰذا اس کو اس قسم کے الفاظ سے احتیاط کرنی چاہئے۔

جواہر لال نہرو سے متعلق شعر کی توجیہ

ایک دفعہ ایک مشاعرہ ہوا اس میں کسی شاعر نے جواہر لال نہرو سے متعلق یہ شعر پڑھا پڑھا، مائک کے ذریعہ آواز دور تک جارہی تھی۔ ؎

کشتئی ہند کے ناخدا پائندہ باد .... اے جواہر لال نہرو تا قیامت زندہ باد

بعض طلبہ نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ اس شعر میں شاعر نے کافر کو دعا دی ہے، حضرت والا نے ارشاد فرمایا۔

یہ دعا نہیں یہ تو بد دعا ہے، اس لئے کہ یہ قیامت تک زندہ رہنے کی دعا ہے، اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت سے پہلے تمام مومنین کو اٹھالیا جائیگا، خیار الناس باقی نہ رہیں گے، اشرار الناس باقی رہ جائیں گے اور انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔

ایک شخص نمازیوں کو گالی دیتا ہے، اوران کو بے ایمان بتاتا ہے، جس سے بظاہر نماز کی توہین ہونے کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم ہونا چاہئے، مگر حضرت والا تاویل بعید کر کے اس کو بھی کفر سے بچانے کی کوشش فرماتے۔

سوال وجواب ملاحظہ ہو:۔

نمازی کو گالی دینا

س:۔ کوئی شخص یہ کہے کہ زیادہ نماز پڑھنے والے انکی ماؤں کو ایسا کروں، سب سالے بے ایمان ہوتے ہیں یہ کلمہ کیسا ہے؟ اور ایمان میں کوئی خرابی آتی ہے یا نہیں؟

ج:۔ حامداً ومصلیاً:۔ اس کا مقصود بظاہر یہ ہے کہ بے ایمانی سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے، اور جو لوگ نماز پڑھتے ہیں، ان کو خدا سے اور اس کے دین سے زیادہ تعلق ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگ زیادہ پرہیز کریں، مگر افسوس کہ ایسا واقعہ نہیں، بلکہ نماز پڑھنے والے بھی بے ایمانی کرتے ہیں، اس میں نماز کی عظمت کو بتانا چاہتا ہے، کہ اس کی تاثیر یہ ہے کہ وہ بے حیائی کے کاموں سے اور گناہوں سے روک دیتی ہے لیکن یہاں ان سنگ دلوں پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔

بے علمی یا کم علمی کی وجہ سے وہ اس مقصود کو صاف طور پر ادا نہیں کرسکا اور غلبۂ جہالت کی وجہ سے گالی بھی دے دی، اسکو اپنی اصلاح کی فکر بھی لازم ہے، اگر خدانخواستہ اسکا مقصود نماز کی توہین کرنا ہے، تو یہ نہایت خطرناک ہے، اس سے ایمان محفوظ نہیں رہتا، ایسی حالت میں تجدید ایمان توبہ اور تجدید نکاح لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہٗ العبد محمود غفرلہٗ دارالعلوم دیوبند یکم شعبان ۹۰ھ

الجواب صحیح بندہ نظام الدین غفرلہٗ ۲-۸-۹۰ھ

کمال ذہانت وفطانت

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت والا کو تیزیٔ ذہن اور حذاقت بھی کمال درجہ عطا فرمائی تھی کوئی مسئلہ پیش آتا، حضرت والا کا ذہن فوراً اس کی تہہ تک پہنچ جاتا اور اس کے تمام مالہ وماعلیہ کو علیٰ وجہ البصیرت سمجھ جاتے، اس نوع کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں

شوہراور بیٹے کو قتل کردیا گیا، پھر شوہر کے بدن پر بیٹے کا سر اور بیٹے کے بدن پر شوہر کا سر رکھ کر جوڑ کر زندہ کردیا گیا، اب وہ عورت کیا کرے؟

ایک صاحب نے حضرت والا سے ایک عورت کی پریشانی ذکر کی کہ اس کے شوہر اور بیٹے کو کسی نے قتل کردیا، پھر کوئی فقیر ادھر گزرا ان سے اس نے اپنی پریشانی ظاہر کی، فقیر نے دونوں نعشوں کو دیکھا اور کچھ پڑھا اور بیٹے کے بدن پر شوہر کا سر رکھ کر اور شوہر کے بدن پر بیٹے کا سر رکھ کر **قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ** کہا دونوں زندہ ہوگئے، اب وہ عورت پریشان ہے کہ کیا کرے؟ وہ کس کی بیوی رہی؟

حضرت:۔ نے جواباً ارشاد فرمایا، کسی کی بیوی نہیں رہی شوہر کے مرتے ہی اس کا نکاح ختم ہوگیا، اس نے کہا کہ کتاب میں دیکھ کر بتلایئے یوں ہی نہ بتاؤ، میں نے کہا ہدایہ جلد۲ر صفحہ ۲۹۸ر میں ہے "**النکاح ینتھی بالموت**" وہ خاموش ہوگیا میں نے کہا کہ بس اتنا ہی کسی نے پڑھا کے بھیجا تھا، اب پوچھنا ہے تو یہ پوچھو کہ اب کون سے سے نکاح کرے؟ اس نے کہا کہ یہی بتادو میں نے کہا ان میں سے کسی سے نہ کرے کسی تیسرے شخص سے کرلے، اس نے پوچھا کس سے کرے؟ میں نے کہا

کہ تجھ سے کرلے، مجھ سے کرلے، اس نے کہا کہ وہ تو اسی سے کرنا چاہتی ہے! میں نے کہا ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ میں دونوں کا سر کاٹ کر اصلی جگہ لگا دونگا وہ ان کو نہ لا سکے، معلوم ہوا کہ یہ صورت گھڑ کر سوال کیا گیا تھا۔

ایک دفعہ چھتہ مسجد میں حضرت والا نے اعتکاف فرمایا ۲۹/رمضان کو چاند دیکھنے کے لئے فرمایا کسی کو نظر نہیں آیا، ایک صاحب نے بیان کیا میں نے چاند دیکھا ہے، حضرت والا نے اس سے جرح فرمائی اور اس کی شہادت کو رد فرما دیا بعد میں معلوم ہوا کہ کہیں چاند ہوا ہی نہیں، حضرت والا کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

عید کا چاند اتنا زود ہضم نہیں

ارشاد فرمایا کہ میں ایک دفعہ مسجد چھتہ میں معتکف تھا، انتیسویں رمضان کو میں نے لوگوں سے کہا کہ چاند کو تلاش کریں، لوگوں نے چاند کو تلاش کیا مکان کی چھتوں پر بھی جا کر دیکھا، مغرب کے بعد پھر میں نے کہا کہ اور تلاش کرو چاند کو ایک صاحب نے کہا کہ چاند تو ہوگیا میں نے پوچھا کس نے دیکھا انہوں نے کہا میں نے دیکھا، میں نے دریافت کیا کہ نماز سے پہلے دیکھا یا بعد میں؟ اس نے کہا پہلے میں نے کہا کہ ابھی کسی کو بتلایا تو نہیں؟ کہنے لگے نہیں، میں نے کہا کہ عید کا چاند اتنا زود ہضم نہیں کہ اس کو دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی جائے، کسی سے بتایا نہ جائے، جب کہ دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے مکان کی چھت پر چاند کو تلاش کر رہے تھے، اور انہوں نے کسی کو نہیں بتلایا خاموشی کے ساتھ آئے اور نماز پڑھ لی، اب کہتے ہیں کہ چاند ہوگیا، میں نے اسی واسطے ان کی شہادت رد کر دی تھی، چنانچہ ان کے علاوہ کہیں بھی کسی نے شہادت نہیں دی چاند دیکھنے کی۔

سفر میں ایک شخص سے گفتگو (شیطان کوکس نے بہکایا)

ایک دفعہ سفر میں ایک شخص نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب قدس سرہٗ ناظم مظاہر علوم سہارنپور سے سوال کیا شیطان کوکس نے بہکایا؟ حضرت ناظم صاحبؒ نے فرمایا اس قسم کے سوال میں نہیں پڑا کرتے، باقی اس کو کچھ اطمینان نہ ہوا، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ بھی سفر میں ہمراہ تھے، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے حضرت ناظم صاحبؒ سے اجازت لے کر اس شخص سے گفتگو کی جس سے نہ یہ کہ وہ مطمئن ہوا بلکہ اس نے توبہ کی اور نماز پڑھنے کا عہد کیا، اس کی وضاحت وتفصیل کے لئے:۔
خود حضرت کا ارشاد ملاحظہ ہو:۔

شیطان کوکسی نے نہیں بہکایا؟

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور کے ساتھ میں ایک دفعہ سفر میں تھا، ریل میں ایک صاحب نے موصوف سے معلوم کیا کہ آپ لوگ کہتے ہیں آدمیوں کو شیطان بہکاتا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ شیطان کوکس نے بہکایا، مولانا نے فرمایا کہ ایسی باتوں میں نہیں پڑا کرتے، اور کوئی جواب نہ دیا، میں نے عرض کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسکے ساتھ جھک کرلوں، میرے دماغ کا کیڑا اُچھل رہا ہے، انہوں نے اجازت دیدی، میں نے ان صاحب سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ کہاں رہتے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے بتلایا میرا نام

فلاں ہے! فلاں جگہ رہتا ہوں! زمین داری ہے! میں نے کہا آپ کے یہاں بھینس بھی ہوگی؟ دودھ بھی ہوتا ہوگا، چائے بھی پکتی ہوگی، سالن بھی پکتا ہوگا، اس نے کہا سب کچھ ہوتا ہے! میں نے کہا سچ سچ بتاؤ چائے کو کس نے گرم کیا؟ توئے کو کس نے گرم کیا؟ روٹی کو کس نے گرم کیا؟ سالن کو کس نے گرم کیا، ان سب کا جواب اس نے دیا، آگ نے گرم کیا! اس پر میں نے پوچھا ذرا بتلایئے آگ کو کس نے گرم کیا؟ بولے آگ تو خود گرم ہے، اس کو کون گرم کرتا، میں نے کہا اسی طرح شیطان کو سمجھ لیجئے، وہ لوگوں کو بہکاتا ہے، رہا وہ سو خود بہکا ہوا ہے، اس کو کسی نے نہیں بہکایا! اس نے کہا ہاں جی دیکھو اب سمجھ میں آ گئی بات۔

میں نے ان سے پوچھا نماز پڑھا کرتے ہو؟ کہا عید بقرعید کی پڑھ لیتا ہوں! میں نے کہا روزے رکھتے ہو؟ اس نے کہا روزہ میں نے کبھی نہیں رکھا! میں نے کہا اگر تمہارا ایک ملازم ہو اور اسکو تم پانچ روپیہ ماہوار تنخواہ دیتے ہو اس کو تم نے پیسے دئے کہ ڈاکخانہ سے کارڈ لے آؤ، اور اس وقت ڈاک نکلنے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی ہے، اور آپ کو جلدی خط بھیجنا ہے، اس نے پوچھا کہ خط کہاں لکھو گے؟ تم نے کہا بیٹے کے پاس، وہ پوچھے بیٹا کہاں ہے؟ تم کہو کہ بمبئی ہے، وہ پوچھے کیا لکھو گے بیٹے کو تم بتلاؤ کہ بلانا ہے اس کی شادی کرنی ہے، وہ پوچھے شادی کہاں کرنی ہے تم بتلاؤ فلاں جگہ کرنی ہے، فلاں شخص کی لڑکی سے! وہ پوچھے مہر کتنا ہوگا؟ لڑکی کو کیا کیا چیز دوگے؟ غرض آدھا گھنٹہ سارا اسی میں گزر جائے تو تم اسکے ساتھ کیا معاملہ کروگے؟ اس نے کہا میں کوئی مولوی ہوں، جو اس طرح سے جواب دیتا رہوں گا میں تو ماروں گا اس کے ایک دھپ اور کہونگا تجھے کیا مطلب اس سے کہ کہاں لکھوں گا خط تجھے جو کچھ کہا ہے وہ کر کارڈ لے کر آ تجھے ان چیزوں سے کیا مطلب میں نے کہا تم جو اس کے دھپ ماروگے اس پر حکومت چلاؤ گے صرف اس بات کی وجہ سے ہی

ناکہ تم اسے پانچ روپیہ تنخواہ دیتے ہو یا کچھ اور وجہ بھی ہے کیا تم نے اس کو پیدا کیا ہے اس کے ہاتھ پیر آنکھ کان ناک وغیرہ کچھ بنایا ہے، اس کی زندگی اور موت تمہارے قبضہ میں ہے، تم اس کا حکم تو پورا کرتے نہیں نہ نماز پڑھتے ہو نہ روزہ رکھتے ہو بے تکے غیر متعلق سوالات کرتے ہو، کہ شیطان کو کس نے بہکایا، اس پر اللہ تعالیٰ کو کتنا غصہ آتا ہوگا، جب ہی اس نے دونوں کان ہاتھ سے پکڑے کہ جی واقعی غلطی ہوگئی، میں نے کہا صرف اتنا تو کافی نہیں کہ نماز روزہ کا وعدہ کرو، اس نے کہا آج منگل ہے بدھ، جمعرات کی تو مجھے معافی دیدو؟ گھر جا کر نہادھو کر جمعہ سے نماز شروع کرونگا، میں نے کہا نماز کس کے لئے پڑھو گے؟ اللہ کے واسطے پڑھو گے؟ یا میرے واسطے سے پڑھو گے؟ نماز تو اللہ کا حکم ہے، اس کو معاف کرنے والا میں کون میرے معاف کرنے سے معاف تھوڑا ہی ہوجائے گا، اب وہ پریشان ہوا، میں نے کہا اچھا ایک بات طے کرلو، کہ جب تک نہادھو کر نماز نہیں پڑھ لونگا کھانا نہیں کھاؤنگا، اس پر کہا آج تو ہم برے پھنسے میں نے کہا کہ یہ پھنسنے کیلئے بھی شیطان نے ہی بہکایا، اس نے ہم سے نماز کا وعدہ تو کرلیا یہ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس نے وعدہ پورا کیا یا نہیں۔

افریقہ میں ایک عالم سے شہر کے قریب بستی میں جمعہ سے متعلق گفتگو ہوئی:۔

حضرت قدس سرہٗ کے الفاظ ہی میں سنئے:۔

شہر کے قریب بستی میں جمعہ

ارشاد فرمایا کہ افریقہ کے ایک بڑے مفتی صاحب کے ساتھ میں ایک گاؤں میں گیا جو شہر سے قریب ہے اس بستی میں ایک عالم امام ہیں، ان کی مفتی صاحب سے اس بستی میں جمعہ پڑھنے کے متعلق گفتگو ہوئی وہ کہتے تھے کہ یہ بستی شہر سے اتنی قریب

ہے کہ اگر کوئی شخص اس بستی سے آکر شہر میں جمعہ پڑھ کر گھر جانا چاہے تو آرام سے شام تک گھر جا سکتا ہے، لہٰذا اس بستی والوں پر جمعہ فرض ہے، نیز کہا کہ یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے میں نے عرض کیا کہ آپ عالم ہیں، جو کچھ نقل کر رہے ہیں وہ صحیح ہے، اس نقل میں تردد نہیں میں اس کی تشریح چاہتا ہوں اس چھوٹی بستی والوں پر شہر کے قریب ہونے کی وجہ سے جمعہ فرض ہوگا تو اسی بستی میں جمعہ پڑھیں گے، یا شہر میں آویں گے، یعنی ہر شخص اپنی بستی سے شہر میں جمعہ پڑھنے کے لئے جایا کرے، یہ ضروری ہے یا اسی چھوٹی بستی میں جمعہ پڑھا کریں یہ ضروری ہے، حضور ﷺ کے عہد مبارک میں مدینہ طیبہ کے اردگرد رہنے والے حضرات صحابہ کرامؓ باری باری مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھنے کے لئے آتے تھے۔ (کذا فی البخاری ج۱ص۱۲۳) جو نہیں آتے تھے، انہوں نے اپنی بستیوں میں جمعہ نہیں پڑھا نہ ان کو اسکا حکم کیا گیا کہ اپنی بستیوں میں جمعہ پڑھا کریں نہ اس کا حکم کیا گیا کہ سب مدینہ طیبہ حاضر ہو کر جمعہ پڑھا کریں، اس پر وہ خاموش ہو گئے کچھ نہیں بولے۔

عبارت پڑھنے والے طلبہ کا امتحان

ایک جگہ حضرت والا کو ختم بخاری شریف کے لئے مدعو کیا گیا طلباء نے عبارت بہت تیز رواں عمدہ پڑھنا شروع کی، حضرت والا کو تعجب ہوا اور ان کا امتحان لیا۔

حضرت والا قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا، ملاحظہ ہو:۔

ایک جگہ ختم بخاری شریف کے لئے مدعو کیا گیا پہنچا تو معلوم ہوا کہ جتنے طلبہ شریک دورۂ حدیث ہیں سب ایک ایک حدیث پڑھینگے، چنانچہ وہ سب بالترتیب بیٹھ گئے اور پڑھنا شروع کیا میں نے سنا تو حیرت ہوئی، کہ ایسی صحیح عبارت تیز رفتاری کے

ساتھ پڑھنے والے تو ہمارے دارالعلوم میں بھی نہیں، میرے جی میں شیطان نے ڈالا کہ امتحان لوں چنانچہ میں نے عبارت پڑھنے والے طالب علم کے برابر والے طالب علم سے (جس کا نمبر ۳۱) کے بعد عبارت پڑھنے کا تھا) کہا کہ ایک گلاس میں پانی لے آؤ، وہ چلا گیا ادھر اس کی حدیث پوری ہوگئی، اب سب خاموش میں نے اس طالب علم سے جس کا نمبر پانی کے لئے جانے والے طالب علم کے بعد تھا، عبارت پڑھنے کیلئے کہا تو وہ خاموش اس کے بعد والے سے کہا تو وہ بھی خاموش غرض کوئی بھی نہ پڑھ سکا، یہاں تک کہ پانی والا آ گیا، اس نے صحیح پڑھ دیا، اس کے بعد سب صحیح پڑھتے چلے گئے، اس کی وجہ معلوم ہوئی کہ ایک ماہ سے ہر طالب علم کو ایک ایک حدیث کی باقاعدہ مشق کرائی گئی ہے، تب جا کر اس طرح عبارت پڑھ رہے ہیں پھر مجھے افسوس ہوا کہ میں نے کیوں پانی منگایا اور انکا راز فاش کیا۔

قرآن پاک کے کتاب اللہ ہونے پر اشکال وجواب

ارشاد:۔ ایٹہ میں ایک جگہ وعظ تجویز تھا، وعظ میں مردوں عورتوں کا مجمع تھا وعظ کے بعد ایک شخص نے کہا میری عورت سوالات کرنا چاہتی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس وقت میں موجود نہ ہوں میں نے کہا آپ کو اختیار ہے کہ آپ موجود نہ رہیں، باقی میرے ساتھ میرے احباب ہوں گے، ان کی موجودگی میں پردے کے پیچھے سے وہ سوالات کرلیں، اس کو انہوں نے منظور کرلیا، وقت تجویز ہوگیا، چند احباب میرے ساتھ رہے ان کی اہلیہ نے پس پردہ سے سوالات کئے، اول سوال، میں نے یہ سوال فلاں فلاں عالم سے کیا کوئی مجھے مطمئن نہیں کرسکا، قرآن پاک میں باتیں تو سب صحیح ہیں، مگر میرا خیال ہے کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں ہے، بلکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے

جن چیزوں کو امت کیلئے مفید جانا ان کو جمع کر دیا، اور چوں کہ لوگوں کا ماننا اس کے بغیر دشوار تھا، اس لئے لوگوں کے اطمینان کے لئے کہہ دیا کہ قرآن آسمانی کتاب ہے اللہ نے نازل فرمائی ہے میں نے کہا بس کیجئے، میں پہنچ گیا جہاں پر آپ ہیں، اب میری بات کا جواب دیجئے، آپ نے سیرت پاک کا مطالعہ کیا ہے یا نہیں کیا، کہا خوب مطالعہ کیا ہے اردو میں بھی، انگلش میں بھی، میں نے کہا یہ آفت وہیں سے آئی ہے، میں نے پوچھا سیرت میں دو وصف حضور ﷺ کے آپ نے پائے، ایک دیانت اعلیٰ درجہ کی، ایک ذہانت اعلیٰ درجہ کی، کہاں ہاں تھے دونوں وصف، میں نے کہا بس جواب ہو گیا، اس نے کہا کہ اس کو واضح کیجئے، میں سمجھی نہیں، میں نے کہا جو کتاب آسمان سے نازل نہیں ہوئی اس کو یہ کہنا آسمان سے نازل ہوئی خدا نے اتاری یہ دیانت کے خلاف ہے، دیانت دار آدمی کبھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا، پھر قوم کو غلط بات کہہ کر کسی وقت مطمئن کر دیا جائے، تو آئندہ چل کر اس کی غلطی واضح ہوگی، جھوٹ کا پردہ چاک ہوگا، جس قدر اطمینان دلایا تھا، وہ سب ختم ہو کر بے اعتماد ہو جائے گا، جتنا فائدہ ہوا سب ختم ہو جائیگا، اس انجام کو نہ سوچنا خلاف ذہانت ہے، ذہین آدمی کبھی ایسا کام نہیں کرتا، وہ ذہین بھی ایسا جو بے نظیر ہو سارے عالم کا مقتدا ہو، اس نے کہا کہ اب آپ خاموش ہو جاویں میں پہنچ گئی، جہاں آپ مجھے پہنچانا چاہ رہے ہیں، اس کے بعد اور کوئی سوال نہیں کیا، بلکہ کہا مجھے پورا اطمینان ہو گیا۔

ایسے مذبح کے ذبیحہ کا حکم جہاں ذابح صرف پہلے جانور پر بسم اللہ پڑھتا ہے

ارشاد:۔ ایک صاحب نے کہا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں گوشت حلال ملے اور ہماری نماز صحیح ہو میں سمجھ گیا، ان کی مراد کیا ہے، وہ مجھے مذبح وکمیلہ میں لے گئے، معلوم ہوا کہ یہاں جانور کو مشین سے ذبح نہیں کیا جاتا، بلکہ آدمی اپنے ہاتھ ہی سے ذبح کرتا ہے، وہاں میں نے ایک ذابح (ذبح کرنے والے) سے پوچھا کہ ذبح کرتے وقت ہر جانور پر بسم اللہ پڑھتے ہو، اس کو تو غصہ آ گیا، تیور بدل گئے کہنے لگا، ایک مرتبہ نہیں سات مرتبہ پڑھتا ہوں، دوسرے سے معلوم کیا اس نے بتلایا کہ بس پہلے جانور پر بسم اللہ پڑھتا ہوں باقی پر نہیں میں نے ان لوگوں (فضلاء مصر) سے کہا کہ نص قطعی ہے "**ولاتاکلو امما لم یذکر اسم اللّٰہ علیه وانه لفسق**" کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو مت کھاؤ، اس کا کھانا گناہ ہے، اس صاف نص قطعی کے ہوتے ہوئے، کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت بیداری کی زیارت سے زیادہ قوی ہے

ارشاد:۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے بہت جگہ خطوط لکھے، بہت سے علماء

سے دریافت کیا کہ ایک بات بتایئے ایک شخص وہ ہے جو نبی اکرم ﷺ کی زیارت خواب میں کرتا ہے، ایک شخص وہ ہے جو بیداری میں زیارت کرتا ان میں سے کونسی زیارت قوی ہے۔

اپنے اپنے ذوق کے مطابق سب نے جوابات دئے، میں حاضر ہوا مجھ سے فرمایا میں نے کہا حضرت خواب کی زیارت قوی ہے، بہ نسبت بیداری کے فرمایا کیوں میں نے کہا اسکی ذمہ داری لی گئی ہے، "ان الشیطٰن لا یتمثل بی من رانی فقد رانی" یہ ذمہ داری لی گئی ہے، ضمانت ہے کہ جس نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا اس نے حضور اکرم ﷺ کو ہی دیکھا اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کیا بیداری کی حالت میں شیطان کو قدرت ہے حضور اکرم ﷺ کی صورت بنا لینے کی۔

میں نے کہا شیطان کو تو اس پر بھی قدرت نہیں البتہ قوت متخیلہ ایک صورت گھڑ سکتی ہے، یہ احتمال باقی رہ جاتا ہے، اور خواب میں اس احتمال کو قطع کر دیا گیا۔

ایک طالب علم امام کا قول کہ میں مسلمان نہیں تھا اپنی نمازیں لوٹا لو

ارشاد:۔ دیوبند میں ایک طالب علم محلّہ کی ایک مسجد میں رہتا تھا، فارغ ہو کر چلا گیا جانے کے بعد اس نے وہاں سے محلّہ والوں کو خط لکھا کہ میں مسلمان نہیں تھا، تم لوگوں نے میرے پیچھے جو نمازیں پڑھی ہیں ان کا اعادہ کرلیں، اس بیچارے نے یہاں تک لحاظ کیا کہ مقتدیوں کی نماز خراب نہ ہو جائے۔

محلّہ کے لوگ مسئلہ پوچھنے کیلئے آئے ہم نے کہا کسی نماز کا اعادہ نہیں اس بدبخت کا قول معتبر نہیں اسلئے کہ کافر کا قول معتبر نہیں کہ میں مسلمان نہیں تھا، اس لئے کسی نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں اس نے جو کیا خود بھگتے گا۔

جو شخص انگریز کی خاطر داڑھی منڈ اسکتا ہے وہ ہندو کی خاطر چوٹی بھی رکھ سکتا ہے

فقیہ الامت قدس سرہٗ کا ایک دلچسپ ملفوظ ملاحظہ ہو:۔

ارشاد:۔ ۱۹۴۷ء میں جب حکومت کا انتخاب ہوا، ایک صاحب نے آکر مجھ سے کہا مولوی صاحب اب ہندوؤں کی حکومت ہوگئی اسلئے سر پر چوٹی رکھنی ہوگی، اور دھوتی بھی باندھنی پڑے گی، میں نے کہا یہ بات کہ ہندوؤں کی حکومت ہوگئی، یا کسی اور کی ان سے کہو جنہوں نے حکومت حاصل کی میں نے تو حاصل نہیں کی اور میں ہندوؤں کی خاطر سر پر چوٹی کیوں رکھوں، ان کی خاطر سر پر چوٹی وہ رکھے گا، جس نے انگریز کی خاطر داڑھی منڈائی اور انگریزی بال رکھے، اس واسطے کہ جو شخص انگریز کی خاطر حضور ﷺ کی سنت منڈا سکتا ہے، سر پر انگریزی بال رکھ سکتا ہے، وہ ہندوؤں کی خاطر چوٹی بھی رکھ سکتا ہے، اور دھوتی بھی باندھ سکتا ہے، ہم تو انگریز کی حکومت میں بھی ایسے رہے اور انشاء اللہ ہندوؤں کی حکومت میں بھی ایسے ہی رہیں گے۔

جماعت اسلامی اوراسلامی جماعت میں فرق

ایک شخص نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا میرا تعلق جماعت اسلامی سے ہے حضرت والانے فرمایا میرا تعلق اسلامی جماعت سے ہے اس نے کہا اسمیں کیا فرق ہے؟ حضرت والا نے فرمایا آپ لوگوں پر جماعت غالب ہے، اسلام تابع ہے، ہم پر اسلام غالب ہے جماعت تابع ہے۔

فتویٰ نویسی سے متعلق چند عادات مبارکہ

(۱) حضرت والا قدس سرہٗ کی خدمت میں جب ڈاک پیش کیجاتی تو اولا اسکو سرسری نظر سے ملاحظہ فرماتے اور دیکھتے کون استفتاء ہے، کون ذاتی خط ہے، ہر ایک کو الگ الگ فرماتے اور نشان کے لئے استفتاء پر 'ف' بنادیتے اور جواب لکھ کر 'ف' کے نیچے 'م' بنادیتے، فم ''ف'' سے اشارہ فتاویٰ کی طرف اور ''م'' سے محمود کی طرف اشارہ ہے پلاسٹک کے دو تھیلے حضرت کے پاس ہوتے، ایک میں ذاتی خطوط رکھتے، ایک میں فتاویٰ اور چمڑہ کا ایک تھیلا رہتا، اس میں یہ دونوں تھیلے ہوتے، جہاں موقع ملا تھیلے سے ڈاک نکالی اور جوابات لکھنا شروع فرمادیتے، سفر میں بھی یہ تھیلا ساتھ رہتا، بس میں، ریل میں، قیام گاہ پر جہاں موقع ملتا ڈاک شروع ہوجاتی جن کے جوابات لکھے جاچکے ہوتے ان خطوط کو بے جواب لکھے ہوؤں سے الگ رکھتے۔

(۲) اولاً استفتاء کے جوابات لکھتے بعد میں ذاتی ڈاک البتہ اگر کوئی استفتاء تفصیل طلب ہوتا اور اس کیلئے مراجعت کتب کی ضرورت ہوتی اور اس وقت اس کا موقع نہ ہوتا یا انشراح نہ ہوتا تو ذاتی ڈاک پہلے لکھ دیتے۔

(۳) جب تک مکمل انشراح نہ ہوتا استفتاء کا جواب نہ لکھتے خواہ کتنی ہی مراجعت کتب کرنی پڑے۔

(۴) عموماً جوابات مختصر لکھتے مگر تحقیقی اور "**خیر الکلام ماقل ودل**" کے مطابق البتہ کسی مسئلہ میں تفصیل مطلوب ہوتی تو پھر تفصیل سے بھی گریز نہ فرماتے، حتی کے بعض فتاویٰ نے مستقل رسالہ کی شکل اختیار کرلی۔

(۵) عبارت صاف اور عام فہم لکھتے جس سے سائل کو الجھن اور پریشانی نہ ہو، خود خط بھی حضرت والا کا بہت صاف تھا۔

(٦) جوابات لکھنے میں ترتیب کا لحاظ فرماتے جس ترتیب سے خطوط آتے اسی ترتیب سے جواب تحریر فرماتے، الایہ کہ کسی کا فوری تقاضا ہوتا تو اس کی ضرورت اور اہمیت کی بنا پر اس کا جواب پہلے تحریر فرمادیتے۔

(۷) عموماً یہ کوشش فرماتے کہ ہر روز کی ڈاک ہر روز نمٹ جائے جب تک ڈاک پوری نہ ہوتی برابر فکر مند رہتے، حتی کے ایک دفعہ مظاہر علوم میں حضرت ناظم صاحبؒ نے فرمایا کل سفر میں جانا ہے ڈاک کافی جمع تھی پوری رات لکھ کر اسکو نمٹایا پھر علی الصباح سفر میں تشریف لے گئے۔

(۸) محض قواعد واصول کو سامنے رکھ کر حضرت والا جواب لکھنے کو کافی نہ سمجھتے بلکہ ہر مسئلہ کے لئے فقہاء کی عبارات میں جزئیہ صریحہ تلاش فرماتے خواہ کتنی بھی محنت کرنا پڑے، بعض دفعہ کسی جزئیہ کی تلاش میں بیسوں بلکہ بعض دفعہ پچاسوں کتب کی ورق گردانی کرنی پڑتی اوراسکے لئے راتوں کو جاگنا پڑتا مگر کبھی ہمت نہ ہارتے اور جزئیہ مل جانے پر وہ مسرت محسوس فرماتے کہ ہفت اقلیم کی سلطنت کی لذت ومسرت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے، اور جب تک جزئیہ نہ ملتا برابر فکرمند رہتے، حتی کے ایک مرتبہ ایک جزئیہ کی تلاش میں کئی روز ہو گئے، برابر کتابیں دیکھتے رہے، مگر کامیابی نہ ہوسکی، اسی فکر اور بے چینی میں دوپہر کو سو گئے سوکر اٹھے تو دیکھا کہ ایک آنکھ کا پردہ پھٹ گیا اس سے کہا گیا بوجھ تو کوئی نہیں پڑا ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ بوجھ کسی فکر اور سوچ کا بھی ہوتا ہے، وہی بوجھ پڑا ہے، جس سے پردہ پھٹ گیا ہے، یہی وہ محنت اور جفاکشی تھی کہ جب آنکھیں جاتی رہیں، ایک آنکھ کا پردہ پھٹ گیا، ایک میں موتیا اتر آیا (گو بعد میں موتیا کا آپریشن ہوکر کامیابی ہوگئی)
ارشاد فرمایا **الحمدللہ** یہ حسرت نہیں رہی کہ آنکھوں سے کام نہیں لیا، **الحمدللہ** کام خوب لیا۔

(۹) کسی استفتاء کا جواب لکھتے ہوئے کسی دوسری جانب متوجہ ہونا ناپسند فرماتے اس حالت میں کوئی اپنی جانب سلام، مصافحہ میں مشغول کرنا چاہتا وہ بھی ناگوار خاطر ہوتا۔

(۱۰) آپ کو فتاویٰ سے عشق کے درجہ تعلق تھا، کہ اس کو زندگی کا بڑا مقصد تصور فرماتے، اور اسی انہماک ومشغولی میں خوش ہوتے، اوراسمیں جان تک چلے جانے کی پروانہ کرتے چنانچہ ایک دفعہ زلزلہ آیا، حضرت والا ایک فتویٰ لکھنے میں مشغول تھے، زلزلہ کے سہم

سے سب حضرات دارالافتاء سے باہر نکل آئے کہیں یہ عمارت نہ گر جائے، مگر حضرت والاؒ کو دیکھا گیا کہ برابر بیٹھے ہوئے اطمینان سے جواب لکھنے میں مشغول ہیں، بعد میں حضرت والا سے پوچھا گیا کہ آپ باہر کیوں نہیں نکلے؟ فرمایا کہ مجھے فکر ہوا کہ کہیں فتویٰ درمیان میں نہ رہ جائے، اس لئے سوچا کہ فتویٰ تو پورا کرلو۔

(۱۱) حضرت والاؒ اس کا بھی اہتمام فرماتے کہ حضرت والا کا تحریر فرمودہ جواب دوسرے حضرات بھی ملاحظہ فرمالیں، حتی کہ اپنے تلامذہ بھی حاضر ہوتے، تو ان کو بھی بتا کید دیکھنے کو فرماتے، اور اگر کوئی کچھ مشورہ دیتا تو اس کو بہت غور سے خوش ہو کر سنتے اگر معقول بات ہوتی تو تسلیم فرمالیتے، ورنہ خوبصورتی کے ساتھ اس کو سمجھا دیتے۔

(۱۲) آپ اسکا بھی اہتمام فرماتے کہ فتاویٰ رجسٹر میں لکھنے کے بعد روانہ کئے جائیں، اسلئے محرر کو تاکید فرماتے کہ رجسٹر میں جلد نقل کر کے ڈاک میں ڈالدے، اگر نقل ہونے میں تاخیر ہوتی، یا سستی کی بنا پر ڈاک میں ڈالنے میں تاخیر ہو جاتی، تو حضرت والا کو سخت ناگوار گزرتا، اور خوبصورتی کے ساتھ مناسب طریقہ پر اس پر تنبیہ فرماتے۔

ایک دفعہ ایک طالب علم ایک خط کسی کتاب میں رکھ کر بھول گیا، اور کئی روز بعد وہ خط ملا حضرت کی ناراضگی کے خیال سے چپکے سے وہ خط حضرت کے خطوط میں رکھ کر آ گیا حضرت نے جب اس کو دیکھا تو سخت ناراض ہوئے، یہ حرکت کس نے کی ہے؟ کس نے یہ خط چھپائے رکھا، اور سب طلبہ پر ناراضگی کا اظہار فرمایا، کہ خط لکھنے والا کیا معلوم کیا ضروری بات لکھتا ہے، اور اس کے جواب کا منتظر رہتا ہے، یہ سخت غلط حرکت ہے، آئندہ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی، کہ اس سلسلہ میں کوتاہی کریں، ایسے

ہی ایک دفعہ کسی طالب علم سے کوئی استفتاء گم ہوگیا، حضرت نے تلاش کرایا نہیں ملا، حضرت کو بہت فکر ہوا ڈاک رجسٹر بھی منگایا اور اس میں تمام ڈاک کو دیکھا اور اس کی مدد سے معلوم کیا کہ فلاں خط کا جواب نہیں دیا گیا، رجسٹر سے مستفتی کا پتہ دیکھ کر خط لکھا کہ آپ کا استفتاء گم ہوگیا، لہٰذا دوبارہ استفتاء بھیج دیں، اس کے بعد جواب لکھ کر ارسال فرمایا تب حضرت کو اطمینان ہوا۔

(۱۳) آپ محرر کو بھی تاکید فرماتے کہ رجسٹر میں صاف و مکمل نقل کریں، بعض صاحبان رجسٹر میں صرف خلاصہ نقل کردیتے، حضرت والا قدس سرہٗ کو اس سے سخت تکلیف ہوتی۔

(۱۴) حضرت والا کی خواہش ہوتی کہ دارالافتاء سے کسی مفتی کا جواب دوسرے مفتی کے خلاف نہ چلا جائے، اسلئے کوشش فرماتے کہ ہر مفتی کا جواب ہر مفتی کی نظر سے گزر جائے اور کسی کو کوئی اشکال ہو تو اس کو سمجھ لیا جائے، یا اسکی اصلاح کردی جائے۔

(۱۵) حضرت اس کی بھی کوشش فرماتے کہ پورے عملہ میں اتفاق باہم قلبی تعلق ہو اس کے لئے آپ روزانہ چائے منگواتے اور سب کو بلوا کر چائے پلاتے تاکہ اس بہانہ سب جمع ہوجائیں، اور باہم گفتگو ہوجائے کسی کو کسی سے رنجش ہو وہ بھی دور ہوجائے تھوڑی دیر ہنسی خوشی گفتگو ہو کر مجلس ختم ہوجاتی اور اسکے اچھے اثرات قائم ہوتے۔

(۱۶) ایک خصوصی کمال یہ ہے کہ باوجودیکہ حضرت والاؒ کے تحریر فرمودہ فتاویٰ بڑے جامع اور استدلالی ہوتی ہیں، کہ کہیں کوئی کیسا ہی نازک جزئیہ یا اہم مسئلہ پیش آجائے اس کا اتنی شائستگی وعمدگی کے ساتھ مختصر اور جچے تلے الفاظ میں جواب تحریر فرماتے، کہ پڑھنے والا اور دیکھنے والا آپ کے تبحر علمی، فقہی دسترس اور علم ومطالعہ کی کثرت

ووسعت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتا، مگر اس کے باوجود وصف تواضع وفروتنی اور اپنی شرعی ذمہ داری کے احساس کا یہ عالم ہے کہ جس مسئلہ کی پوری تحقیق مستحضر نہیں ہوتی اس کے متعلق برملا مجمع میں کہہ دیتے کہ مجھے اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق نہیں مجھے اس کا علم نہیں اور اس میں آپ کو ذرہ برابر حجاب نہ ہوتا اور اہل علم حضرات کی شان یہی ہوتی ہے، حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد پاک نقل کیا گیا ہے

اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ یَقُوْلَ لِمَالَایَعْلَمُ لَااَعْلَمُ. (اَلْحَدِیْث)

بے شک علم (کی نشانی میں) سے یہ ہے کہ نہ جانی ہوئی چیز کے بارے میں کہہ دے میں نہیں جانتا۔

دوسرے مفتی صاحب کے فتویٰ کی تصدیق

(۱۷) کسی دوسرے مفتی صاحب کا تحریر فرمودہ فتویٰ برائے تصدیق لایا جاتا جب تک اس پر پورا اطمینان نہ ہو جاتا ہرگز دستخط نہ فرماتے، اطمینان ہونے پر تصدیق فرمانے سے کوئی اعراض بھی نہ فرماتے، حضرت اقدس نظام الدین صاحبؒ ناظم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند نے ایک دفعہ ایک استفتاء کا جواب تحریر فرما کر حضرت والا قدس سرہٗ کے پاس تصدیق کے لئے ارسال فرمایا، حضرت والا کو اطمینان نہ ہوا، تو نہایت ہی ادب کے ساتھ عاجزانہ طریقہ پر معذرت فرمائی جو دوسرے مفتیان کرام کے لئے بہترین نمونہ ہے، ایسی صورتیں کتنی مرتبہ پیش آئی ہوں گی، مگر ایک تحریر محفوظ رہ گئی، حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا مکتوب گرامی جو فتویٰ کے ساتھ ارسال فرمایا تھا:۔

حضرت والا قدس سرہٗ کا معذرت نامہ ہر دو ہدیۂ ناظرین ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہم

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

حضرت المخدوم..................السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواب استفتاء اپنی بساط کے مطابق لکھ کر مرسل ہے اگر اس میں سقم ہو تو نشاندہی فرمادیں احقر کے لئے باعث خوش نصیبی ہوگی۔ فقط والسلام

بندہ نظام الدین ۶/۵/۲۴ ۱۴۰ھ

جواب حضرت اقدس قدس سرہٗ

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

شمس برج سماء تحقیق حضرت اقدس **لازالت السموٰات والارض مستنيرة بضياء علومكم**............السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحقیقی فتویٰ کا مطالعہ کیا یہ ناکارہ سماویات سے مناسبت نہیں رکھتا، ان علوم میں دسترس نہیں ہے، لہٰذا سمجھنے سے قاصر رہا بے سمجھے دستخط کرنے کو جناب والا بھی ناسمجھی ہی قرار دینگے، جو کہ فتاویٰ کیلئے باعث زین نہیں بلکہ موجب شین ہے۔ فقط والسلام

خاکی نژاد تراب الاقدام احقر محمود غفرلہٗ

دارالعلوم دیوبند ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ

تمرین فتاویٰ

دارلافتاء دارالعلوم دیوبند میں جو طلباء شعبۂ افتاء میں داخل ہوتے ان کو مشق و تمرین فتاویٰ کے لئے مفتیان کرام میں تقسیم کردیا جاتا، اوران کی مختلف جماعتیں بنادی جاتیں، ان کے اسباق مختلف مفتیان کرام کے پاس رکھے جاتے ہر سبق میں تمام طلباء شریک ہوتے، مگر فتویٰ نویسی کی مشق ہر جماعت الگ الگ مفتی صاحب کے پاس کرتی۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے پاس عموماً ''رسم المفتی'' ''الاشباہ والنظائر'' ہوتی اور کبھی قواعد الفقہ بھی ہوتی، حضرت والا سبق میں مختصر تقریر فرماتے مگر اس طرح کہ کتاب کا مطلب پورے طور پر سمجھ آجائے، ہر مسئلہ کو کچھ مثالوں سے ضرور سمجھاتے جن سے طلبہ کو فن سے پوری مناسبت ہوجاتی، درمیان میں کوئی لطیفہ بھی سنادیتے جس سے طلبہ اکتاویں نہیں اور موقع کی مناسبت سے اشعار بھی سناتے، تمرین فتاویٰ کے لئے طلبہ کو سوالات لکھوادیتے اوران کو تاکید فرماتے، کہ ان کے جوابات لکھ کر لائیں، طلبہ کو ان سوالات کے جوابات کے لئے کتابوں کی رہنمائی بھی فرمادیتے کہ فلاں فلاں کتاب دیکھیں، پھر ان کے جوابات بغور ملاحظہ فرماتے، ضروری مشورہ دیتے، اصلاح فرماتے، حوصلہ افزائی فرماتے، جس سے خوب محنت کرنے کا جذبہ وشوق پیدا ہوتا، کتابیں مطالعہ کے لئے عنایت فرماتے، جن طلبہ کو ہونہار دیکھتے ان کے لئے فتاویٰ سے متعلق کتب ''شامی'' وغیرہ خرید کر عنایت فرماتے، اور درمیانی سال میں بھی کچھ ضروری کتابیں سب طلبہ کو تقسیم فرماتے، اس تقسیم کتب کی سال کے اندر

کئی کئی بارنوبت آتی ان کی ضروریات کا بھی پورا خیال فرماتے ، کسی کا کھانا نہ ہوتا اس کے کھانے کا انتظام فرماتے ، رہائش کا انتظام نہ ہوتا اس کی رہائش کا انتظام فرماتے (خاص طور پر ان طلبہ کے لئے جو مدرسہ میں با قاعدہ داخل نہ ہوتے اور حضرت والاقدس سرہٗ سے فتویٰ نویسی کی مشق کے لئے حاضر ہوتے) ایک دو کمرہ کرایہ پر لے لیتے اور اس قسم کے طلبہ کو ان میں رکھتے ، کوئی غریب طالب علم بیمار ہوتا اس کو علاج کے لئے پیسے عنایت فرمادیتے ، خود طلبہ بھی حضرت والا کی ان شفقتوں عنایتوں کی بنا پر حضرت والا سے ایسے بے تکلف اور مانوس ہوجاتے کہ جب دل چاہتا حضرت والا سے مٹھائی کا مطالبہ کرتے ، اور حضرت والا ان کا مطالبہ پورا فرماتے ، اور مٹھائی منگوا کر کھلاتے اور بے تکلف جو پوچھنا چاہتے پوچھتے ، کچھ حجاب محسوس نہ کرتے ، اور اپنے ذاتی معاملات میں بھی بے تکلف مشورہ کرتے بلکہ اپنی پوشیدہ باتیں جن کو بے تکلف دوستوں سے بتاتے بھی شرماتے ہیں ، حضرت والاقدس سرہٗ سے ایسے مانوس ہوجاتے اور حضرت والاقدس سرہٗ کو اپنا ایسا مخلص و مشفق اور مہربان سمجھتے کہ بے تکلف اپنی راز کی باتیں بھی بتا کر مشورہ کرتے اور حضرت والاقدس سرہٗ پوری خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دیتے ، اور ان کی پوری رہنمائی فرماتے ۔

تمرین و مشق کے ساتھ ساتھ تربیت واصلاح کی بھی پوری فکر فرماتے کسی بزرگ سے بیعت ہونے کی طرف متوجہ فرماتے جو حضرت سے بیعت کی درخواست کرتے استخارہ مسنونہ کا حکم فرماتے پھر بھی ان کا اصرار ہوتا تو بیعت فرمالیتے اور ان کے لئے اذکار واشغال ان کے حسب حال تجویز فرمادیتے ، اس طرح ان کو ذکر وشغل سے بھی مناسبت پیدا ہوجاتی کہ پھر بعد فراغت اس کو مزید بڑھاتے ۔

سال کے اخیر میں طلبہ کا امتحان ہوتا ہے ، حضرت والا کی خواہش تھی کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں امتحان ہوتا کہ رمضان اور رویت ہلال سے متعلق مسائل سے بھی

مناسبت اور واقفیت ہو جائے، اس کو تجویز بھی کر دیا گیا تھا، مگر اس پر عمل کی نوبت بھی نہیں آئی تھی، کہ پھر شعبان ہی میں امتحان کا سلسلہ شروع ہو گیا، مگر اب ایک سال کے بجائے دو سال تمرین فتاویٰ کے لئے تجویز کر دئے گے۔

امتحان سے فراغت پر دارالعلوم کی طرف سے طلبہ کو افتاء کی سند بھی دیجاتی، حضرت قدس سرہٗ بھی اس پر دستخط فرماتے اپنی خصوصی سند دینے کا حضرت والا قدس سرہٗ کا دستور نہیں رہا، اور سند کا زیادہ شوق بھی حضرت کو پسند نہیں تھا، جس طالب علم میں سند کا شوق دیکھتے اس کو حضرت تھانویؒ کا قصہ سناتے کہ جب مدرسہ والوں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو سند دینے اور دستار بندی کا ارادہ فرمایا تو ان حضرات نے درخواست دی کہ ہم نے سنا ہے کہ ارباب مدرسہ ہم کو سند دینا اور دستار بندی کرنا چاہتے ہیں، ایسا ہرگز نہ کیا جائے، چوں کہ اس سے دارالعلوم بدنام ہو جائے گا، کہ ایسے نااہلوں کو سند دی اور ان کی دستار بندی کی ہم ہرگز اس کے اہل نہیں۔

کوئی حضرت والا قدس سرہٗ سے سے سند کی درخواست کرتا تو اس کو بھی یہی ارشاد فرماتے میرے پاس سند کا کوئی پرزہ نہیں کسی نے آج تک پوچھا بھی نہیں کہ تیرے پاس سند ہے یا نہیں، پوری زندگی بلا سند ہی گزر گئی۔

فراغت کے بعد جب طلبہ اپنے وطن واپس جاتے ان کو معمولات کی پابندی اور درس وتدریس شروع کرنے کی تاکید فرماتے، بعض خواص کے لئے خود سے جگہ تجویز فرما کر وہاں بھیج دیتے بقیہ کے لئے بھی برابر فکر فرماتے، اور آنے جانے والوں سے حالات دریافت فرماتے رہتے، بعض مدرسہ والوں کو ازخود بھی متوجہ فرماتے، کہ فلاں کو اپنے یہاں رکھ لو، اگر مدرس کی جگہ خالی نہ ہوتی تو فرماتے کہ بلا تنخواہ ہی فلاں کو رکھ لو اور دو چار کتابیں، اس کو دے دو تا کہ ابتدائی کتابیں نکل جائیں، اور کتابوں سے کچھ مناسبت ہو جائے، ان کو دوسری جگہ بھیجنا ہے، اس کے بعد پھر کسی

دوسری جگہ کے لئے تجویز فرما کر بھیج دیتے، جو طلبہ کسی جگہ کام شروع کرتے ان کی بھی پوری خبر گیری رکھتے مفید مشوروں سے نوازتے رہتے اور کتابوں کی ضرورت ہوتی تو بڑی بڑی قیمتی کتب خرید کر عنایت فرماتے۔

جو طلباء فارغ ہو کر یکسوئی اور بے تعلق ہو جاتے ان کے احوال بھی جاننے والوں سے دریافت فرماتے اور ان کیلئے بھی برابر فکر مند رہتے اور رابطہ قائم کرنے کی تدبیر و کوشش فرماتے، کوئی اصلاح احوال کی طرف متوجہ ہوتا تو بہت خوش ہوتے گویا گم شدہ متاع عزیز ہاتھ آگئی، اور بہت شفقت و نرمی کے ساتھ اس کی اصلاح و تربیت فرماتے کہ شفیق و مہربان والدین بھی اپنے بچوں کی خیر خواہی و اصلاح کے لئے وہ شفقت و مہربانی نہیں کرسکتے۔

ایک طالب علم جو حضرت قدس سرہٗ سے اصلاحی تعلق رکھتا تھا، فراغت کے بعد بالکل بے تعلق ہو گیا، ایک عرصہ بعد اس کو خیال آیا اور ایک کارڈ اپنی خیریت کا حضرت قدس سرہٗ کو لکھا، حضرت قدس سرہٗ نے اس کا جواب عنایت فرمایا اور ایک شعر بھی شروع میں تحریر فرمایا۔

بہت مدت میں لائے ہو تشریف
خوش تو ہیں آپ کے مزاج شریف

بس یہ خط ہی اس کے لئے کشش کا ذریعہ بن گیا اس کے بعد اس نے آنا جانا شروع کیا اور اپنی اصلاح کی طرف بھی توجہ کی بالآخر اس کے ذریعہ بہت سی دینی خدمات انجام پائیں، اور انجام پا رہی ہیں، اس نوع کی کتنی مثالیں ہیں۔

فقہ وفتاویٰ میں مناسبت پیدا ہونے کی تدبیر

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی پوری کوشش ہوتی تھی، کہ فتویٰ کی مشق کرنے والے طلبہ میں فقہ وفتاویٰ سے کمال مناسبت پیدا ہو جائے، ان کو ترغیب دیتے رہنمائی فرماتے، ترغیب کے لئے کوئی مسئلہ بیان فرماتے ہوئے کتابیں کھول کر دکھاتے اور ضعف کے باوجود کوئی سستی نہ کرتے فوراً کتاب اٹھا کر لاتے اور مسئلہ نکال کر دکھاتے، بعض مرتبہ متعدد بار اس کی نوبت آتی۔

فقہ میں مناسبت اور مہارت پیدا ہونے کیلئے ''بدائع الصنائع'' شامی'' فتح القدیر'' زیلعی شرح کنز'' کے مطالعہ کی تاکید فرماتے اور فرمایا کرتے۔

اصول اور لِمْ کے لئے ''بدائع الصنائع'' جزئیات کے لئے شامی تعارض ادلہ کے لئے فتح القدیر، اور استدلال بالحدیث کیلئے زیلعی کا مطالعہ بہت مفید ہے، تفسیر میں مہارت ومناسبت کیلئے تفسیر مظہری، تفسیر عزیزی، تفسیر روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، اور تفسیر کبیر للامام رازی کی تاکید فرماتے۔

فرق باطلہ کی تردید کے لئے طلباء کی تیاری

فرق باطلہ کی تردید وبیخ کنی حضرت والا قدس سرہٗ کی زندگی کا اہم مشغلہ رہا ہے، جس کی تفصیل مستقل عنوان کے تحت آئے گی، انشاء اللہ، حضرت والا طلباء کو بھی اس کی طرف توجہ دلاتے اور انکی ذہن سازی فرماتے، فرق باطلہ کے ساتھ اپنی گفتگو

اور مکالمات بڑی دلچسپی کے ساتھ تفصیل سے سناتے ، اپنے اور دیگر اکابر علماء حق کے مناظروں کے واقعات وحالات بھی تفصیل سے سناتے ، متعلقہ کتب کی طرف رہنمائی بھی فرماتے ، جو طلباء باذوق اور ذہین ہوتے ہیں ، ان پر خاص توجہ فرماتے جسکی وجہ سے طلبہ میں فرق باطلہ کی تردید وبیخ کنی کا خاص ذوق ومزاج پیدا ہوجاتا اور اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ کر دیگر مشاغل کے ساتھ اس نوع کے فتنوں کی سرکوبی سے بھی غفلت نہ کرتے ، چنانچہ آج کثیر تعداد اصحاب افتاء کی ملک وبیرون ملک میں موجود ہے ، جنھوں نے حضرت قدس سرہٗ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ، اور حضرت سے فتویٰ نویسی کی تمرین ومشق کی اور اب وہ فقہ وفتاویٰ کے بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں ، بلکہ خود دارالعلوم دیو بند ، مظاہر علوم سہارنپور ، شاہی مرادآباد ، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ، جامعہ رحمانیہ ہتھورہ باندہ اور ملک کے دیگر بڑے مدارس میں اور غیر ممالک میں بھی متعدد مدارس میں سند افتاء کو زینت بخشنے والے عموماً حضرت والاؒ کے تلامیذ ومسترشدین ہی نظر آتے ہیں ، ان اصحاب افتاء کی بھی خاصی تعداد ہے ، جنھوں نے افتاء کی تمرین ومشق تو حضرت قدس سرہٗ سے نہیں کی البتہ استفادہ کیا اور حضرت والا قدس سرہٗ نے ان کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی ، مشوروں سے نوازا اور انہوں نے فقہ وفتاویٰ کی عظیم خدمات انجام دیں یا انجام دے رہے ہیں ۔

وفات

۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۲/دسمبر ۱۹۹۶ء کو جبکہ ہندوستان میں ۱۷/ربیع الثانی تھی بروز دوشنبہ سورج غروب ہونے کے بعد تقریباً ساڑھے سات بجے، اپنے وطن سے ہزاروں میل دور جنوبی افریقہ میں اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کو دین کے لئے قربان کرتا ہوا، رشد و ہدایت کا یہ آفتاب غروب ہو کر علمی دنیا کو اندھیر کر گیا۔ **اناللّٰہ** الخ .

جان دے دی ہے جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

تاریخ وفات

متعدد حضرات نے تاریخ وفات نکالی ہیں ان میں سے بعض کو نقل کیا جاتا ہے۔

ازمولانا محمد شاہ گنگوہی زید مجدہم

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ

مفتی اعظم ہند و دارالعلوم دیوبند ۱۴۱۷ھ

فقیہ الامت فی محل العزیز ۱۴۱۷ھ

محمود فی مقعد مجد عند ملیک مقتدر ۱۴۱۷ھ

مات قطب الوقت حامداً من کان ولی اللہ ۱۴۱۷ھ

محمود حسن عاش حمیداً و مات شہیداً ۱۴۱۷ھ

مفتی محمود حسن الشہید فی سبیل اللہ ۱۴۱۷ھ

مفتی محمود حسن قدس اللہ الودود سرہٗ العزیز ۱۴۱۷ھ

جناب ضمان اللہ ندیم صاحب امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ نے سن وفات اس آیت سے نکالی ہے جو بہت خوب ہے:۔

رحمة اللّٰه وبركاته عليكم اهل البيت ۱۹۹۶ء (سورہ ہود آیت ۷۳)

ازمولانا ظفر احمد جنکپوری صاحب زید مجدہم

بزد مضجعہ الحی العزیز الحکیم ۱۴۱۷ھ
نوراللہ مرقدہٗ الہادی العظیم الرحیم ۱۹۹۶ء

آج اُٹھ کے سوئے عقبیٰ دار فانی سے گئے
تھے جو مفتی ،اک فقیہ امت وشیخ زمن

آہ وہ شیخ طریقت، عارف کامل ولی
چل دئے رخ موڑ کر دنیا سے محمود حسن

جنکے فیض بیکراں سے اک جہاں تھا فیضیاب
ہوگئے دنیا سے رخصت آہ وہ شیخ زمن

ہجر میں ان کے ہیں ابنائے چمن گریہ کناں
اب کہاں پھولوں میں وہ شوخی کلی کا بانکپن

ہوگئے وہ آج داخل جنت الفردوس میں
بن گئے محمود حسن مطلوب رب ذوالمنن

اس نگہبان چمن کے یک بیک اٹھنے سے آج
سونا سونا سا مکاں ہے اجڑا اجڑا سا چمن

درحقیقت اہل عالم کے دلوں پر اے ظفر
کوہ غم ہے ،ارتحال مفتی محمود حسن

۲۱ + ۱۳۸۶ = ۱۴۱۷ھ

ہو کے غم آغوش داعی اجل سے دفعۃً
عالم فانی سے اُٹھے آج محمود حسن

آج ابنائے چمن کو آہ وہ کر کے یتیم!
جانب ملک عدم، رخصت ہوئے زیب چمن

کوچۂ فانی سے اٹھ کر ہوگئے، خلد آشیاں
وہ مسیحا مظہر الاخلاق محمود حسن

۱۹۹۶ء

تأثرات

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ

بروفات

فقیہ الامت حضرت اقدس محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ

F.M.Fainal\Jild-1\05-Muqaddama

تاثرات حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب زید مجدہم بر وفات فقیہ الامت محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

مکرمی ومحترمی مولانا ابراہیم صاحب پانڈور ''رزقکم اللّٰہ صبراً جمیلا واجراً جزیلاً''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

مزاج گرامی: فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی وفات حسرتِ آیات کی اطلاع سے بے حد صدمہ ہوا، طبیعت بہت متأثر ہوئی، انا للّٰہ وانا الیه راجعون، ماشاء اللّٰہ کان ومالا یشاء لایکون غفر اللّٰہ لهٗ واسکنه جنة الفردوس وافاض الیه شاٰبیب غفرانه وادعوا اللّٰہ تعالیٰ ان یفرغ علیٰ قلوبکم صبراً جمیلا وعلیٰ من فقد تم اجراً جزیلا بلطفه ورحمته اٰمین بحرمة سید المرسلین صلی اللّٰہ علیه وسلم .

بھائی:۔ حضرت کی علالت کی اطلاع اور آپ کا سلام اور حضرت کی صحت کے لئے دعا کی درخواست پہنچی تھی، برابر دل سے حضرت کیلئے دعا کا اہتمام کرر ہاتھا، اور فکر دامن گیر تھی احباب سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے احوال معلوم کرتا رہتا تھا کہ اس حادثۂ فاجعہ کی اطلاع موصول ہوئی، انا للّٰہ وانا الیه راجعون.

حضرت مفتی صاحبؒ کا وجود اللہ تعالیٰ کی بہت عظیم نعمت تھی، ہم اور آپ حضرت کے متوسلین اور پوری امت اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوگئی، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے، دنیا میں

ہر آنے والے کو اپنے رب کے پاس ایک دن جانا ہے، زندگی کے سانس معدود اور اجل کا وقت مقرر ہے، ہر شئی فانی ہے، صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات باقی ہے، "**کل من علیھا فان ،انک میت وانھم میتون، کل نفس ذائقة الموت ،وماجعلنا لبشر من قبلک الخلد وغیر ذلک.**

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ علیل رہے آپ نے اور دیگر خدام نے علاج، دعاء اور دوا میں کوئی کسر نہیں رکھی، مگر حضرتؒ کا وقت موعود آ چکا تھا، آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور اپنے محبوب کے پاس پہنچ گئے، وہ گھڑی آ گئی جس کا حضرت کو انتظار ہوگا، اہل اللہ تو اپنے رب کے لقا کی تمنا ہی میں زندگی کے لمحات گزارتے ہیں، جو ہوا وہ قضا وقدر کا فیصلہ ہے، اللہ پاک ہم سب کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

لاتقل فیما جری کیف جری..................... کل شئی بقضاء وقدر

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:۔

واذالمنیة انشبت اظفارھا..................القیت کل تمیمة لاتنفع

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی، تو ایک بدوی نے آپ کے صاحبزادے، حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعزیت کی اور یہ اشعار کہے:۔

اصبر نکن بک صابر ین فانما............ صبر الرعیة بعد صبر الراس

خیر من العباس اجرک بعده............واللّٰه خیر منک للعباس

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ کو ان اشعار سے بڑا سکون اور تسلی ہوئی خدا کرے کہ آپکے حق میں اور ہمارے حق میں اور حضرت کے تمام متوسلین کے حق میں بھی نفع بخش ثابت ہوں۔

ایک زمانہ تک آپ کو حضرت کے ساتھ قلبی تعلق اور حضرت کی خدمت کا موقع ملا جس کی وجہ سے فراق پر غم ہونا فطری چیز ہے، مگر یہی موقع صبر کا ہے" **الصبر عند صدمة الاولٰی**" پیش نظر رہے، انشاء اللہ اس صبر پر اللہ پاک اجر عظیم عطا فرمائیں گے، اور یہ

جدائیگی اور فراق بھی وقتی چیز ہے، ایک نہ ایک دن انشاء اللہ ملاقات ہوگی، اور ہم سب کو بھی اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے "ان للّٰہ ما اخذ و لہ ما اعطٰی و کل عندہ باجل مسمّٰی فلتصبر و لتحسب"

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمارے لئے اسوہ ہے آپ نے خود کو دین متین اور خدمت خلق کے لئے، وقف کر رکھا تھا، دنیوی راحت و آرام کی کبھی فکر نہیں فرمائی، خود بھی عشق الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مستغرق تھے، اور نہ معلوم کتنوں کے قلوب میں عشق کی چنگاری سلگادی دنیا کی چیزوں سے یکلخت خود کو الگ کر لیا تھا، اور ہر قسم کے فتنوں سے خود کو محفوظ رکھا اور ہر وقت موت اور آخرت کی فکر کا استحضار رہا، دنیا کے فتنوں کو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر سمجھ کر اعمال صالحہ کو سفینہ بنالیا تھا، کہ ان خطرناک موجوں سے بذریعہ اعمال نجات حاصل کرلیں، آپ پر بلاشبہ یہ اشعار صادق آتے ہیں۔

ان للّٰہ عباد افطنا
طلقوا الدنیا و خافوا الفتنا

نظروا فیہا فلما علموا
انہا لیست لحی وطنا

جعلوہا لجۃ و اتخذوا
صالح الاعمال فیہا سفنا

حضرت مفتی صاحب مرحوم اس دار فانی سے تشریف لے گئے، مگر حضرت کی علمی یادگاریں اور حضرت کے تلامذہ و متوسلین کی ایک بڑی جماعت الحمدللہ موجود ہے جو انشاء اللہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے لئے ذخیرۂ آخرت اور صدقہ جاریہ ہے اور بلاشبہ حضرت اپنے ان علمی کارناموں کے سبب اس شعر کے مصداق ہیں:۔

موت التقی حیاۃ لانفادلھا

قدمات قوم وھم فی الناس احیاء

اہل اللہ کا وجود مسعود بہت ہی غنیمت اور اللہ عزّوجلّ کی بہت عظیم نعمت ہوتی ہے، ان کے قلوب ایمان ومحبت اور تقویٰ کا مرکز ہوتے ہیں، عشق ومحبت کی آگ انکے دل کو جلائے ہوئے ہوتی ہے، جو دل مرا ان کی خدمت میں طلب صادق لے کر پہنچ جاتا ہے، اللہ جلّ جلالہٗ ان کی صحبت کی برکت سے اس کی کایا پلٹ دیتے ہیں، اور اسے اپنی محبت اپنا تعلق اور اپنی معرفت کا کچھ نہ کچھ حصہ عطا فرما دیتے ہیں، دین سے تعلق اور دین کی محبت اور اتباع سنت کا جذبہ نصیب ہو جاتا ہے، ذکر وفکر حاصل ہو جاتا ہے، اور ان کا صحبت یافتہ انشاء اللہ محروم نہیں رہتا، ان کی ایک نظر، ایک توجہ دل سے نکلا ہوا ایک جملہ زندگی بھر کی تمام عادتیں چھوڑ نے اور ان سے سچی توبہ کرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، جگر مراد آبادی کی کیا حالت تھی نشہ میں چور رہتے تھے، اور جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ یہ لت کس قدر مشکل سے چھوٹتی ہے، حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں پہنچے اللہ عزّوجلّ نے حضرت کی صحبت کی برکت سے اس بری لت سے توبۂ نصوح کی توفیق عطا فرمائی، اور وہی جگر مراد آبادی جو شراب کے نشہ میں مست رہتے تھے، عشق الٰہی کے نشہ میں چور چور ہیں کسی نے سچ کہا ہے:۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء ....بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ کسی صاحب نسبت سے اصلاحی تعلق قائم کریں، اور ان کی خدمت میں رہ کر اپنے قلب کی اصلاح کریں، اصلاحی تعلق ضروری ہے، چراغ ہی سے چراغ جلتے ہیں۔

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل کردے
یہ آگ لگتی نہیں ہے لگائی جاتی ہے

خواجہ صاحب مرحوم فرماتے ہیں:۔

جو آگ کی خاصیت ہے وہ عشق کی خاصیت ہے

ایک سینہ بہ سینہ ہے اک خانہ بخانہ ہے

آگ گھر سے گھر میں لگتی ہے اور اللہ کی محبت کی آگ دلوں سے دلوں میں لگتی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان دلوں کے ساتھ اپنے دل کا تعلق قائم کرلیا جائے، جو خدا کے عشق میں جل رہے ہیں، ہر ایک اس تعلق کا محتاج ہے، تعلق کے بعد مجاہدہ اور شیخ کا اتباع کیا جائے، تو انشاء اللہ یہ تعلق دنیا اور آخرت کی زندگی کو کامیاب بنادے گا، لوگوں کو اہل اللہ کی صحیح قدر کرنی چاہئے۔

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ جہاں ایک طرف محدث جلیل، فقیہ بے نظیر عالم بے مثل تھے، وہیں آپ شیخ کامل اور مرشد وہادی بھی تھے، شیخ العرب والعجم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نور نظر اور آپ کی یادگار تھے، جامع الشریعۃ والطریقۃ تھے، اللہ تعالیٰ نے قسمہا قسم کے کمالات سے نوازا تھا، ایسی جامع شخصیت کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا، بہت عظیم سانحہ ہے، **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، اللّٰھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ واغفر لنا ولہ برحمتک یاارحم الراحمین.**

لکھنے کو تو بہت ہے ان چند کلماتِ خیر سے اپنے کچھ تاثرات حوالہ قرطاس کردئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے اور پوری امت کی طرف سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے، مغفرت فرمائے، اعلیٰ سے اعلیٰ درجات نصیب فرمائے۔

بفردوس اعلی بود جائے او .... بہشت بریں بود ماوائے او

اللہ جل جلالہ ہم سب کو اپنے فضل سے صالح بندوں میں شامل فرمائے، اور ایمان

واعمال پر استقامت اور وقت موعود پر حسن خاتمہ کی دولت لا یزال نصیب فرمائے۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولینا فی الدنیا والاخرۃ توفنا مسلمین والحقنا بالشھداء والصالحین ، ربنا اٰمنا فاکتبنا مع الشٰھدین،ربنا امنا فاغفرلنا ذنوبنا وتوفنا مع الابرار،ربنا واٰتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک ولاتخزنا یوم القیٰمۃ انک لاتخلف المیعاد.

اللّٰھم اناعبادک العصاۃ المجرمون مقرون بذنوبنا معترفون بعیوبنا ، اٰمنا بنبیک ولم نرہ فاغفرلنا ذنوبنا وخطایانا واستعملنا علی سنتہ وارزقنا زیارۃ قبرہ والوفاۃ ببلدہ ودخول دار السرورو القرار بحرمۃ سیدالابرار صلی اللّٰہ علیہ والہ وصحبہ وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً.

الھی تبت من کل المعاصی
بجاہ المصطفیٰ مولی الجمیع
وھب لی فی مدینتہ قرارا
بایمان و دفن للبقیع.

اللّٰھم امین بحرمۃ النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم والہ وصحبہ وسلّم

حضرت مفتی صاحب مرحوم کے متعلق حضرت کی بھانجی زادمجدہا (جو مدینہ منورہ زادہا اللہ عزاوشرفاًوکرامۃً میں مقیم ہیں) کا مکاشفہ مفتی احمد خانپوری زادمجدہٗ کے خط کے ذریعہ معلوم ہوا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے حق میں عظیم بشارت ہے، اہل اللہ کے ساتھ اس قسم کا معاملہ پیش آنا امر مستبعد نہیں ہے،اللہ تعالیٰ علام الغیوب اور دلوں کا حال خوب جاننے والے ہیں، اہل اللہ اپنے دل میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو آگ جلائے ہیں اس سے بھی

خوب واقف ہیں، لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ کا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا ہو تو کوئی بعید نہیں ہے " ذالک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشآ " اس سلسلہ میں احقر کا ایک بہت تفصیلی فتویٰ بعنوان "اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی" فتاویٰ رحیمیہ جلد ہفتم ص ۱۰۸ر تا ۱۲۵ پر چھپا ہوا ہے، وہ ضرور ملاحظہ فرمالیں:۔

حاضرین مجلس کی خدمت میں سلام ودعا کی درخواست۔

فقط والسلام

احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ۲۲ر ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ بہت ہی خوش طبع، بے حد متواضع اور ملنسار تھے، جب بھی حضرت کی سورت تشریف آوری ہوتی حق تو یہ تھا کہ ہم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں، مگر حضرت والا قدس سرہٗ ازراہ شفقت خود احقر کے پاس ہمیشہ تشریف لاتے یہ حضرت کی ذرہ نوازی تھی، احقر سے بہت محبت فرماتے تھے، آنے جانیوالوں سے احقر کی طبیعت اور حال معلوم کرتے اور خوب دعائیں دیتے اللہ جل جلالہٗ اس للہ فی اللہ تعلق کا حضرت کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، اور ہماری نجات ومغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

بحرمته سيدالمرسلين صلّى
الله عليه وآله وصحبه
وسلّم تسليماً
كثيراً كثيرا.

ترتیب فتاویٰ محمودیہ

حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کے پاس اپنا ایک رجسٹر تھا جس میں اپنے اہم فتاویٰ طلبائے دارالافتاء سے نقل کرالیا کرتے تھے، بعض فتاویٰ نقل کرنے کیلئے احقر سے بھی فرمایا جس سے اس رجسٹر میں درج شدہ فتاویٰ دیکھنے کا موقع ملا اوران فتاویٰ کی اہمیت کے پیش نظران کی اشاعت کا دلی تقاضہ پیدا ہوا، اس کا اظہار حضرت اقدس قدس سرہٗ سے کیا، حضرت اقدس قدس سرہٗ نے فرمایا۔

کیا اکابر کے فتاویٰ چھپے ہوئے نہیں ہیں، فتاویٰ امدادیہ، فتاویٰ دارالعلوم، کفایت المفتی وغیرہ کیا وہ کافی نہیں۔

کبھی فرماتے میرے فتاویٰ ہرگز اس لائق نہیں کہ انکو شائع کیا جائے، اورحقیقت یہ ہے کہ غلبۂ عبدیت وفنائیت اور غایت تواضع کیوجہ سے حضرت والا قدس سرہٗ اپنے فتاویٰ کو قابل اشاعت نہیں سمجھتے تھے، اسلئے جب بھی درخواست کی جاتی حضرت والاؒ کا جواب یہی ہوتا تھا۔

ایک دفعہ بندہ نے زیادہ اصرار کیا تو ارشاد فرمایا:۔

مولانا عبدالقیوم صاحب قدس سرہٗ (استاد جامع العلوم کانپور) نے شائع کرنے کا ارادہ کیا تھا، کچھ کتابت بھی کرائی تھی، وہ کتابت شدہ ہی غائب ہوگیا، آج تک اسکا پتہ ہی نہیں چلا منشا یہ تھا کہ اوپر سے ہی منظور نہیں تب ہی تو غائب ہوگیا) احقر نے عرض کیا ہم بھی کوشش کرکے دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا ہوجائے گا، منظور نہیں ہوگا نہیں ہوگا۔ یہی اصرار وانکار چلتا رہا۔ ادھر سے اصرار ادھر سے انکار

آخر مسلسل اصرار کے بعد حضرت والاقدس سرہٗ نے منظور فرمایا۔

"اِنْ دَقَّ بَابَ الْکَرِیْمِ انْفَتَحْ" حضرت والاقدس سرہٗ کا یہی مزاج اپنے مواعظ اور ملفوظات کے بارے میں بھی تھا، بعض احباب نے بعض مرتبہ ٹیپ ریکارڈ لگالیا، ملفوظات کو محفوظ کرنے کیلئے تو حضرت والاقدس سرہٗ سخت ناراض ہوئے۔

کبھی فرماتے، میرے مواعظ ملفوظات ہرگز قابل اشاعت نہیں، بلکہ قابل اضاعت ہیں۔ کبھی فرماتے میری بکواس کیا چھاپتے ہو، میں تو اسی طرح جھک کرتا رہتا ہوں۔ یہی وہ عبدیت کاملہ تھی جس کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا قدس سرہٗ کو بلند سے بلندتر مقامات پر پہونچایا سچ ہے "من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ" (الحدیث) جو بندہ اللہ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو بلند درجات عطا فرماتے ہیں۔

ایک خواب اوراس کی تعبیر

معلوم ہوگیا کہ حضرت والاقدس سرہٗ اپنے فتاویٰ، مواعظ، ملفوظات کسی چیز کی اشاعت کے حق میں نہیں تھے، بمشکل اور انتہائی اصرار کے بعد اجازت حاصل ہوئی۔

اسی سلسلہ میں حضرت والاقدس سرہٗ کے ایک مسترشد خاص نے خواب دیکھا، جس کوانہوں نے حضرت والاقدس سرہٗ سے بیان کیا:۔

خواب: "میں نے خواب میں دیکھا کہ آپکی اور مفتی محمد فاروق کی دونوں کی کُشتی ہوئی، اور مفتی محمد فاروق نے آپ کو پچھاڑ دیا"

میں سخت پریشان ہوں، کہ یہ کیا ماجرا ہے، اس کی تعبیر کیا ہے؟

تعبیر: حضرت والاقدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کوئی پریشانی کی بات نہیں، میں نہیں چاہتا تھا میرے فتاویٰ وغیرہ شائع ہوں، مفتی محمد فاروق صاحب کا اصرار اور تقاضہ رہتا کہ شائع ہوں، وہ اس میں مجھ پر غالب آ گئے۔

یہی خواب کی تعبیر ہے!

اجازت کے بعد حضرت والا قدس سرہٗ کے رجسٹر سے خصوصی فتاویٰ کو نقل کیا، پھر بعض کا پیاں زمانۂ قیام کانپور کی دستیاب ہوگئیں، ان کو نقل کیا، ان کو نقل کرنے کے بعد تقاضہ ہوا کہ ان خصوصی فتاویٰ ہی پر کیوں اکتفاء کیا جائے، جبکہ حضرت والا قدس سرہٗ کے تمام فتاویٰ ہی انتہائی اہم اور عوام وخواص سب کیلئے بے حد مفید ہیں، اور سند کا درجہ رکھتے ہیں، اسلئے تمام فتاویٰ کی ترتیب واشاعت ہی کا توکلاً علی اللہ ارادہ کرلیا گیا، تمام فتاویٰ کی ترتیب واشاعت کا کام کوئی آسان کام نہیں تھا۔

مگر اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو مشکل سے مشکل کام کو آسان فرمادیتے ہیں، اللہ پاک کا خصوصی فضل وکرم اور حضرت والا قدس سرہٗ کی کرامت کہ ہر مشکل آسان ہوتی چلی گئی۔

سب سے پہلے تو فتاویٰ کی نقل کا مسئلہ تھا، دارالافتاء میں نقول فتاویٰ کے رجسٹروں سے فتاویٰ کو نقل کرنا اور رجسٹروں میں سب فتاویٰ بلاترتیب اسی طرح نقل کئے جاتے ہیں، اور پھر ایک ایک استفتاء میں متعدد اور مختلف مسائل ہوتے ہیں، ایک مسئلہ طہارت سے متعلق ہے، تو ایک رضاعت سے متعلق ہے، ایک رویت ہلال سے متعلق ہے، تو ایک مضاربت سے متعلق ہے، اس طرح ایک ہی استفتاء میں متعدد اور مختلف ابواب سے متعلق مسائل گڈ مڈ ہوتے ہیں، ان میں سے ایک ایک کا مطالعہ کرنا پھر ہر مسئلہ کو سوال وجواب کیساتھ اس کے متعلق باب میں نقل کرنا، پھر عربی عبارات نقل میں کچھ سے کچھ ہوجاتی ہیں، بالخصوص جبکہ بعض ناقلین فتاویٰ غیر عالم ہوتے ہیں، اس لئے عربی عبارات کو اصل کتابوں سے ملاکر ان کی تصحیح کرنا، بعض مرتبہ ناقلین فتاویٰ سہولت پسندی کی وجہ سے سوال وجواب کا خلاصہ لکھدینے پر اکتفاء کرلیتے ہیں، جس سے بعض مسئلہ کا مقصود غیر واضح ہوجاتا ہے، اس صورت میں صاحب

فتاویٰ سے اسکی وضاحت حاصل کرنا پھر ہر ہر مسئلہ کو صاحب فتاویٰ حضرت قدس سرہٗ کو سنا کر اطمینان حاصل کرنا یہ سب چیزیں کوئی آسان کام نہیں، کتابت، پھر اس کی تصحیح اور پھر اس کی طباعت اور اشاعت یہ اس کے بعد کے مرحلے ہیں۔

ان سب کیلئے تو مستقل ایک جماعت کی ضرورت تھی، مگر حضرت والا قدس سرہٗ کی دعا اور توجہ خاص کی برکت اللہ پاک کا فضل وکرم کہ اللہ پاک نے اس اہم اور مشکل کام کو کتنا آسان فرمادیا کام کی اہمیت کی وجہ سے بندہ نے عرض کیا کہ میں اپنے مدرسہ دارالعلوم میرٹھ سے رخصت لے لوں اور اطمینان کے ساتھ نقل فتاویٰ کا کام کروں؟ ارشاد فرمایا کہ نہیں! اسکی ضرورت نہیں وہیں رہتے ہوئے، جو کچھ ہو سکے کرتے رہو اب مشکل یہ پیش آئی کہ میرٹھ رہتے ہوئے نقل فتاویٰ کی کیا شکل ہو کہ حضرت والا قدس سرہٗ کے خصوصی رجسٹروں سے اور بعض کاپیوں سے تو فتاویٰ نقل کر لئے گئے مگر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے نقول فتاویٰ کے رجسٹروں سے نقل کی کیا صورت ہو کہ ان رجسٹروں کو دارالافتاء سے باہر لانا اور وہ بھی دارالافتاء اور دارالعلوم دیوبند سے غیر متعلق شخص کیلئے ضابطہ کے خلاف ہے، اپنی اس پریشانی کا ذکر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کے ناظم استاذ محترم حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہٗ خلیفۂ اجل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ سے کیا، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کی اس ناکارہ پر بے انتہاء شفقتیں تھیں، انہیں بے انتہاء شفقتوں اور احسانات میں سے ایک عظیم احسان یہ ہے اللہ پاک حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو بے انتہاء بدلہ نصیب فرمائے، اور جنت الفردوس میں بہت بہت درجات عالیہ نصیب فرمائے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا دارالافتاء کے رجسٹروں کو دارالافتاء سے باہر غیر متعلق شخص کو دینا تو ضابطہ کے خلاف ہے، مگر میں اپنے نام پر تو لے سکتا ہوں اور اپنے اعتماد پر تم کو دے سکتا ہوں، میرٹھ لے جا کر نقل کرنا، نقل کے بعد واپس جمع

کردیا کرنا، میں دارالافتاء میں جمع کردیا کروں گا۔

حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب قدس سرہٗ کی اس عظیم شفقت واحسان کی وجہ سے یہ مشکل آسان ہوگئی۔

چنانچہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ ایک یا دو رجسٹر دارالافتاء سے اپنے نام نکلوا لیتے اوراس ناکارہ کے حوالہ فرمادیا کرتے، یہ ناکارہ اس کو اپنے ساتھ میرٹھ لاتا، اوراس کو نقل کرتا، اورنقل کرکے واپس کردیتا، اورپھر دوسرا رجسٹر اسی طرح حاصل کرلیتا اورنقل شدہ حصہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو دیوبند جا کر سناتا برسوں اسی طرح سلسلہ چلتا رہا، اورفتاویٰ کی ترتیب واشاعت کا کام آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ سے متعلق تمام فتاویٰ مکررات کو چھوڑ کر نقل کرلئے گئے۔

مظاہرعلوم کے فتاویٰ

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا تدریس وافتاء کا ابتدائی دور چونکہ مظاہرعلوم میں گذرا ہے، اورطویل عرصہ تک دارالافتاء مظاہرعلوم سہارنپور میں خدمات انجام دیں ہیں، اس لئے دارالعلوم کے فتاویٰ نقل کرنے کے بعد قیام مظاہرعلوم کے فتاویٰ نقل کرنے کا مسئلہ سامنے آیا، وہاں بھی یہی دشواری درپیش ہوئی کہ دارالافتاء کے رجسٹروں سے نقل فتاویٰ کی کیا شکل ہو۔

حضرت اقدس مفتی مظفرحسین صاحب قدس سرہٗ ناظم مظاہرعلوم سے اپنی اس ضرورت اور پریشانی کا ذکر کیا، اللہ پاک حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو بھی بہت بہت جزائے خیرعطا فرمائے، حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے بھی اس ناکارہ پربے انتہاء احسانات ہیں، ان احسان میں سے ایک عظیم احسان یہی ہے کہ اس

مشکل کو آسان فرمادیا۔

حضرت مولانا وقار علی صاحب زید مجدہم استاذ مظاہر علوم کو بلوایا اور فرمایا:۔ دارالافتاء سے رجسٹر تم اپنے نام نکلوا کر انکو دیدیا کرو، چنانچہ حضرت مولانا وقار علی صاحب زید مجدہم حسب حکم حضرت ناظم صاحب زید مجدہم اپنے نام سے رجسٹر نکلواتے اور احقر کو عنایت فرمادیتے، احقر رجسٹر میرٹھ لاتا، اور نقل کر کے اس کو واپس کر کے، دوسرا رجسٹر اسی طرح آگے کو لے آتا۔ نقل کے سلسلہ میں اپنے احباب سے تعاون بھی حاصل کرنا اور بعض احباب سے اجرت پر بھی نقل کرانا۔

اسی مدت میں دارالعلوم دیو بند کے قضیہ نامرضیہ کے بعد مظاہر علوم میں بھی قضیہ نامرضیہ پیش آیا، اور دارالعلوم کی طرح مظاہر علوم میں بھی مظاہر علوم (وقف) قدیم مظاہر علوم جدید کی تقسیم ہوگئی، حضرت اقدس مفتی محمود حسن قدس سرہٗ جو دارالعلوم کے خلفشار کے بعد مظاہر علوم تشریف لے آئے تھے، مظاہر علوم کے اس سانحہ کے بعد دوبارہ دارالعلوم تشریف لے گئے، اور کیا کیا ناگفتہ بہ حالات پیش آئے، مگر اس سب کے باوجود حضرت اقدس مفتی مظفر حسین صاحب قدس سرہٗ حسب معمول رجسٹر دیتے رہے، اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

اسکا افسوس رہا کہ زمانۂ قیام جامع العلوم کانپور کے فتاویٰ دستیاب نہ ہو سکے سوائے ان فتاویٰ کے جو حضرت والا قدس سرہٗ بعض خاص فتاویٰ اپنے خاص رجسٹروں میں نقل کرالیا کرتے تھے، حالانکہ طویل عرصہ تک تقریباً ۱۴ ربرس وہاں قیام رہا، اور وہاں نقل فتاویٰ کا معمول بھی تھا، مگر وہ رجسٹر کہاں غائب ہو گئے، کچھ سراغ تک نہیں لگ سکا۔ ”فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَاتَصِفُوْنَ“ کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں، اور کیا کر سکتے ہیں۔

فتاویٰ کی اصلاح وتصحیح

احقر ہفتہ بھر اپنی فرصت کے اوقات میں فتاویٰ نقل کرتا اور جمعرات کو دیوبند حاضر ہوتا، عام طور پر عصر تک چھتہ مسجد پہونچنا ہوتا تھا، حضرت اقدس قدس سرہٗ اپنے تمام مشاغل مؤخر کر کے اپنا وقت فتاویٰ سننے کیلئے فارغ رکھتے، اور عصر بعد تا مغرب مغرب بعد تا عشاء اور پھر بعد عشاء اور پھر صبح فجر بعد، بعد ذکر وناشتہ قبل جمعہ تک بہت ہی ضروری مشاغل جیسے آنے والے حضرات سے ملاقات کسی کو کوئی مشورہ کرنا ہے، کچھ دریافت کرنا ہے وغیرہ کے علاوہ تمام وقت فتاویٰ سننے میں صرف ہوتا حضرت والا انتہائی غور وفکر کیساتھ فتاویٰ سنتے اور حسب ضرورت اصلاح وتصحیح فرماتے، بعض فتاویٰ میں کافی وقت صرف ہوتا، کہ ناقلین نے کہیں اختصار سے کام لیا یا کچھ چھوٹ گیا جس سے مطلب بدل جاتا، اس کی تصحیح میں بعض دفعہ کافی وقت صرف ہوجاتا تھا۔

عناوین

حضرت والاقدس سرہٗ ہر مسئلہ کو مع سوال وجواب بغور سنتے اوراس کا عنوان قائم فرماتے اسطرح تمام عناوین بھی حضرت والاقدس سرہٗ کے قائم فرمودہ ہیں اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ

احقر کا معمول

جمعرات کوعصر کے قریب حاضر ہوکر اگلے روز بعد جمعہ کھانا کھا کر واپسی ہوتی اور بعض مرتبہ ہفتہ کو علی الصبح ۴/۵ بجے کے قریب واپسی ہوتی، مستقل یہ نظام بنا ہوا تھا، اس کے علاوہ سہ ماہی ششماہی، سالانہ یا اورکوئی تعطیل درمیان سال ہوتی تو اس میں حضرت والاقدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں ہی حاضری ہوتی۔

سفر میں معمول

کبھی سفر میں ہمرکابی میسر آتی تو تمام سفر میں بھی ضروری اوراہم مشاغل کے علاوہ فرصت کے اوقات میں فتاویٰ سننے سنانے کا سلسلہ رہتا، یہاں تک کہ کار میں، بس میں، ٹرین میں، جہاز میں، اسٹینڈ پر، ایرپورٹ پر جہاں موقع ملتا فتاویٰ سننے سنانے کا سلسلہ جاری رہتا۔

ہسپتال میں معمول

انتہا یہ ہے کہ ہسپتال میں بھی یہ سلسلہ جاری رہتا، ایک کولہے کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے جب حضرت والا قدس سرہٗ دہلی ہسپتال میں تھے اور بار بار بیہوشی ہوجاتی تھی، تو جب ہوش آتا بندہ فتاویٰ لے کر حاضر ہوجاتا۔

کبھی حضرت والا قدس سرہٗ کی اس حالت پر رحم آتا، اور بندہ نہ سنانا چاہتا تو محترم مولانا محمد ابراہیم دامت برکاتہم کا تقاضہ ہوتا کہ کچھ سنالو، تو پھر بندہ بعض دفعہ ایسی حالت میں بادل نخواستہ فتاویٰ سنانا شروع کردیتا، محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم کو چونکہ معلوم تھا کہ حضرت والا قدس سرہٗ کی طبیعت فتاویٰ سے کتنی مانوس ہے اس لئے موصوف کا منشاء یہ بھی ہوتا تھا کہ حضرت والا قدس سرہٗ کی طبیعت کچھ بہل جائے اور کچھ سکون حاصل ہوجائے۔

ایک مرتبہ جب انتہائی تکلیف کی حالت تھی اور بار بار بیہوشی ہوہوجاتی تھی، اور احقر فتاویٰ لئے بیٹھا تھا، جب ذرا سا موقع ملتا سنانا شروع کرتا۔

ایک مرتبہ حضرت والا قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا آپ اس حالت میں بھی مجھ کو معاف نہیں کرتے، ایسی حالت میں بھی مجھ سے کام لیتے ہیں۔

یہ سن کر احقر کو اپنی حماقت پر افسوس بھی ہوا اور حضرت والا قدس سرہٗ کی تکلیف کا بھی اندازہ ہوا کہ حضرت قدس سرہٗ کو اس وقت کتنی سخت تکلیف ہے۔

بے ہوشی کے باوجود استحضار

باقی حضرت والا قدس سرہٗ کی خواہ کتنی مرتبہ بیہوشی ہو جاتی مگر پہلا سنا ہوا ہوش آنے پر مستحضر رہتا، اور بالکل مسئلہ کے مطابق ہی اس حالت میں بھی عنوان قائم فرماتے۔

ایک عجیب کیفیت

ایک مرتبہ عجیب حالت پیش آئی، حضرت والا قدس سرہٗ کا کوئی آپریشن ہوا، بیہوشی کی حالت تھی اس بے ہوشی کی حالت میں محترم مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم نے بتایا کہ بہت دیر تک یہ کیفیت رہی کہ بار بار احقر کا نام لیتے اور فرماتے............ مفتی محمد فاروق صاحب آرہے ہیں، یا مفتی فاروق صاحب آگئے ہیں، یا اس کے مثل کوئی جملہ زبان پر ہوتا، کبھی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے، خدا کرے آخرت میں بھی حضرت والا قدس سرہٗ کی یہ شفقت ہوا ور اپنی نجات کا ذریعہ بنجائے۔

حضرت والا قدس سرہٗ کا ترتیب فتاویٰ سے غایت اشتیاق

ابتداءً گو حضرت والا قدس سرہٗ غایت تواضع، عبدیت کیوجہ سے اپنے فتاویٰ کی ترتیب واشاعت کو پسند نہ فرماتے تھے، مگر جب اس کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور کچھ جلدیں شائع ہو کر سامنے آئیں اور انکی افادیت کا اندازہ ہوا، اور علمائے کرام ومفتیان عظام

میں اس کی مقبولیت کو دیکھا تو خود حضرت والاقدس سرہٗ کو اس کی ترتیب واشاعت کا انتہائی اشتیاق پیدا ہوگیا، حضرت والا قدس سرہٗ کے اشتیاق وفکر مندی کا اندازتو دو واقعات سے ہوسکتا ہے۔

واقعہ نمبر-۱

اوپر معلوم ہو چکا کہ احقر جمعرات کوعصر کے قریب پہونچکر جمعہ بعد واپس ہوتا، اور یہ تمام وقت ضروری اور انتہائی مشاغل کے علاوہ فتاویٰ سننے سنانے کے لئے ہی وقف ہوتا تھا، اور حضرت والاقدس سرہٗ اپنا اکثر وقت اسی کیلئے فارغ رکھتے تھے، اور کسی انتہائی اہم کام کے علاوہ کسی چیز کی مشغولی جو فتاویٰ سننے سنانے میں مخل ہو، حضرت والاقدس سرہٗ کو ناگوار گذرتی تھی۔

ایک مرتبہ احقر حسب معمول حضرت والاقدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر تھا ایک بڑے عالم جو ایک بڑے ادارہ میں شیخ الحدیث تھے، اور حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے مخصوص خلفاء میں سے تھے تشریف لائے ہوئے تھے انہوں نے احقر سے فرمایا کہ کل جمعہ کو ہماری دس بجے واپسی ہے، اور میرٹھ کو گزرنا ہے، ہمارے ساتھ گاڑی ہے اور گاڑی میں گنجائش بھی ہے، اور راستہ میں پھلت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت بھی کرنی ہے، احقر کو بھی خیال ہوا کہ جمعہ بعد واپسی ہوتی ہی ہے، آج دس بجے رخصت ہوجائیں تو کیا حرج ہے، سفر کی سہولت بھی رہے گی، راستے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی زیارت بھی ہوجائیگی، جو بڑی سعادت ہے۔

اور ایک عالم دین بزرگ شیخ الحدیث کے حکم کی تعمیل بھی ہوجائے گی، یہ سب سوچتے

ہوئے احقر نے صورت حال ذکر کرکے دس بجے واپسی کی اجازت طلب کی حضرت والاقدس سرہٗ کو سخت ناگوار گذرا، اور چہرہ مبارک پر سخت غصہ کے آثار ظاہر ہوگئے اور اسی غصہ کے لہجے میں مصافحہ کیلئے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا:۔
مفت کی سواری تو جہنم میں جانے والی بھی مل جائے، تو اس میں بھی چلے جائینگے
یہ جملہ سننے کے بعد احقر کی حالت تو یہ ہوگئی، کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن حضرت قدس سرہٗ تو رخصتی کا مصافحہ فرما کر دوسرے کام میں مشغول ہوگئے، اُدھر ان حضرات کا تقاضا اس لئے بہ مجبوری اسی حالت میں واپسی ہوئی اور حضرت کی ناگواری کا برابر احساس رہا۔
البتہ یہ اندازہ ضرور ہوگیا کہ حضرت والاقدس سرہٗ کو اس کام سے کتنا تعلق ہے اور کتنی فکر ہے، اور اس میں تھوڑا سا خلل بھی حضرت والاقدس سرہٗ کو سخت ناگوار ہے۔

دوسرا واقعہ

ایک دفعہ ایک کاتب نے فتاویٰ کی کتابت میں غیر معمولی تاخیر کی حضرت والاقدس سرہٗ بار بار دریافت فرماتے کہ کتابت کا کیا ہوا، احقر عرض کر دیتا کہ ابھی کتابت مکمل نہیں ہوئی، حضرت خاموش ہوجاتے، اور چہرہ سے رنج کے آثار ظاہر ہوتے، ادھر کاتب نے اپنا پریس لگایا تھا جس کی وجہ سے ان کی مشغولی بڑھ گئی تھی، اور اپنے پریس کی طرف توجہ زیادہ ہوگئی تھی، اس لئے فتاویٰ کی کتابت میں دیر میں دیر ہورہی تھی، اسی موقعہ پر حضرت والاقدس سرہٗ کا جامعہ محمودیہ میرٹھ کا سفر ہوا، جامعہ محمودیہ میں کاتب صاحب بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، ملاقات پر حضرت والاقدس سرہٗ نے فتاویٰ کی کتابت کے بارے میں دریافت فرمایا کہ کتابت کا کیا ہوا؟ کاتب نے بتایا

کہ ابھی نہیں ہوسکی، کچھ باقی ہے، کاتب کا جواب سن کر حضرت والاقدس سرہٗ کو سخت ناراضگی ہوئی اور کوہ حلم ووقار ہونے کے باوجود معلوم ہوتا تھا کہ پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور بے اختیار حضرت والاقدس سرہٗ کی زبان سے نکلا ''جس طرح تو نے مجھے پریشان کیا خدا تجھ کو اسی طرح پریشان کرے''۔

یہ سخت جملہ سن کر کاتب صاحب بھی لرز گئے، اور کانپ گئے اور روتے ہوئے معافی طلب کی، حضرت والاقدس سرہٗ نے معاف فرمادیا۔

احقر نے اتنا سخت جملہ پوری زندگی میں حضرت والاقدس سرہٗ کی زبان سے کسی کے بارے میں کبھی بھی نہیں سنا اسلئے احقر بھی تھرا گیا، اس کے بعد حسب معمول جب دیوبند حاضر ہوا، حضرت والاقدس سرہٗ نے ملاقات ہوتے ہی ارشاد فرمایا:۔

اس ایک جملہ کی تلافی میں میرٹھ سے دیوبند تک برابر کاتب صاحب کے لئے دعا کرتا آیا ہوں۔

یہ بھی اتباع سنت ہے، اس لئے کہ آنحضرت ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ میں نے اگر کسی کو گالی دی ہو بُرا کہا ہو مارا ہو تو اس کو اس کے حق میں رحمت اور اپنے قرب کا ذریعہ اور اس کے لئے پاکیزگی کا ذریعہ بنادے۔ اَوْ کَمَا قَالَ۔۔

بہرحال اس سے یہ اندازہ ہوگیا کہ حضرت والاقدس سرہٗ کو فتاویٰ کی اشاعت کا کتنا اہتمام واشتیاق تھا کہ اس میں تاخیر کتنی ناگوار تھی۔

ایک اور واقعہ بھی ضمناً ذکر کردوں جو فتاویٰ سے متعلق تو نہیں ڈاک سے متعلق ہے، ایک دفعہ احقر حضرت والاقدس سرہٗ کی ڈاک لکھ رہا تھا، احقر اور حضرت والاقدس سرہٗ دونوں ہی تھے، ایک صاحب حاضر ہوئے، اور غیرضروری باتیں کرنے لگے حضرت والاقدس سرہٗ کچھ دیر برداشت فرماتے رہے، پھر لطائف الحیل سے ٹالنا چاہا، مگر وہ اس پر بھی نہ مانے پھر حضرت والاقدس سرہٗ کو سخت ناراضگی ہوئی، اور فرمایا اچھا آپ

تشریف لیجائیے، کئی مرتبہ حضرت نے ان سے فرمایا مگر اس پر بھی وہ نہ اٹھے اور باتیں کرتے رہے، حضرت والا قدس سرہٗ نے اپنا تھیلا (جس میں ڈاک ہوتی تھی) اُٹھایا اور کھڑے ہوکر فرمایا کہ آپ نہیں جاتے تو میں چلا جاتا ہوں، آپ تشریف رکھیئے، پھر وہ صاحب گئے، اور باہر جاکر سخت ناراض ہوئے، کہ یہ کیا اخلاق ہیں، اسلئے کہ اپنی کوتاہی اور بداخلاقی پر تو نظر نہیں ہوتی اس سے اندازہ ہوگیا کہ حضرت والا قدس سرہٗ کو اپنے کام کا کتنا اہتمام تھا اور اس میں خلل اندازی کتنی ناگوار تھی۔

فتاویٰ کی تصحیح کا مزید اہتمام

فتاویٰ حضرت والا قدس سرہٗ کو سنانے کے بعد ہر چند کہ تصحیح کی ضرورت نہیں رہتی اس کے باوجود محترم مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری زید مجدہم اور محترم مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب زید مجدہم ہر دو حضرات کو بالخصوص دکھانے کا معمول رہا ہے، رمضان المبارک میں اہل علم حضرات کا بڑا مجمع حضرت والا قدس سرہٗ کی خدمت میں رمضان گزارنے کا ہوتا تھا اسلئے کوشش ہوتی تھی کہ جتنے حضرات ارباب فتاویٰ بھی فتاویٰ پر نظر ثانی کرسکیں اچھا ہے، اسلئے فتاویٰ کا یہ مجموعہ ہر طرح قابل اعتماد واطمینان ہے **الحمدللّٰہ. ثم الحمد للّٰہ**

فتاویٰ محمودیہ، خصوصیات، امتیازات

حضرت اقدس مفتی صاحبؒ کے فتاویٰ میں بہت ساری خصوصیات[1] کے علاوہ سب سے نمایاں اور واضح خصوصیت اعتدال پسندی اور میانہ روی ہے، اور یہی حضرات علمائے دیوبند کی شان اور طرۂ امتیاز ہے۔

حضرات علمائے دیوبند

حضرات علمائے دیوبند کی اعتدال پسندی کے بارے میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج سیاست اور اجتماعیات کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے، اس کے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں۔ جن سے حضرات علمائے دیوبند کی اعتدال پسندی پر روشنی پڑتی ہے۔

> ''غرض مسلک علمائے دیوبند محض نظری مسلک نہیں، بلکہ عملی طور پر ایک مستقل دعوت بھی ہے، جو آج سے سو برس پہلے دی گئی اور آج سوا سو برس کے بعد بھی دی جارہی ہے، اور وہ جس طرح اس وقت کار آمد تھی، اسی طرح آج بھی کار آمد ہے، البتہ رنگ اس کا تعلیمی ہے، پھیلاؤ تبلیغی ہے، جماؤ معاشرتی ہے، بچاؤ افتائی وقضائی ہے، چڑھاؤ ریاضت وسپہ گری ہے، ضبطِ نفس تربیتی ہے، مدافعت مجاہداتی ہے، اور دعوت بین الاقوامی ہے۔

علمائے دیوبند کا یہی وہ جامع مسلک اور طریق عمل ہے جس سے اس جماعت

---

[1] محبّ مکرم حضرت مولانا مفتی نذیر احمد صاحب زید مجدہم شیخ الحدیث ومفتی دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر نے خصوصیات وامتیازات پر مبنی یہ وقیع مضمون تحریر فرمایا تھا، جو ماہنامہ النور ''فقیہ الامت نمبر جلد دوم'' میں شائع ہوا تھا، فتاویٰ محمودیہ مطبوعہ دارالعلوم فاروقیہ کراچی کے مقدمہ میں بھی اس کو نقل کیا گیا ہے، اس سے ملخصاً نقل کیا جارہا ہے۔

کا مزاج جامع بنا اور اس میں جامعیت کے ساتھ اعتدال قائم ہوا، اس لئے چند بندھے جڑے مسائل یا خاص فنون یا عملی گوشوں کو لے کر ان میں جمود اختیار کر لینا اور اسی میں اسلام کو منحصر کر دینا یا اسی کو پورا اسلام سمجھ لینا ان کا مسلک نہیں۔

بہر حال! علمائے دیوبند اپنے جامع ظاہر و باطن مسلک کے لحاظ سے نہ تو منقولات اور احکام ظاہر سے بے قیدی اور آزادی کا شکار ہیں اور نہ اس کی باطنی اور عمومی گنجائشوں کے ہوتے ہوئے قومی نفسیات اور مقتضیات وقت سے قطع نظر کر لینے کی بیماری اور ضیق النفس میں گرفتار ہیں۔ ان کا یہی وہ جامع اور معتدل مشرب ہے جو ان کو اس آخری دور میں اہل سنت والجماعت کے مسلوک طریقہ پر ان کے علمی مورثِ اعلیٰ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی اور بانی دارالعلوم دیوبند حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے بعد اس کے سر پرست اعظم قطبِ وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور اس کے اولین صدر تدریس مولانا یعقوب صاحب نانوتوی قدس اللہ اسرارہم سے پہنچا، جس پر وہ خود بھی رواں دواں ہیں اور اپنے مستفیدوں کو بھی سو برس سے اسی پر تعلیم و تربیت دے کر رواں دواں کر رہے ہیں۔

اس لئے یہ مسلک جامع عقل و عشق، جامع علم و معرفت، جامع عمل و اخلاق، جامع مجاہدہ و جہاد، جامع دیانت و سیاست، جامع روایت و درایت، جامع خلوت و جلوت، جامع عبادت و مدنیت، جامع حکم و حکمت، جامع ظاہر و باطن اور جامع حال و قال مسلک ہے۔

نقل کو عقل کے لباس میں پیش کرنے کا مکتبِ فکر اسے حکمت شاہ ولی اللہ سے ملا، اصولِ دین کو معقول سے محسوس بنا کر دکھلانے کا فکر اسے حکمتِ قاسمیہ سے ملا، فروغِ دین میں رسوخ واستحکام پیدا کرنے کا جذبہ اسے قطب گنگوہی سے ملا، سلوک میں عاشقانہ جذبات واخلاق کا والہانہ جوش وخروش اسے قطب عالم حضرت حاجی

امداد اللہ قدس سرہٗ سے ملا اور تصوف کے ساتھ اتباع سنت کا شوق وذوق اسے حضرت مجددِ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور سید الشہد اءرائے بریلی قدس سرہ سے ملا۔

اس لئے علمائے دیوبند قرآن وحدیث کے معانی اور گہرے مطالب وحقائق واسرار کو بھی مضبوط پکڑے ہوئے ہیں جن کا ذوق انہیں شیوخِ علم کی صحبت وفیضان سے میسر ہے، جن سے وہ نصوص کے ظواہر بواطن دونوں ہی سے استدلال کی راہ پر ہیں، نہ وہ اصحابِ ظواہر میں سے ہیں جو الفاظِ نصوص پر جامد ہوکر رہ جائیں اور بواطنِ نصوص یا ان کے حقائق سے بے نیاز ہو جائیں۔ اور نہ وہ باطنیہ میں سے ہیں کہ ظواہر کو محض لفظی نقوش کہہ کر ان سے بے توجہی برتیں یا شرعی تعبیرات کی ان کے یہاں کوئی قدر و قیمت اور محض ذہنی گھمیر میں گم ہوکر رہ جائیں۔

پس ان کے مسلک پر شرعی تعبیرات قطع نظر ان کے معانی ومدلولات کے خود اپنے نظم وعبارت کے لحاظ سے بھی ہزار ہا علوم واحکام کا سرچشمہ ہیں اور ان کی عبارت، دلالت، اشارت اور اقتضاء سے ہزار ہا مسائل وجود پذیر ہوئے ہیں جن سے دین باغ وبہار بنا ہوا ہے اور دوسری طرف ان تعبیرات کے ماضی کے پردوں میں اور بھی ہزار ہا معانی اور حقائق مستور ہیں جو قواعدِ شرعیہ اور قواعدِ حربیت کے ساتھ، عملِ صالح کی ممارست، صلحاء کی صحبت ومعیت اور مجاہدہ وریاضت ہی سے قلوب پروارد ہوتے ہیں۔''

(علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، سیاست اور اجتماعیات، ص ۱۷۷-۱۷۹، ادارہ اسلامیات، لاہور)

''یہی مسلکِ اہلِ سنت والجماعت کہلاتا ہے اور یہی وہ مسلک ہے جس کے علم بردار علمائے دیوبند ہیں، اسی لئے وہ اس جامع مسلک پر چلنے اور اس کے عناصرِ ترکیبیہ کو جمع رکھنے سے بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی، صوفی بھی ہیں اور مجاہد بھی، مقلد بھی اور مفکر بھی۔

اور پھر ان تمام علوم اور عناصرِ دین کے امتزاج سے ان کا جماعتی مزاج معتدل بھی ہے اور متوسط بھی، جس میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ اور اس توسط اور وسعتِ نظری کی بدولت نہ ان کا مشغلہ تکفیر بازی، نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سب وشتم اور تبرا ہے، نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے، نہ غلبہ جاہ وجلال سے افراطِ عیش، بلکہ صرف بیانِ مسئلہ اور حقائق بیانی یا احقاقِ حق اور ابطال باطل ہے اور بالفاظ مختصر اصلاحِ امت اور اتحاد بین المسلمین ہے، جس میں نہ متخالف شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ ان پر مغرورانہ طعن واستہزاء کا، نہ ان کے بیانات وخطابت کا موضوع مخالف مسلک طبقات سے خواہ مخواہ الجھنا اور عوام کو ان سے نفرتیں دلاتے رہنا اور ان کے خلاف ہمہ وقت عوامی جذبات کو مشتعل کرتے رہنا ہے، جب کہ ان کی زبانیں بیانِ مسائل سے فارغ نہیں تو ان خرافات کے لئے وہ فرصت کہاں سے پاتے؟

تکفیر بازی تو بجائے خود ہے ان کے یہاں سرے سے ان اشخاص کا ذکر وتذکرہ تک بھی زبانوں پر نہیں ہوتا جو ہمہ وقت ان کی بدگوئی میں لگے رہتے ہیں، پس انہیں اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام ''دارالعلوم دیوبند'' ہے اور اسی علمی وعملی اور عقلی واخلاقی ہمہ گیری سے اس کا دائرۂ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

علمائے دیوبند کے اس دینی رخ اور مسلکی مزاج کی نسبتوں سے اگر انہیں پہچنوایا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دیناً مسلم ہیں، فرقۃً اہل سنت والجماعت ہیں، مذہباً حنفی ہیں، کلاماً ماتریدی اشعری ہیں، مشرباً صوفی ہیں، سلوکاً چشتی بلکہ جامعِ سلاسل ہیں، فکراً ولی اللّٰہی ہیں، اصولاً قاسمی ہیں، فروعاً رشیدی ہیں، بیاناً یعقوبی ہیں اور نسبتاً دیوبندی ہی۔ والحمد للہ علی ھذہ الجامعیۃ۔

اس طرح دین کے مختلف شعبوں کی ظاہری اور باطنی نسبتیں مختلف اربابِ نسبت اہل اللہ کی توجہات وتصرفات سے انہیں حاصل ہوئی ہیں، جنہوں نے مل کر

اور یکجا ہوکر ایک مجموعی اور معتدل مزاج پیدا کرلیا جسے دارالعلوم دیوبند نے سنبھال رکھا ہے۔‘‘

(علمائے دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج: ۱۹۲،۱۹۳، ادارہ اسلامیات)

حضرت فقیہ الامتؒ اور فتویٰ نویسی

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو فقہ اور فتاویٰ نویسی کے باب میں جو عظیم مقام عطا فرمایا، لاکھوں میں کسی خوش نصیب کو حاصل ہوتا ہے۔

وہ عہد جس میں فتاویٰ کی زمام عمل آپ کے ہاتھ میں آئی اس وقت علم وعمل کا ہر میدان شدید تغیرات سے دوچار تھا، عظیم علمائے راسخین ایک ایک کر کے اٹھتے جاتے تھے، خود علماء میں روز افزوں رسوخِ علمی میں کمی اور ذوقِ سلف سے دوری تھی، تدین کا فقدان ہر طرف سے عوام سے لے کر خواص تک پھیلا ہوا تھا، طرح طرح کی فکری، سیاسی، نظریاتی کجرویاں جنم لے رہی تھیں، خود مسلمانوں میں نوع بنوع کی نئی نئی جماعتیں اور نئے فرقے وجود میں آرہے تھے، علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ مغربی علوم وتہذیب کے سامنے سپر اندازی کی کیفیت میں مبتلا تھا، نجی زندگی سے لے کر عمومی طرزِ معاشرت، معاملات، نظامِ قانون، تجارت، اخلاق وآداب تک میں نت نئی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

کچھ لوگ کھلم کھلا اجتہاد کا دروازہ کھول کر ہر کس وناکس کو امور دین میں دخل اندازی کا میدان فراہم کرنے کی انتھک کوشش کررہے تھے، ایک طرف متجددین، روحِ شریعت کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور مغرب سے درآمد ہر نظریہ وہر فیشن کو جائز ودرست ثابت کرنے کے لئے اباحت پسندی کا بھرپور مظاہرہ کرنے لگے تھے اور ایک طبقہ عمل بالسنہ کے نام پر فقہ وتفقہ سے آزادی اور بزعم خود فقہی جمود کو توڑ کر غیر مقلدیت کے وسیع میدان میں قدم رکھنے اور کسی ایک فقیہ کا مقلد رہنے کو شرک کہہ کر رد کرنے اور امت کو آزاد خیالی کی ایک نئی ڈگر مہیا کرنے لگا تھا۔

ایسے حالات میں تصلّب کے ساتھ تحقیق ویسر کے پہلو کو شامل رکھنا، ہر نئی لہر میں

ضرورتِ واقعیہ کو الگ کرنا اور محض سہولت کی خاطر اور صرف دوسروں کی دیکھا دیکھی امت کو مزاجِ شریعت سے دور ہونے سے بچانے کے لئے شدت برتنا، اہل حدیث اور سلفیت کے نام پر غیر مقلدیت کے پرچار سے متعلق امت کی رہنمائی اور اس کے مضر اثرات کی نشاندہی، بدعات کے شیوع میں طرح طرح کے غیر شرعی اعمال میں امت کے تزکیہ کے لئے واضح اور قطعی حکم لکھنا اور ان تمام احوال میں احکام شریعت کو بیان کرنے والا؟ مستند شخص چونکہ یہی کہلاتا ہے، اس لئے اس پر یہ لازم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حقیقی ضروریات ومصالح کو بھی ملحوظ رکھے اور زیادہ سے زیادہ یسر کے پہلو کو اپنائے اور ناقابلِ برداشت تنگی سے امت کی مشکلات کم سے کم ترک کرنے کی سعی کرے، دوسری طرف اس کی رعایت کرنا بھی لازم ہوتا ہے کہ وہ آزاد طرزِ فکر نہ اپنائے جو امت کو ہر طرح کی سہولت دینے کے عنوان پر اور تحقیق کے نام سے من مانی تشریحات کو سندِ جواز عطا کرنے کے نتیجے میں روحِ شریعت ہی کہیں مسخ نہ ہو جائے۔

حضرت فقیہ الامتؒ کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے، کہ آپ نے تصلب (اور وہ بھی شدت کی حد تک) کو بھی اپنایا اور امت کی واقعی ضروریات میں یسر کے پہلو پر بھی نظر رکھی، تجدد واباحت ہو یا آزاد خیالی وکج فکری، یا نئے نظریات، جس عنوان سے بھی سامنے آئے ان سب کے مقابلے میں یا بدعات ورسوم اور غیر مقلدیت ان کے مقابلے میں آپ کا تصلب واضح ہے، جب کہ اخلاق، آداب، حظر واباحت میں آپ کا انداز نہایت ہی یسر اور حاجت کی حدود کا پوری طرح رمز شناس۔

معاشرت وتمدن کے سلسلے میں وہ مسائل جن میں امت دوسری اقوام کی نقالی کرنے لگی ہے چاہے وہ لباس ہو، رہن سہن ہو، رسوم وعادات ہوں، کھانے پینے کے طور طریقے ہوں ان میں آپ کا انداز عموماً یہ ہوتا کہ اگر وہ امور غیر مسلم اقوام کے شعار کی حیثیت رکھتے تو بر بنائے تشبہ ان کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دیتے لیکن علت تشبہ پر کامل غور

وفکر کو ہاتھ سے نہ چھوڑتے، لیکن اگر وہ امور غیر مسلم اقوام کا شعار نہ ہوتے اور اصلاً وہ اسلامی بھی نہ ہوتے، ان کے مباح ہونے کا فتویٰ دیتے لیکن اجتناب کی تلقین بھی فرمایا کرتے تھے۔

حظر واباحت کے مسائل کے سلسلے میں عرف کو مدار بنایا جانا اس لئے ناگزیر ہوتا ہے کہ عموماً یہ مسائل عرف پر ہی مبنی ہوتے ہیں، اس لئے اس سلسلے میں عرف کی بناء پر جواز وعدمِ جواز کا فیصلہ فرمایا کرتے اور اس کیلئے صرف بیانِ حکم پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔

معاملات کے سلسلے میں وہ مسائل جن کا تعلق ایسے امور سے ہوتا جن کے متعلق قطعی تحقیق نہ ہوئی ہوتی تو آپ بھی قطعی حکم نہ لگاتے، مثلاً کوکا کولا، سینٹ، صابون، ڈالڈا گھی بسکٹ، برش، ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کے متعلق جائز وناجائز کا حکم دریافت کیا گیا تو آپ نے ان اشیاء کے متعلق یہی لکھا کہ بلاقطعی تحقیق کے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان اشیاء میں نجس اشیاء پائی جاتی ہیں اور جب تک اس کی پوری تحقیق نہ ہوجائے ان کے متعلق حرمت کا فتویٰ نہیں لکھا جاسکتا۔

وہ مسائل جو جدید ایجادات کی بناء پر سامنے آتے ان کی تحقیق نہ ہوتی تو صاف فرمادیتے کہ مجھے تحقیق نہیں، ایسے مسائل جن میں کسی مستفتی کے متعلق آپ کو محسوس ہوتا کہ محض کسی کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کرنے کے لئے فتویٰ طلب کیا جارہا ہے تو عموماً آپ ناصحانہ جملے لکھا کرتے اور ایسے مسائل جن سے کسی عمل کی امید نہ ہوتی محض علمی مشغلہ کے طور پر دریافت کئے جاتے ان کے متعلق بھی عموماً نہایت اجمال برتتے تھے۔

حضرت فقیہ الامتؒ کے فتاویٰ میں وہ فتاویٰ جو ابتدائی عہد کے ہیں یعنی جو مظاہر علوم اور کانپور کے زمانے میں لکھے گئے ان میں تحقیق، بیانِ حوالہ اور جوش وصراحت کا عنصر غالب ہے جب کہ اخیر عہد میں اصلاح وارشاد اور تزکیہ ونصیحت کا رنگ غالب رہا۔

بدعات، رسوم، روایات اور امت میں پھیلے ہوئے مختلف علاقوں کے مختلف

اختراع شدہ امور کے متعلق حضرت کا انداز یہ تھا کہ ہر امر کے متعلق پہلے یہ طے فرماتے کہ کیا اس کو بر بنائے عبادت انجام دیا جارہا ہے، اور التزام کی کیفیت پیدا ہوچکی ہے یا نہیں، اگر دین سمجھ کر التزام کے ساتھ کسی کام کو کیا جانے لگے اور تارک کو ملامت کی جائے تو اب اس کے بدعت ہونے میں شبہ نہیں، چنانچہ تیجہ، چہارم، دسواں، پندرہواں، چالیسواں، عرس، مجالس میلاد میں طرح طرح کے غیر ثابت شدہ امور کی پابندی وغیرہ کو بدعت اور اصولِ شریعت سے غیر ثابت شدہ ہوکر غیر مشروع ہونے کی صراحت فرماتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی اگر کسی امر کا التزام بر بنائے انتظام ہو، نہ کہ بر بنائے حکم شریعت، اور تارک کو مطعون بھی نہ کیا جائے تو اس کو بدعت نہ کہہ کر امت کے لئے سہولت پیدا فرماتے تھے، چنانچہ مختلف تسبیحات کی تعداد کو یاد رکھنے اور گننے کے لئے تسبیح کا استعمال درست قرار دیا، اگرچہ کچھ لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں مگر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کیا اس میں ابتداع کے تمام لازمی امور پیدا ہوئے بھی یا نہیں؟ غرض کہ حکم بدعت کے سلسلے میں نہ سخت گیر موقف اپناتے تھے اور نہ سہل انگاری۔

حضرت فقیہ الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فقہ وفتاویٰ کی چند خصوصیات جو انتہائی سرسری طور پر سامنے آئیں وہ پیش کرنے کے بعد یہ امر واضح کرنا لازم ہے کہ یہ خصوصیات حضرت کا امتیازِ خاص اور وہ انفرادیت نہیں کہ جس سے دوسرے بزرگوں سے اس کی کلی نفی مقصود ہو لیکن اس عہد میں حضرت ان اوصاف وامتیازات کی بناء پر بلاشبہ سب سے فائق تھے۔

وسعتِ نظر اور استحضارِ جزئیات

وسعتِ نظر اور استحضار جزئیات میں بھی آپ اس عہد میں بے نظیر تھے، بے شمار مسائل ایسے کہ جن کے متعلق عموماً یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اس کے متعلق کہیں کوئی صراحت شاید نہ مل سکے لیکن حضرت نہایت بے تکلفی سے اس کے لئے کوئی صریح جزئیہ بیان فرمایا

کرتے تھے۔اسی وسعتِ نظر کی بناء پر آپ کے فتاویٰ میں ان کتابوں کے حوالے بھی ہیں جن کی زیارت تو کجا ان کے نام سے بھی ہم جیسے نا آشنا تھے اور حضرت کے فتاویٰ کے ذریعہ ہی پہلی مرتبہ نام سننے میں آئے، چنانچہ "**نهاية الامل، روضة القضاء، نور العين، تلقيح فهوم اهل الاثر، نور الضحى**" اور بہت سی فتاویٰ کی دوسری کتابیں ہیں جن کا پہلے پہلے نام سے تعارف حضرت کے فتاویٰ ہی کے ذریعہ ہوا۔

فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کا وسیع ترین مطالعہ اور پھر اس کا استحضار اور بوقتِ ضرورت اس کا بیان کرنا یہ وہ وصف ہے جو بلاشبہ اس عہد میں آپ کا وصف امتیازی تھا، چنانچہ وسعت نظر کا شاہکار دیکھئے کہ سوال کیا گیا مسجد میں دو ستونوں کے درمیان نماز مکروہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

> "کہ مبسوط میں جزئیہ موجود ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے دو مقتدیوں کے درمیان کوئی صندوق رکھ دیا جائے"۔علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول العرف الشذی: ۶۰/۱، میں نقل کیا گیا ہے کہ احناف کی کتب میں عدم کراہت کا قول مجھے نہیں ملا، حالانکہ مبسوط سرخسی میں صراحۃً مذکور ہے۔"(ملفوظات: ۲)

اسی وسعتِ نظر کی بناء پر مستند وغیر مستند کتابوں کے متعلق آپ نہایت قطعیت سے حکم لگاتے تھے، چنانچہ بعض دفعہ ایک ہی استفتاء میں دس دس کتابوں کے متعلق رائے طلب کی جاتی تو نہایت بے تکلفی کے ساتھ مستند ہونے، مشکوک ہونے، غیر مستند ہونے وغیرہ کی تصریح فرماتے۔[۱]

فقہ کی امہاتِ کتب پر نہایت تحقیقی اور عمیق نظر تھی اور اس کے نتیجے میں بعض دفعہ آپ کی زبان وقلم سے ایسے جواہر کا ظہور ہوتا کہ جن کے لئے برسوں کے علم ومطالعہ کے بعد بھی امید نہیں کی جاسکتی کہ حاصل ہو جائیں۔

---

۱ راجع محمودیه كتاب العلم مایتعلق بالكتب المعتمدة وغیرها، عنوان "چند معتبر اور غیر معتبر کتب۔

حضرت فقیہ الامت اور اعتدال پسندی

حضرت فقیہ الامت کے فتاویٰ، مواعظ، ملفوظات، تدریس، اصلاح وتصوف، مسلکِ علماء دیو بند کی مدلل، مفصل، عام فہم، تبیین اور تشریح ہے۔اس معتدل مسلک کی تشریح وتوضیح میں آپ کا منہاج کیا تھا، یہ ذیل کی چند مثالوں سے واضح ہوگا:

حُبِّ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور راہ اعتدال

اس کائنات میں سب سے مقدس، سب سے افضل اور تمام کمالاتِ انسانی کی جامع جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہے، جن کی محبت، عقیدت اور ان کی حقانیت وصداقت پر مکمل اطمینان اصلِ ایمان ہے، پھر جماعت انبیاء علیہم السلام میں سب سے افضل حضرت سید المرسلین خاتم النبیین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ کمالات کی بناء پر امت کے بہت سے طبقات طرح طرح کی افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئے، کسی نے آپ کے ارشادات کی تشریحی حیثیت کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کیا، کسی نے آپ کے ارشادات کو صرف الفاظ کی حد تک محدود کر کے ان ارشادات سے مزید استنباط کرنے، ان میں تخریج علت اور پھر علت کے تعدیہ کو غلط قرار دے کر صرف الفاظِ حدیث کی سندی حیثیت اور ظاہرِ مفہوم تک محدود رہنا منتہائے دین قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو عام انسانوں کی ذات کے ہم مثل قرار دے کر آپ کے آثار بالخصوص مادی آثار کو غیر متبرک قرار دیا حتی کہ آپ کے جسمِ اطہر کے مٹی میں مل کر دوسرے انسانی اجسام کی طرح مخلوط ہوجانے کا عقیدہ اپنایا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محض پیغام رساں ہونے تک محدود سمجھی، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں غلو کر کے آپ کو عالم

الغیب، مشکل کشا، مختارِکل، ہر جگہ حاضر وناظر قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ مطلق اور صفاتِ الٰہی کا جزو قرار دیا، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف منسوب تبرکات کو معبود تک بنانے کی روش اپنائی، کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن پر، آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تنقید کرنے کو اپنا اصول قرار دیا۔

اس صورت حال میں اعتدال کیا ہے یہ نہایت اہم مسئلہ ہے، چنانچہ اس اہم مسئلہ میں علمائے دیوبند نے جو معتدل منہاج اپنایا اس کی نہایت جامع مثال حضرت فقیہ الامت کے فتاویٰ میں ملے گی، حضرت جہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی وعملی، اخلاقی، جسمانی، روحانی کمالات کو تسلیم کرنے اوران پر مکمل ایمان رکھنے کی نہایت بصیرت افروز اور محبت خیز تشریح فرماتے ہیں وہیں آپ کے عالم الغیب ہونے، مختارکل ہونے، نورِ مطلق ہونے کی بھی نفی کرتے ہیں اور یہ نفی قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ، ارشاداتِ عارفین اور عقلی استدلالات اور بصیرت افروز بیانات ومثالوں پر مبنی ہوتی ہے۔

آپ ایک طرف حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کو افضل الکائنات، اعلم الکائنات اور اطہر الکائنات قرار دے کر ان پر ایمان رکھنے کو لازم قرار دیتے ہیں لیکن دوسری طرف جب یہ حدیث پیش کر کے فتویٰ طلب کیا جاتا ہے کہ ’’انا احمد بلا میم، وانا عرب بلا عین‘‘ [میں بلا میم کے احمد (احد) اور بلا عین کے عرب (رب) ہوں]۔ تو اس کو موضوع اور باطل کہہ کر رد کر دیتے ہیں[1]۔

آپ ایک طرف محبتِ رسول کو جزوِ ایمان اور لازمۂ ایمان قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی مجرد لسانی دعوائے عشق کو ناقص قرار دے کر حقوقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی

[1] راجع کتاب العلم، مایتعلق بالحدیث، عنوان: ’’انا احمد‘‘ الخ، کیا حدیث ھے؟

کی تلقین فرماتے ہیں اور یہ حقوق عشق ومحبت، عقیدت وعظمت، اتباع وانقیاد اور ایک ایک سنت کو اپنانے کی تلقین تک وسیع کرتے ہیں، صاف فرماتے ہیں کہ:

''اصول عشقِ رسول تو اتباع سنت کا نام ہے۔''

آپ ایک طرف ''شفایا رسول اللہ'' کہنا غیر درست قرار دیتے ہیں اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود جسمانی امراض سے سابقہ پیش آیا تو آپ سے ہی شفاء طلب کرنا کیسے درست ہوگا، لیکن دوسری طرف آپ کے وسیلے سے اللہ کی بارگاہ سے حاجات طلب کرنا درست قرار دیتے ہیں[1]۔ آپ سے پوچھا جاتا ہے کہ کائنات میں سب سے افضل پانی کون سا ہے اور یہ سوال کرنے والا بجا طور پر یہی سمجھتا ہے کہ جواب میں حضرت یہی فرمائیں گے کہ سب سے افضل پانی زمزم ہے، اس لئے احادیث میں سب سے زیادہ فضیلت اسی پانی کی بیان کی گئی لیکن حضرت کے تعمق نظر کا عالم دیکھئے فرماتے ہیں کہ:

''اس کائنات میں سب سے افضل پانی وہ تھا جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا تھا،س کے بعد سب سے افضل زمزم کا پانی۔''

لیکن اس کے ساتھ وہ تمام بے سند روایات جو سیرت کے نام پر بیان کی جائیں ان کی تردید وتغلیط میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے، چنانچہ ''**اول ما خلق اللہ نوری**'' کے متعلق فرمایا کہ ''یہ درجہ صحت کو نہیں پہنچتی ہے[2]۔''

حقوقِ رسول علیہ السلام کے لئے مجرد سیرت نگاری اور صرف اظہارِ فن کے لئے نعتیہ شاعری کو ناکافی سمجھتے ہیں بلکہ اتباعِ رسول کو اور پھر اشاعتِ دین کی لگن کو بھی حقوق میں شمار کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی وہ نعتیہ شاعری جو حدودِ شریعت میں ہو (جس میں نہ تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مافوق النبی قرار دیا جائے اور نہ غیر مستند باتیں آپ کی طرف

---

[1] راجع کتاب الایمان، مایتعلق بالتوسل فی الدعاء.

[2] راجع کتاب العلم، مایتعلق بالحدیث، عنوان: اول ماخلق اللہ نوری الخ''

منسوب کی جائیں) کی اہمیت کے نہ صرت قائل ہیں بلکہ خود بھی ایسی نعتیہ شاعری کرتے ہیں جو بلاغت، تلمیحات، استعارات اور قرآن وسنت وسیرت کے ان دفاتر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جو ذاتِ اقدس کے متعلق وارد ہیں۔

غرض یہ کہ اس کائنات میں سب سے مقدس جماعت حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں اور ان سرداران میں سب سے افضل حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے، جن کی محبت وعظمت، عقیدت واتباع ہی اصلِ ایمان ہے، لیکن یہ محبت وعظمت اگر غلو کا شکار ہو جائے تو یہی شرک بن سکتی ہے، چنانچہ حضرات علمائے دیوبند کے عمومی مسلک کے مطابق حضرت فقیہ الامت اس سلسلے میں نہایت محتاط اور محکم عقیدہ اپناتے ہیں اور اسی کی تصریح بھی فرماتے ہیں، یعنی نہ تو انبیاء کو خدا سے ملا دیتے ہیں، نہ نوعِ بشری سے الگ کسی اور مافوق الانسانی نوع کے ساتھ ان کی مماثلت تلاش کرتے ہیں، نہ ان میں خدا کے حلول کرنے، خدائی اختیارات کے ان میں موجود ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، نہ ان کو مقامِ عبدیت سے اٹھا کر مقام معبودیت تک پہنچاتے ہیں اور نہ اس طرح کی عقیدت کو درست سمجھتے ہیں۔

اسکے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی توہین، تنقیص یا تنقید یا انکی طرف گناہ کی نسبت کرنیکا تصور بھی نہیں کرتے ہیں اور نہ اس تصور کو درست سمجھتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیثیت محض خدا کا پیغام رساں ہونیکی ہے، گویا معاذ اللہ ڈاک کے کسی امانت دار کارندے کی حیثیت دینے کو سراسر توہین قرار دیتے ہیں۔

ایک طرف حضرات انبیاء علیہم السلام بشریت کے سب سے بلند مقام ومرتبہ پر فائز ہیں اور دوسری طرف انسانیت کی سب سے زیادہ محسن ومحبوب جماعت اور تیسری طرف خدائی حدود واختیارات میں دخیل نہیں ہیں، پھر اس مقدس جماعت کی آخری اور سب سے باعظمت ہستی حضرت سید المرسلین ہیں، آپ افضل الکائنات وافضل الانبیاء ہیں لیکن ساتھ ہی آپ کی عبدیت وبشریت بھی یقینی ہے، غلوِ عقیدت میں بشریت کی نفی اور ادعائے بشریت میں

مقام نبوت کی تنقیص دونوں پر خطر ہیں اور دونوں حدود شریعت سے خارج ہیں۔

آپ کی ذاتِ اقدس کو خدائی اختیار کا حامل قرار دے کر مختارِکل اور تمام علوم الٰہی پر محیط قرار دے کر عالم الغیب قرار دینا یا دوسری طرف آپ کی بشریت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی طرف نعوذ باللہ بشری کمزوریوں کا انتساب کرنا یا آپ کے جسد اطہر کے مٹی میں مل جانے کا عقیدہ اپنانا دونوں انتہائیں، حضرت فقیہ الامت کی تشریحات کے مطابق غلط ہیں۔

اگر ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام رسالت کے سب سے فائق مقام پر تسلیم کرنے کے ساتھ الوہیت، رزاقیت، علم محیط، قدرتِ کاملہ اور اختیاراتِ الٰہی کا انتساب کیا جائے تو حضرت فقیہ الامت اس کو بلاتامل شرک کہہ دیتے ہیں اور یہ آپ کے فتاویٰ میں جابجا موجود ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی کسی کو توہین رسول کی خفیف سے خفیف روِش پر بھی حرف گیری سے نہیں چوکتے ہیں اور نہ اس میں کوئی رواداری گوارہ ہے۔

حضرت فقیہ الامت یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں، اور وہ صلوٰۃ وسلام جو ان کی قبر پر حاضر ہوکر پیش کیا جائے خود سماعت فرماتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ اس کائنات میں ہر جگہ حاضر وناظر ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے، وہ طبقہ جو یہ کہے کہ نبی حیات او ہر جگہ موجود ہیں اس کو بھی غلط کہتے ہیں اور وہ طبقہ جو یہ کہے کہ نبی نہ ہر جگہ موجود ہے اور نہ اپنی قبر میں حیات، ان کی بھی تردید کرتے ہیں اور خود اس میں راہِ اعتدال اپناتے ہیں[۱]۔

میلاد کی مجالس میں قیام کرنا اور یہ سمجھنا کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود ان مجالس میں تشریف لاتے ہیں حالانکہ قرآن، حدیث، صحابہ کے ارشادات اور فقہائے امت اس بے بنیاد فاسد عقیدے سے مبریٰ ہیں اور عقل وتجربہ بھی اس کے منکر ہیں، چنانچہ اس قیام کے غیر شرعی ہونے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ:

---

[۱] راجع کتاب الایمان، مایتعلق بحیات الانبیاء، ومایتعلق بالحاضر والناظر.

''حضرت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس اور ذاتِ عالی کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے درود وسلام آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں، نہ یہ کہ آپ خود عالم کے چپہ چپہ میں گھوم کر مجالس میں پہنچ کر درود وسلام وصول کریں، یہ تو عقیدت کے نام پر انتہائی توہین ہے۔ عام محبوب کو اپنی چیز دینے کے لئے اپنے گھر طلب کرنا اور پھر شئ مطلوب پیش کرنا توہینِ عشق ہے تو پھر محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر کی مجالس میں آنے کا یقین رکھنا اور چند نعتیہ اشعار کھڑے ہوکر اور جھوم کر پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ تشریف اجلال متوقع ہے سراسر غیر شرعی بھی ہے، توہین رسول بھی ہے اور خلافِ عشق نبوی بھی۔

اس عقیدے کے کھوکھلے پن کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مجلس میلاد والے جب چاہتے ہیں کوئی مخصوص نعت پڑھنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اسی پر فیصلہ کرتے ہیں کہ ذاتِ اقدس وارد ہوچکی ہے، اس مخصوص نعت کے بجائے اور جو جو ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اور جس جس انداز میں بھی ہو وہ جامد وساکن ہی رہتے ہیں گویا تشریف آوری کو اپنی چاہت پر موقوف کیا گیا ہے[١]۔ یاللعجب۔''

غرض کہ ذاتِ اقدس کے متعلق خصوصاً اور دیگر انبیاء کے متعلق عموماً، علماء دیوبند کا جو نہایت ہی اعتدالی عقیدہ ہے اس کی مکمل تشریح فقہ وفتاویٰ کے ذریعہ حضرت فقیہ الامت کے یہاں کامل طور پر پائی جاتی ہے۔

حضرات صحابہ کرام اور راہِ اعتدال

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جماعت مقدسہ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جماعتِ صالحہ کا معاملہ بھی ایسا ہی نازک ہے۔ ایک طرف سے حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق ''رضی اللہ عنھم''[٢] کا مژدہ ہے اور ''الصحابة کلھم

[١] راجع باب البدعات، فصل: میلاد اور سیرت کے محافل اور عرس کا بیان.
[٢] البینة: ٨.

عدول'' کا اعلانِ نبوی ہے اور دوسری طرف سے وہ نہ تو حدودِ رسالت میں شامل ہیں اور نہ فوق البشری کمالات سے متصف۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق بھی طرح طرح کی افراط وتفریط کا پایا جانا امر واقعہ ہے، چنانچہ کچھ لوگوں نے حضرات صحابہؓ پر تبری کرنا اور کچھ نے تنقید کے نام پر ان کی مقدس زندگیوں پر حملے کرنا اپنا وطیرہ بنایا۔ پھر حضرات صحابہ کے درمیان پائے جانے والے مشاجرات کا مسئلہ اور بھی زیادہ نازک معاملہ ہے کہ تنقید کرنے والے مشاجرات کو ہی موضوع بناتے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامت کا مسلک جو مسلک علمائے دیوبند کی مکمل تشریح کا حامل ہے یہ ہے کہ:

''حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس روئے زمین پر سب سے مقدس جماعت ہے۔''

لیکن ان کی تقدیس اس طرح بیان نہیں کرتے کہ وہ حدودِ رسالت میں شامل ہوجائیں وہ بلاشبہ انسان تھے، لیکن محض اس بناء (انسان ہونے کے ناطے) پر ان پر تنقید کو گوارہ نہیں فرماتے بلکہ وہ تمام معاملات جو مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ضمن میں آتے ہیں، ان کا محملِ حسن نکالنے کی سخت تلقین فرماتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت علی وحضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان پیش آنے والے محاربہ کی ایسی توجیہ وتشریح فرماتے ہیں کہ نہ تو کسی ایک صحابی کی شان میں تنقیص ہوتی ہے۔ نہ کسی کے ارادے ونیت پر کوئی شک ہوتا ہے، نہ کسی کی ذات پر گستاخانہ حملہ ہوتا ہے اور نہ اس کو جائز سمجھتے ہیں اور ایسا کرنے والوں پر سخت تنقید فرماتے ہیں[۱]۔

حضرات صحابہؓ کی عظمت وتقدس اور ان کی علوِ شان کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ ان کو مقام

---

[۱] راجع کتاب الایمان، باب الفرق الباطلة، مایتعلق بالروافض، مشاجرات الصحابة، عنوان ''محاربۂ علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما''

تشریع بھی نہیں دیتے اور نہ ان کے ارشادات کو بعد کے لوگوں سے چاہے وہ فقہاء ومحدثین ہوں یا اولیاء وعارفین، فروتر قرار دیتے ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو امت کے بعد کے تمام طبقات سے افضل قرار دینے اور ان پر ہر قسم کی تنقید کے غیر درست ہونے اور صحابہؓ کے درمیان پائے جانے والے مشاجرات کے سلسلے میں حضرت فقیہ الامت کا انداز کیا تھا، اس کی پوری تفصیل مجموعہ فتاویٰ میں درج مختلف فتاویٰ سے معلوم ہوسکتی ہے۔

تمام مشاجرات صحابہؓ کے متعلق اسی طرح کی تسلی بخش ودلنشیں اور نہایت ہی بصیرت افروز توجیہات ومحملِ حسن مقرر کرنے میں حضرت فقیہ الامتؒ خود بھی کامیاب سعی فرماتے ہیں اور اسی کی ترغیب بھی دیتے ہیں۔

غرض کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پوری امت کے لئے حق وباطل کا معیار قرار دے کر ان کے تنقید سے بالاتر ہونے کی تصریح کے ساتھ ان کے معصوم عن الخطاء ہونے کا اعلان نہیں کرتے کہ اس سے وہ حدودِ رسالت میں داخل ہوں گے اور ان کے اختلافات کو اچھالنے، موضوعِ بحث بنانے اور ان کی بنیاد پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مطعون کرنے کی روش جیسا کہ بعض مصنفین کا وطیرہ رہا ہے سے خود بھی اجتناب کرتے ہیں اور جو اس سے اجتناب نہ کریں ان پر زورِ تغلیط وتردید کرنے کے لئے ہر دم بے باک رہتے ہیں، اور یہ بھی آپ کے فتاویٰ سے عیاں ہے۔

پھر صحابہ کرام کے آپسی اختلافات کو حق وباطل کا اختلاف قرار دینے کے بجائے اور ان اختلافات میں ان کی نیتوں پر حملے کرنے کے بجائے صرف اجتہادی اختلافِ رائے کہہ کر اور پھر ہر طرف کی نیت کے خالص ہونے اور اختلاف کو اختلاف دینی کہہ کر صحابہؓ کی صفتِ عدالت کے محفوظ ہونے کی صراحت فرماتے ہیں اور پھر ان کو امت کے بعد کے تمام طبقات سے ہر اعتبار سے افضل ہی نہیں، بعد کی امت کے لئے نمونہ اور کسوٹی

قرار دیتے ہیں۔

پھر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اسی محبت وعظمت اور اسی عقیدت ومعیار کا مستحق قرار دیتے ہیں، ایسا نہیں کہ بعض کی زندگیوں میں نقائص کے پہلو نکال کر تبرائی بن جائیں یا سب وشتم کرنا اپنا طرز بنائیں جیسا کہ بعض اہل قلم وجماعتوں کی یہ نمایاں علامت رہی ہے اور نہ ہی بعض کے حق میں غلو کر کے حدودِ عقیدت میں بڑھ جائیں۔ مدح میں ایسا رطب اللسان ہونا کہ ان کو ان کے مقام سے آگے پہنچا دے یہ بھی غلط اور ان کے متعلق بدگمانی، بدزبانی اور بے ادبی بھی حق سے بعید ہے، اس نکتۂ اعتدال پر علمائے دیوبند ہیں اور اس کی مثال اپنی پوری شان کے ساتھ حضرت فقیہ الامتؒ کی ذات گرامی تھی بلکہ آج کے عہد میں وہ اس نکتۂ اعتدال کے سب سے بڑے شارح وترجمان اور اس کے سب سے مستند مرجع تھے۔

تصوف اور اعتدال پسندی

تصوف اور سلاسل اولیاء کے متعلق بھی طرح طرح کی افراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف ایک طبقہ جو تصوف کو اس کی اصلی حیثیت سے زائد درجہ دیتا ہے اور اس میں بھی شرعی اصولوں کی رعایت لازم نہیں سمجھتا، تعلیمِ قرآن، تعلیم حدیث وفقہ، مسائلِ شریعت، اعمال ظاہرہ، عباداتِ مخصوصہ، دعوت وارشاد کی یا تو سرے سے ان کے یہاں اہمیت ہی نہیں یا کم ہے۔ ان کے یہاں تصوف اور وہ بھی مطلوب شرعی کی حدود سے بے نیاز ہو کر اس طرح مستولی ہے کہ وہ ایسے امور کا ارتکاب کرتے ہیں جو شریعت کے سراسر خلاف ہے اور تصوف وروحانیت کے نام پر، یا اولیاء کے متعلق ایسے فاسد عقیدے رکھتے ہیں کہ جن کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔

چنانچہ تصوف کے نام پر غیر شرعی اعمال اور وظائف، اولیاء کی طرف منسوب آثار

کے ساتھ تبرک کے نام پر شرعی حدود وقیود کے خلاف رویہ اور غلو عقیدت کے ایسے ایسے مظاہرے کہ جن کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی اصل نہیں رواج پائے گئے، یا اولیاء کو مختار ومشکل کشا، ہر جگہ سے ہر ندا کو سننا اور بعد الموت بھی ایسی حیات ابدی سے متصف ماننا جس سے وہ امورِ دنیا میں بھی متصرف ہوں، یا استمداد بالقبور یا اولیاء کو صرف ضروریات دنیوی کی تکمیل کا ذریعہ بنانا، مشکلاتِ حیات میں ان سے طلب امداد کرنا اور اس جیسے بہت سے مزعومات پھیلے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف تصوف کو سراسر غیر شرعی قرار دینا، اولیا کو معبودانِ باطلہ سے تشبیہ دینا تصوف کو افیون اور اہل تصوف کو نشہ پلانے اور سلا دینے والے قرار دینا اور اس ضمن میں پوری جماعت صوفیاء کی تنقیص کرنا اور پورے تصوف کو ''چنیا بیگم'' تک کہنا اور پورے سلسلہ تصوف کو مجروح کرنے کو ایک مہم کے طور پر اپنانا بھی ایک طبقہ کا وظیفۂ حیات ہے[۱]۔

اس سلسلے میں راہِ اعتدال اور مسلکِ حق کیا ہے، یہ علمائے دیوبند کی طرح تفصیل سے حضرت فقیہ الامتؒ کے یہاں ملتا ہے، آپ تصوف کی حقیقت اور اس کی ضروریات، اس کی افادیت واہمیت کو یہ کہہ کر واضح فرماتے ہیں: ''تزکیہ نفوس، اعمالِ ظاہرہ اور اخلاقِ فاضلہ کے حصول کے لئے ہے، اسی کا نام تصوف ہے۔'' اسی کے ساتھ مرشد کے اوصاف وشرائط کی پوری تفصیل بیان فرماتے ہیں جو اس کے لازم ہیں اور ایسا شخص جو عقائدِ فاسدہ رکھتا ہو جو خود متبع سنت نہ ہو جس سے اصلاح کی وہ ضرورت پوری نہ ہوتی ہو جس کے لئے یہ سلسلۂ راہ سلوک مطلوب ہے اور وہ ارشاد وتزکیہ کی مقرر شرائط پر پورا نہ اترتا ہو اس سے بیعت نہ ہوں، اور اگر ہوئے ہوں تو اس بیعت کو توڑ دینے کا فتویٰ دیتے ہیں[۲]۔

پھر تصوف میں اعمالِ مقصودہ اور اعمالِ غیر مقصودہ کی وضاحت کرتے ہیں اور اعمالِ

---

[۱] راجع باب الفرق، مایتعلق بالمودودیة، عنوان ''تصوف، یوگ، کوکین، افیون''

[۲] راجع کتاب السلوک، مایتعلق بصفات الشیخ.

غیر مقصودہ جو صرف بغرضِ علاج شرعی حدود میں رہ کر انجام دیئے جائیں ان کی اباحت کی صراحت بھی فرماتے ہیں اور وہ اعمال جو نہ مطلوبِ شرعی ہیں، نہ وہ بطور علاج کے مفید ہیں اور ان کا شیوع یا تو صرف رسوم کی بناء پر ہوا ہے یا تصوف و بزرگانِ دین کی طرف غلط انتساب کا نتیجہ ہے، محض رسوم کی بناء پر کئے جانیوالے اعمال جو بعد میں تصوف کے خانے میں ڈال دیئے گئے، مثلاً تیجہ، چوتھا، دسواں، گیارہواں، چہلم، برسی، عرس، رسم قل اور ختم کی مجالس میں غیر شرعی کلام اور وظائف کا ورد مثلاً ''**المستغاث المستعان الخلاص یارسول اللہ یا فلان مشکل کشا بالخیر المدد**'' وغیرہ یہ تمام اپنی اصل کے اعتبار سے غیر شرعی بھی ہیں اور تصوف کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، اسلئے حضرت فقیہ الامتؒ انکو بدعت قرار دیتے ہیں، انکے غیر شرعی ہونے کو دلائل نقلیہ وعقلیہ سے مبرہن فرماتے ہیں اور اسکی سب سے واضح دلیل مستند صوفیاء سے ان کا عدمِ ثبوت ہے، اسی کے ساتھ اولیاء کو مقام الوہیت تک پہنچانے کی روش کی سختی سے تردید فرماتے ہیں، چنانچہ سوال کیا گیا کہ:

ایک صاحب نے بیان فرمایا، کہا کہ:

''کسی بڑھیا کا خاندان غرق ہوگیا تو پیرانِ پیر نے دعا کی وہ سب زندہ ہوگئے، کیا یہ واقعہ درست ہے؟ اس پر جواب فرمایا: ''یہ واقعہ من گھڑت اور بالکل جھوٹ ہے، اور اتنے بڑے بزرگ پر جھوٹ باندھنا تو بہت بڑی بدبختی ہے[۱]۔''

اولیاء پرستی کی اس روش کی نفی کے ساتھ ان کے احترام کو برقرار رکھنے اور اس سلسلے میں شرعی حدود قائم فرمانے کا انداز دیکھئے کہ پوچھا گیا:

''کیا اولیاء سے مدد مانگنا جائز ہے؟ اس پر ارشاد فرمایا: ''حضرات اولیاء اللہ کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا درست ہے، خود براہِ راست اولیاء اللہ سے کوئی چیز نہ مانگی جائے، جیسا کہ بعض جگہ کہتے ہیں، ''یا غوث المدد''

[۱] راجع کتاب الایمان، مایتعلق بالمعجزۃ، والکرامۃ والالہام.

شرعاً اس کی اجازت نہیں ہے[1]۔"

تصوف کے سلسلے میں بیعت سے لے کر شرائط مرشد، آداب مسترشد، اعمالِ ثابتہ کو مدلل کرنے، مقصودِ بیعت کا عملی بیان، راہِ سلوک میں پیش آنے والے تمام احوال ومقامات کی تشریح اوران میں ہر ہر جز کی علمی تائید کے سلسلے میں حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ تمام صلحائے عارفین کی طرح انتہائی وسعتِ نظر اور ژرف نگاہی کا مظاہرہ فرماتے ہیں، بزرگان دین سے منسوب شطیات کی نہایت دل نشیں توجیہ فرمایا کرتے اور وہ اعمال جو شرعاً اگرچہ مطلوب نہیں، لیکن صدیوں کے تجربات کے بعد صوفیہ نے اعمالِ صالحہ پر دوام، اخلاقِ فاضلہ کے حصول اور نسبتِ احسانی کے احیاء میں مفید قرار دیا، ان کا علمی اثبات ایک صاحبِ علم متصوف کی طرح نہایت بصیرت سے فرماتے ہیں۔

وہ اعمال جو اپنی اصل کے اعتبار سے فرض واجب نہیں، صرف سنت ومستحب کے درجہ میں ہیں، ان کو تصوف میں لے جا کر اس طرح لازم کر دیا کہ عملاً وہ فرض کے مقام پر پہنچ گئے اور فرض وواجب کی حیثیت گھٹا دی گئی......اس سلسلے میں حضرت کا ارشاد یہ ہے کہ:

> "جس چیز کا استحباب شرعی دلائل سے ثابت ہو اس پر اصرار کرنے اور تارک پر ملامت کرنے سے اس کا استحباب ختم ہو جاتا ہے اور اس میں کراہت آ جاتی ہے۔
> التزام مالا یلزم وملامت علی التارک موجب کراہت ہے[2]۔"

---

[1] راجع کتاب الایمان، مایتعلق بالاستمداد.

[2] ان مواقع پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر طیبی شرح مشکوٰۃ کی عبارت ذکر کرتے ہیں، جو مرقاۃ میں ملا علی قاریؒ نے ذکر کی ہے اور وہ یہ ہے: "من اصر علی امر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة، فقد اصاب منه الشيطان من الاضلال، فكيف من اصر على بدعة او منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوٰة، باب الدعاء فى التشهد، الفصل الاول: ۳/۳۱، رقم الحديث: ۹۴۶، رشيديه)

اور سعایہ شرحِ وقایہ کی یہ عبارت ذکر فرماتے ہیں: "الاصرار على مندوب يبلغه الى حد الكراهة" (السعاية شرح الوقاية، كتاب الصلوة باب صفة الصلوة، قبيل فصل فى القراءة ص: ۲/۲۶۵، امجد اکیڈمی لاهور)

اور اس کا اندازہ بدعات کے اکثر مسائل سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن دوسری طرف ان معمولات کو جو اصلا ثابت شدہ ہیں لیکن اس کے باوجود کچھ طبقات نے ان کو بھی محض تعداد و ہیئت کی تعیین کی بناء پر بدعات کے زمرے میں شامل کر دیا جیسے کہ نفی و اثبات کی تسبیحات، اسم ذات کے ذکر اور سہ ضربی یا چہار ضربی ذکر کے سلسلے میں یہی صورت حال پیش آتی ہے اس سلسلے میں حضرت فرماتے ہیں کہ:

''وہ معمولات جو یا تو مستحب ہوں یا مباح اور جن کی فضیلت ثابت ہے، مشائخ بطور علاج کے تجویز فرماتے ہیں اور کبھی یہ معمولات ترک بھی کراتے ہیں کہ جب اس کی ضرورت پڑے اس لئے یہ نہ ممنوع وحرام ہیں اور نہ فرض وواجب[۱]۔''

خلاصہ یہ کہ حضرت فقیہ الامت نے مسلکِ حق کی ایسی اعتدالی تشریح کی اور اعتدال بھی ایسا واضح، مصرح، مدلل اختیار فرمایا کہ عوام ہی نہیں علماء کے لئے بھی آپ کے فتاویٰ ایک کامل رہبر کا کام دے سکیں گے اور اس کا مشاہدہ ہر طالبِ صادق کو یقینی طور پر ہو سکتا ہے۔

مدارس اور راہِ اعتدال

برصغیر میں مغل دورِ حکومت کے خاتمہ کے بعد اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کو اسلام پر ثابت رکھنے کی جو سب سے کامیاب اور مفید سعی ظہور پذیر ہوئی وہ دیوبند کے طرز پر قائم ہونے والے مدارس کا قیام ہے۔ بلاشبہ آج برصغیر اسلام کی حفاظت واشاعت اور اسلامی علوم کی نشر واشاعت میں اور مسلمانوں کو دین سے منسلک رکھنے میں جس محرک نے کلیدی کردار ادا کیا وہ یہی مدارسِ اسلامیہ ہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو نہ علماء کی یہ کثرت ہوتی، نہ اسلامی علوم کے پڑھنے و پڑھانے کے یہ مواقع ہوتے، نہ اسلامی علوم کی اس طرح نشر واشاعت ہوتی اور نہ آج برصغیر میں اسلام اس طرح محفوظ ہوتا۔

مدارس کا یہ نہج اپنے اکثر معاملات میں چند بزرگوں کے نہایت قیمتی اصولوں جن کو

[۱] راجع باب البدعات، فصل: ''فاتحہ مروجہ کا بیان'' عنوان ''ختم میں سوالاکھ کی تعداد''

الہامی اصولِ ہشتگانہ کہا جاتا ہے پر استوار کیا گیا۔ تاہم یہ اپنے نظام تعلیم، نظام مالیات، اصولِ تشکیل اور اندازِ تنظیم میں اس اعتبار سے ایک نیا تجربہ اس سے پہلے اس طرح نہیں ہوا تھا جو حکومتوں کی سرپرستی اور مالیات کے کسی متعین ومحکم ذریعۂ آمدنی کے بغیر کھڑا کیا گیا ہو۔

اسی بناء پر فقہ واحکام کی کتابوں میں باقاعدہ کوئی ایسا باب نہیں جو متعین طور پر اس قسم کے مدارس کے تمام مسائل پر مشتمل ہو، چنانچہ یہ مدارس اپنے ذوق اور مزاج سے لے کر چھوٹے چھوٹے مسائل تک اپنے بزرگوں اور بانیوں کی صوابدید اور فیصلوں پر موقوف تھے اور ہیں۔

اس باب میں حضرت فقیہ الامت سب سے ممتاز ہیں کہ **"مایتعلق بالمدارس"** کا باب قائم فرما کر سب سے زیادہ فتوے دیئے، اسلئے اگر اہل مدارس اپنے تمام معاملات کی فقہی رہنمائی کے لئے کوئی کتاب سامنے رکھنا چاہیں تو فتاویٰ محمودیہ کے مجموعے میں **"مایتعلق بالمدارس"** میں سے مسائل کو منتخب کر کے اپنے سامنے ایک رہنما کتاب کے طور پر رکھ سکتے ہیں، جس میں مدارس میں پیش آنے والے چھوٹے بڑے، عمومی ونادر الوقوع مسائل کا شرعی حکم موجود ہے۔

ان مسائل میں حضرت مفتی صاحب کی فقہی بصیرت، مدارس کے ذوق ومزاج کا عرفانِ کامل، مدارس کے نہج کو محفوظ رکھنے کے سلسلے میں عمیق بصیرت، اصل مقصود سے ہٹ جانے کی خفیف سے خفیف روش پر گہری نظر، حدودِ شریعت میں رہ کر مدارس کو ہر نئی سہولت سے فائدہ اٹھانے کی اجازت، مسلکِ حق پر استقامت کی مکمل رہنمائی، اربابِ انتظام، اصحابِ تدریس، طلباء محصلین اور معاونین میں سے ہر ہر طبقہ کی صحیح اور کامل رہبری، نئی تہذیب کے دھارے پر بہنے اور تجدد کی ہر نئی لہر کو قبول کرنے کے نقصان دہ نتائج اور مضر اثرات کی نشاندہی، اساتذہ کے فریضے کی صراحت، اخلاص، جدوجہد،

استقامت اور تعمیر وتطہیر، اصلاح وتزکیہ کی تذکیر، محض کسبِ مال کو مطمحِ نظر نہ بنا کر خدمت دین کے تصور کو زندہ رکھنے کی ہدایت وغیرہ کے متعلق حضرت کے فتاویٰ، ملفوظات اور ارشادات جواہر خالصہ ہیں۔

جمہوریت اور راہِ اعتدال

پچھلے سو سالہ (کم وبیش) عرصہ میں پورے عالم کی طرح برصغیر میں بھی سیاسی تحریکات کا شیوع عام ہوا، دنیا میں مختلف نظام ہائے سیاست طرح طرح کی شکست وریخت سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو بھی اس دلدل سے گزرنا پڑا، بلکہ ان کے مضر اثرات سب سے زیادہ مسلمانوں پر ہی پڑے، اس بناء پر علمائے اسلام بھی ان سیاسی مسائل سے آنکھیں بند نہ کر سکے۔ اس سلسلے میں علمائے دیوبند کے عمومی تصور کی طرح حضرت فقیہ الامت کا تصور بھی یہی رہا کہ سیاست نہ تو مطلوبِ اسلام ومقصودِ مومن ہے اور نہ ہی شجرۂ ممنوعہ، اس کی وہ تفصیل (جو اس کی وجوہات، دلائل اور نتائج کی حامل ہو) کی تو ان صفحات میں وسعت نہیں۔ تاہم حضرت فقیہ الامت کے چند وہ فتاویٰ جو سیاسیات کے متعلق ہیں پیش کرنے سے علمائے دیوبند کے مزاج کے اجمالی تعارف کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔

یہ دور جمہوریت کا دور کہلاتا ہے اس لئے کہ جمہوری طرزِ حکومت کے قیام، اس کی افادیت اور اس کو بہتر نظام قرار دیئے جانے کے متعلق لٹریچر سے لے کر تشکیل حکومت تک جمہوریت کے عملاً زندہ ہونے کا اور عالم کے اکثر حصہ پر اس کے نافذ ہونے کا دور ہے اور اس سلسلے میں کتابوں کا انبار موجود ہے، جو جمہوریت کے حق میں بھی ہیں اور اس پر تنقید بھی۔ اسلامی اصولوں کی روشنی میں یہ نظام حکومت مکمل طور پر قابلِ قبول ہے یا قابل رد، اس سلسلے میں علمائے امت مفصل ومدلل تحقیقات فرما چکے ہیں۔ حضرت فقیہ الامت نے نہایت جامع اور مختصر جملوں میں اس کی پوری حقیقت اور اس کا حکم یوں بیان فرمایا کہ:

''حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے، (اس

لئے کہ) وہاں قوانین کا مدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے یعنی کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ پس اگر کثرتِ رائے قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو اسی پر فیصلہ ہوگا اور قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجبِ ضلالت قرار دیا ہے:

"**وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ**"

اہل علم، اہلِ دیانت و اہل فہم کم ہی ہوتے ہیں[1]۔"

ایک موقع پر مختصر فتویٰ لکھا کہ:

"جمہوریت اسلامی طرز حکومت نہیں ہے۔"

ایک شخص جو سیاسی میدان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور حضرت فقیہ الامت سے استفسار کرتا ہے تو جواب میں فرمایا کہ:

"اگر حصہ لینے میں آپ کو احکامِ اسلام پر عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو اور آپ حصہ لے کر اہلِ اسلام کی خدمت کرسکیں اور ان کو ظلم سے بچا کر حقوق دلا سکیں تو حصہ لے سکتے ہیں[2]۔" (فتاویٰ محمودیہ)

حدود و قیود اور مقصد کی تصریح اور نیت کی درستگی غرض مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر رکھ کر ایک ہی جملہ میں آپ نے واضح اور قطعی حکم بیان فرما دیا گویا کہ دلیل اور علت بیان نہیں فرمائی۔

سوال کیا گیا کہ کیا ووٹ دینا درست ہے؟ فرمایا کہ:

"اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت مظنون ہو تو درست ہے[3]۔" (فتاویٰ محمودیہ)

---

[1] راجع فتاویٰ محمودیہ، کتاب السیاسۃ، فصل: "جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان" عنوان "جمہوریت"

[2] راجع کتاب السیاسۃ والھجرۃ، عنوان: سیاست میں حصہ لینا۔

[3] راجع کتاب السیاسۃ والھجرۃ، فصل: انتخابات کی شرعی حیثیت، عنوان "ووٹ کا حکم"

اور جب مختلف جماعتیں ووٹ طلب کریں تو ایسی صورت میں ایک مخلص بےلوث اور بےغرض مسلمان کو کیا کرنا چاہئے اور پارٹی کے جانچنے اور اس کے حق میں رائے دینے کا معیار کیا ہو، اسی طرح کے سوال کے جواب میں فتویٰ لکھا کہ:

''اپنے اہلِ علم و دیانت کے تجربہ سے جو جماعت اسلام کے زیادہ قریب یا پابند ہو اور حقوق دلانے میں زیادہ کوشاں اور قربانی دینے والی ثابت ہو اس میں شرکت کر سکتے ہیں[۱]۔'' (فتاویٰ محمودیہ)

خود حضرت کس پارٹی کو پسند فرماتے تھے؟ تقریباً اسی قسم کا سوال پوچھا گیا تو فرمایا کہ:

''جماعتوں کے قواعد وضوابط میں ترمیم ہوتی رہتی ہے، مجھے زیادہ واقفیت بھی نہیں ہے[۲]۔''

جمہوری ملکوں میں چونکہ انتخاب میں شرکت کرنے کا حق ہر اس پارٹی کو حاصل ہوتا ہے جو پارٹی تسلیم شدہ ہو اور اس کے لئے مذہب، اخلاق اور دیانت کی کوئی شرط نہیں اس لئے منکرینِ خدا، مذہب و اخلاق سے بیزار اور انسانوں کو معاشی حیوان بنا دینے والے بھی اگر انتخاب میں شرکت کرنا چاہیں تو جمہوری ملکوں میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی تو کیا کمیونسٹ پارٹی میں شرکت کر کے اس کی طرف سے انتخاب لڑنا یا اس کو ووٹ دینا درست ہے؟ اس سلسلے میں حضرت نے فرمایا:

''کمیونزم کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے، کمیونزم کا ممبر اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا جو صدقِ دل سے صاف صاف اعلان نہ کرے کہ وہ دہریہ ہے، یعنی منکر خدا ہے۔

اینجلز لکھتا ہے:

---

[۱] راجع كتاب السياسة، فصل: جمہوریت اور سیاسی تنظیموں کا بیان، عنوان: ''کس سیاسی جماعت میں حصہ لیا جائے؟

[۲] راجع المصدر السابق آنفاً.

''ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے۔''

مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

''ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانیت کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے، مذہب عوام کے حق میں افیون کا درجہ رکھتا ہے۔''

کمیونزم ایک تحریک نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جس کے بانی مارکس ولینن وغیرہ یہودی تھے، یہ صرف معاشی تحریک بھی نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے جو تمام ادیان و مذاہب سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاق واقدار ودین حق یعنی ذات خداوندی کے خلاف ہے اور کامریڈوں کی درندگی کی راہ میں ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دینِ جدید یا دین یہود کا مسلک ومقصد ہے۔''

آگے تحریر فرمایا:

''یہ کمیونزم کا اجمالی خاکہ ہے کہ جس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اعتقاد کے اعتبار سے وہ صراحۃً اسلام کے خلاف ہے، سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت وقتی طور پر اگر مفید بھی نظر آئے تو بھی اس کا دینی حیثیت سے ضرر واضح ہے[۱]۔'' (فتاوی محمودیہ)

حضرت فقیہ الامت نے اشتراکیت کے متعلق جو قطعی اور واضح حکم لکھا اس کے بعد یقیناً یہ سوال پیدا ہوگا کہ جو لوگ اس تحریک اشتراکیت میں شریک ہوئے، کیا وہ اسلام سے خارج ہیں؟ چنانچہ پوچھا گیا لیکن تکفیر (کسی کو کافر قرار دینا) انتہائی اہم اور پرخطر معاملہ ہے اور علمائے دیوبند کی اس سلسلے میں احتیاط رتو شعار وامتیاز ہے، مزاجِ احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے فتویٰ لکھا کہ:

''کسی مسلم فرد یا مسلم جماعت کو کافر یا مرتد قرار دینا بڑی ذمہ داری کی بات

---

[۱] راجع کتاب الایمان، باب الفرق، مایتعلق بالشیوعة والشتراکیة، عنوان: ''کمیونزم''

ہے، جب تک نصوصِ قطعیہ سے اس کا کفر ثابت نہ ہو اس پر اقدام نہیں کیا جاسکتا، بلا قطعی دلائل کے اگر ایسا کیا جائے تو اندیشہ قوی ہے کہ یہ کفر اقدام کرنے والے پر عود کر آئے، جو علماء حدودِ شرع سے واقف ہیں اور کفر و اسلام کی سرحد کو پہچانتے ہیں وہ کبھی ایسا اقدام نہیں کیا کرتے[۱]۔'' (فتاویٰ محمودیہ)

اسی حزم و احتیاط کا مزید مظاہرہ آپ نے اس وقت فرمایا جب ایسے مسلمانوں کے متعلق سوال کیا گیا کہ جو کمیونزم کے بنیادی نظریات سے ناواقف ہو کر محض سیاسی بہتر خدمات کی توقع پر کمیونسٹ پارٹی کو ووٹ دیں، کیا وہ اسلام سے خارج ہو کر کمیونسٹ قرار پائیں گے؟ آپ نے فتویٰ لکھا کہ:

''اس ملک (ہندوستان) میں ووٹ اسلام اور کفر کی بنیاد پر نہیں دیئے جاتے، نہ ہی اس بنیاد پر الیکشن لڑائے جاتے ہیں، جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہنچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دیا جائے، جو لوگ خود مسلمان اور دین و مذہب کے پابند ہیں وہ اگر نافع سمجھ کر کسی پارٹی کو ووٹ دیں یا کسی فرد کو ووٹ دیں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس پارٹی کے نظریات وعقائد سے بھی متفق ہیں[۲]۔'' (فتاویٰ محمودیہ)

اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال

اختلافی مسائل چاہے وہ عقائد سے متعلق ہوں یا معاشرت، معاملات، اخلاق، سیاسیات یا مختلف فرقوں کے عقائد و نظریات اور یا پھر یہ اختلافات قدیم ہوں یا نئے ہوں ان تمام مسائل میں حضرت فقیہ الامت کا طرز محققانہ، حفظِ مراتب میں محتاط اور بوقت ضرورت سخت ہوا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں کبھی آپ انتہائی بسط و تفصیل کی روش اپناتے اور کبھی اجمال اختیار کر کے صرف بیانِ حکم تک محدود رہتے۔

---

[۱] راجع کتاب الایمان، باب الفرق، مایتعلق بالشیوعیة، والاشتراکیة، عنوان: اسلامی سوشلزم''

[۲] راجع کتاب السیاسة والهجرة، فصل: انتخابات کی شرعی حیثیت، عنوان: ''ووٹ کس کو دیا جائے؟''

ان اختلافی مسائل میں استدلال کی قوت، بیان میں حفظِ درجات، اپنے موقف پر شدت وصلابت اور مخالف نظریہ کے دلائل پر شدید گرفت اور نقلی وعقلی دلائل سے اس کی تردید، یہ سب کچھ ہوا کرتا۔

اختلافی مسائل میں تکفیر کا سلسلہ جو برصغیر میں ایک طبقہ کا نشان اور علامت بن گیا تھا اور اس کے لئے ذاتیات پر انتہائی رکیک اور اخلاق سوز حملے بھی کئے اور دوسری طرف تقلید کو شرک اور ہر نئے عمل کو بے دھڑک بدعت وگمراہی اور اسلاف کا ذوق وتعامل اپنانے کو اتباعِ آباء، یہودیت، نصرانیت اور مشرکین کا طرز اپنانے کا حکم لگایا گیا جیسا کہ دوسرے طبقہ کا شعار ہے، اس سلسلے میں حضرت فقیہ الامت بحیثیت مفتی اس روش پر قائم رہے جو علمائے دیوبند کا امتیاز ہے یعنی صراحۃً کبھی کسی کی تکفیر کا حکم لکھنے کی اگر نوبت آئی تو عموماً حضرت کا جواب اس طرح ہوا کرتا۔

''ایسے عقائد اپنانے سے ایمان سلامت نہیں رہتا۔''

یا یہ لکھا کرتے:

''یہ خیالات خلافِ شریعت ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہئے۔ وغیرہ''

اس سلسلے میں عموماً فرمایا کرتے کہ:

''سب سے زیادہ احتیاط کی ضرورت تکفیر میں کرنے کی...... ہے۔''

ان اختلافی مسائل میں اگر مسئلہ کسی جماعت کے متعلق ہوتا اور وہ مسئلہ اس جماعت نے بطور عقیدہ وشعار کے اپنایا ہوتا تو پھر حضرت کا رویہ نہایت سخت اور قطعی ہوتا۔ ایسے مسائل میں دوسرے فریق پر مفصل ومدلل جرح، اس کے دلائل کی دلنشیں تغلیط، دوسرے فریق کے دلائل نقل کرنے اور پھر ان کے سقم کو بیان کر کے اس کے نتیجے میں پھیلنے والی گمراہی کی واضح نشاندہی فرمایا کرتے، چنانچہ مختلف فرقوں کے متعلق آپ کے فتاویٰ میں یہ انداز واضح ہے لیکن اس شدت وقطعیت کے ساتھ کسی کی ذات پر یا کسی کی نیت پر حملہ نہ کرتے یا اخلاق وکردار کو موضوعِ بحث نہ بتانے، نہ طعن وتشنیع والزام تراشی کرتے، نہ غلط

بات منسوب کرتے، نہ کسی کے نظریہ کے غلط معنی نکال کر "**توجیہ القول بمالا یرضی بہ القائل**" کا ارتکاب کرتے، بلکہ اگر دوسرے فریق کی طرف سے کوئی درست بات سامنے آتی تو اس کی نہایت فراخ دلی اور حقیقت پسندی سے تحسین فرمایا کرتے، چنانچہ ایک مشہور شخصیت جن کے خیالات ونظریات سے حضرت کو نہایت اختلاف ہے، کے متعلق ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

> "اس موقع پر......صاحب نے ایک بات ایسی لکھی ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ مجھے......صاحب سے بنیادی اختلاف ہے اس اختلاف کے باوجود یہ بات بعید ہے کہ اگر ان کے قلم سے کوئی بات صحیح نکل جائے تو میں اسے غلط کہنے لگوں، ایسا نہیں ہوسکتا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:
>
> "**لایجرمنکم شناٰن قوم علی ان لا تعدلوا**[1]"

فروعی اختلافی مسائل اور راہِ اعتدال

ان اختلافی مسائل میں دوسری قسم ان مسائل کی ہے جن میں کسی جزوی اور فروعی مسئلہ میں کسی سے آپ کا اختلاف ہوجائے اور یہ اختلاف بر بنائے دلائل ہو اور وہ کسی تحریف یا تلبیس کے فروغ کا سبب نہ بنے، محض موقف اور اسکے مستدلات کا اختلاف ہو، ایسے موقعوں پر آپ حفظِ مراتب کے نہایت اعلیٰ مقام پر رہتے۔ چنانچہ فقہ کے فروعی مسائل میں بہت سے مفتیانِ وقت سے آپ کا اختلاف ہوتا رہا لیکن آپ عموماً صرف اپنا موقف، اس کے دلائل اور بزرگانِ سلف میں سے کسی کی رائے نقل کرنے پر اکتفا فرمایا کرتے اور اگر کبھی دوسرے کی رائے نقل کرنے کی نوبت آتی تو نہایت احترام سے وہ رائے اور اس کے دلائل بھی نقل فرماتے، ایسے موقعوں پر کبھی صرف یہ کہہ کر بات ختم کردیتے کہ "اس مسئلہ میں فلاں کی رائے یہ ہے۔"

[1] **المائدة: ۸.**

F.M.Fainal\Jild-1\06-Muqaddama

دعوت وتبلیغ اورراہِ اعتدال

دین کی اشاعت اوراس کی حفاظت اورامت میں دین کوزندہ رکھنےاوراحکامِ دین کے احیاء کے سلسلے میں دعوت وتبلیغ کا کیا مقام ہے، یہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ امت کی داعیانہ صفت ہی درحقیقت اس کی بقاء کی ضامن ہے، اسلامی تاریخ کے ہرعہد اوراسلامی دنیا کے ہر مقام پر جب جب بھی یہ داعیانہ کردار کمزور ہوا اس کے طرح طرح کے سنگین نتائج سامنے آئے، اسی بناء پر امت سے خلافت وحکومت جاتی رہی، اسی وجہ سے امت اپنی معاشرت ومعاملات میں دوسری اقوام کی نقالی کرنے اوراپنے دین کوچھوڑنے کی روش پر چل پڑی، اس کے نتیجے میں امت میں اعمال وعبادات اوراخلاق وآداب غرض پورے اسلام اورپھر ایمانیات تک میں شدید ترین ضعف پیدا ہوا۔

غرض کہ امت کی ہرخرابی کی جڑ دین کی کمزوری اوراس کا سبب دعوت سے غفلت ہے جب کہ دعوت وتبلیغ کا یہ فریضہ قرآن مجید، ارشاداتِ نبویہ، سیرت طیبہ، تاریخِ اسلام اور عقل وتجربہ سے واضح اوراس کی اہمیت، فرضیت اورامت کے لئے اس کے لازم ہونے کی صراحت قطعی اورغیرمحتاجِ دلیل ہے، بلکہ ختم نبوت کے نتیجے میں امت کوکارنبوت کےفریضہ کی ادائیگی اسی دعوت کے نتیجے میں عطا ہوئی ہے اور یہ فریضہ کسی بھی حال میں امت سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

برصغیر میں سینکڑوں سال تک مسلمان حکمرانی کرتے رہے، لیکن امت کی غالب اکثریت اس فریضہ دعوت کی ادئیگی سے غافل رہی، اس لئے علمائے امت کی محنت کے نتیجے میں دین گومحفوظ رہا لیکن امت کے عام افراد کی زندگی سے لےکرحکومتِ وقت تک جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ بھی ناقابلِ انکار ہیں، بلاشبہ اگر امت کا غالب طبقہ اس فریضہ کی ادائیگی میں منہمک رہا ہوتا توامید کی جاسکتی تھی کہ آج برصغیر کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

مسلمانوں سے اقتدار چھن جانے کے بعد جب دین کومٹانے کے نہایت سنگین حالات پیدا کئے گئے اور پوری امت کا عوامی طبقہ دین سے بیگانہ ہوتا گیا تو اللہ جل شانہ نے

خصوصی فضل فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس فریضہ کی ادئیگی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آج عالم کے کونے کونے میں دعوت وتبلیغ کی یہ محنت جاری ہے اور اس کے ثمرات کا ظہور اس طرح ہو رہا ہے کہ عالمِ اسلام کی مسلم حکومتوں کی کسی بھی محنت کے نتیجے میں ایسا ثمرہ سامنے نہیں آ رہا ہے اور اس کے اعتراف سے بجز عناد وکج فہمی کے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی۔

دعوت وتبلیغ کا یہ نہج بے شمار لوگوں کے لئے اجنبی اور قابل اعتراض ہے حالانکہ شرعاً اس کے کسی بھی جز پر کوئی واقعی اعتراض کیا ہی نہیں جا سکتا، تاہم کچھ لوگ اس کے چار ماہ، چالیس دن، تین دن، گشت اور دوسرے امور پر یہ سطحی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تعیین غیر ثابت شدہ ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دین کے تمام احکام کی دعوت کو اپنا مقصد نہیں بناتے بلکہ صرف چند احکام تک ہی محدود رہتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ وقت کے سیاسی مسائل سے اِغماض کرتے ہیں وغیرہ۔

درحقیقت یہ تمام اعتراضات انتہائی سطح پر، غلط فہمی یا حقیقتِ دعوت نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اس لئے علمی طور پر دعوت وتبلیغ کی فرضیت ثابت کرنا، اس کے اصول ومنہاج کو مدلل کرنا، اس پر کئے جانے والے اعتراضات کا دفاع کرنا علمائے امت کا فریضہ ہے۔

برصغیر کے مفتیانِ کرام میں سے حضرت فقیہ الامت کی ذات اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ آپ نے ازخود حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں وقت گزارا، دعوت وتبلیغ کے کام میں عملاً شرکت کی، اس کے پورے نظام کو ازخود ملاحظہ فرمایا، اس کے فوائد وثمرات کا مشاہدہ فرمایا اور پھر بعد کی پوری زندگی میں اس کے ساتھ مکمل انتساب رکھا۔ اور معترضین کے اعتراضات کے مدلل ومفصل جوابات دئے۔ اس لئے اگر علمی طور پر دعوت وتبلیغ کو سمجھنا کسی طالب صادق کا مطلوب ہوتو فتاویٰ محمودیہ میں شائع شدہ فتاویٰ جو دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں بلاشبہ چشم کشا ثابت ہوں گے۔[1]

---

[1] راجع فتاویٰ محمودیہ، کتاب العلم، باب التبلیغ.

فتاویٰ محمودیہ کی خصوصیات

اعتدال پسندی کے علاوہ چند دیگر خصوصیات بھی حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کے فتاویٰ میں پائی جاتی ہے، اجمالی طور پر جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

◉ ......عام طور پر جوابات مختصر ہوتے مگر **خیـر الکلام ماقل و دل** کے مصداق تاہم ضرورت کی وجہ سے تفصیلی فتاویٰ بھی تحریر فرماتے، حتی کہ بعض فتاویٰ تو رسائل کی شکل اختیار کر گئے۔

◉ ......سلیس اور عام فہم اردو میں جواب تحریر فرماتے تا کہ مستفتی جواب کی حقیقت سے واقف ہو جائے اور سائل کی الجھن اور پریشانی باقی نہ رہے۔

◉ ......مقصدِ سائل (نکتۃ الغور) کا جواب دینے کا بھرپور اہتمام کیا جاتا۔

◉ ......مقصد سائل کا لحاظ کرتے ہوئے تربیتی پہلو کو بھی سامنے رکھتے ہیں، مثلاً: اگر سائل کا مقصد کچھ اور تھا لیکن اس کے لئے مفید کوئی دوسری بات تھی تو اس کی بھی نشاندہی کر دیتے ہیں۔

◉ ......تکفیر کے بارے میں احتیاط کا پہلو نمایاں طور پر نظر آتا ہے، حتی کہ صراحۃً کسی کی تکفیر کی نوبت آ بھی جائے تو عموماً حضرت مفتی صاحبؒ کے جواب کے الفاظ ہوتے ہیں: ''ایسے عقائد اپنانے سے ایمان سلامت نہیں رہتا۔''

◉ ......''**أنـزلـوا النـاس منـازلهـم**''[1] کے پیش نظر ہر سائل کو اس کی حیثیت کے مطابق جواب دیا جاتا مثلاً:

---

[1] "عـن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "انزلوا الناس منازلهم" رواه ابـوداؤد. (مشکوة المصابیح، کتاب الآداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الثانی:۴۲۶، قدیمی. وسنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التنزیل ناس منازلهم:۲/۳۱۷، امدادیه ملتان)

F.M.Fainal\Jild-1\06-Muqaddama

(الف) سائل عام آدمی ہواور احکام شرعیہ کے بارے میں سوال کرے تو آسان عبارت میں اسے حکم سے مطلع فرما دیتے ہیں۔

(ب) اگر کوئی احکام شرعیہ سے ہٹ کر سوال کرے تو اس کا جواب حتماً نہیں دیتے[۱]۔

(ج) اگر سائل کا مقصد فتنہ پردازی ہوتو جواب سے معذرت فرما دیتے ہیں۔

(د) بسا اوقات خود سائل کو پابند فرماتے ہیں کہ اپنی لکھی ہوئی بات جس کی تحقیق چاہتا ہے، مثلاً: کوئی حدیث یا تاریخی واقعہ کا حوالہ دے تب جواب دیا جائے گا۔

(ھ) معاند سائل کو حتی الامکان سمجھانے کی کوشش فرماتے ہیں، اگر پھر بھی نہ سمجھے تو جواب سے معذرت کی جاتی ہے۔

(۲) کبھی سائل کو دیکھتے ہوئے ''لایخافون فی اللہ لومة لائم[۲]'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے سائل کی خوب خبر لیتے ہیں۔

(س) اہل علم کے سوالات کے ٹھوس و مدلل جوابات دئے جاتے ہیں۔

(ز) اہل علم میں سے وہ حضرات جو اپنی ہی تحقیق کو حرفِ آخر سمجھیں اور کسی کی بات نہ مانیں، ان کو جواب دیتے وقت اولاً تو جواب کو خوب مدلل ذکر فرماتے ہیں اور آخر میں اس کی تصریح بھی فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق آپ جیسوں کو مطمئن نہ کر سکے گی، اس کا کوئی علاج نہیں۔

(ر) جس چیز کے بارے میں علم نہ ہوتو ''لا ادری'' کہنے میں جھجھک محسوس نہیں فرماتے۔

---

۱ اس کا اندازہ فتاویٰ محمودیہ، کتاب العلم، باب الفلکیات، سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

۲ المائدة: ۵۴.

◉ ......مبہم سوالات کا جواب دینے سے کبھی حضرت مفتی صاحب معذرت فرماتے ہیں اور کبھی جواب لکھ کر تحریر فرماتے ہیں: ''مبہم سوالات کر کے جوابات کو کسی شخص پر منطبق کرنا بسا اوقات غلط اور موجبِ فتنہ بھی ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہوتی ہے۔''

◉ ......کبھی مستفتی بلاضرورت سوال میں مختلف باتیں تحریر کرتا ہے جن کی وجہ سے سوال طویل ہو جاتا ہے، عام طور پر حضرت مفتی صاحبؒ ایسے سوالات کا مختصر الفاظ میں خلاصہ نکالنے کے بعد یہ لکھ کر کہ: ''اگر واقعی آپ کے سوال کا حاصل یہ ہے۔'' جواب تحریر فرماتے۔

◉ ......سائل کسی بڑی شخصیت کی رائے اور تحقیق کا ذکر کرتا حضرت قدس سرہ کبھی اس سے مرعوب نہ ہوتے بلکہ جس چیز کو دلائل کی روشنی میں حق سمجھتے اس کو اختیار فرماتے۔

◉ ......حضرت قدس سرہ اپنے تحریرفرمودہ جوابات دیگر موجود حضرات اہل علم کو دکھانے کا بھی اہتمام فرماتے۔

◉ ......کوئی صاحب اگر کوئی مشورہ دیتا اور وہ درست ہوتا تو اس کو قبول فرمالیتے۔

◉ ......حضرت والا قدس سرہٗ کی اپنی رائے انتہائی تحقیقی اور پختہ ہوتی تھی مگر اس کے باوجود دلائل کی روشنی میں اپنی رائے کا مرجوح ہونا معلوم ہو جاتا تو بلاتکلف اپنی تحقیق سے رجوع فرما کر راجح کو اختیار فرمالیتے اور اس کا اظہار واعلان بھی فرمادیتے۔

◉ ......حضرت والا قدس سرہ کو اصول وفروع بہت مستحضر تھے کہ کتب اصول فقہ، رسم المفتی، الاشباہ والنظائر، اورقواعد الفقہ کا درس حضرت والا قدس سرہٗ کے پاس ہوتا

تھا، اور کتب فقہ وفتاویٰ کی اکثر اہم کتب کی حضرت والا قدس سرہٗ نے فہرست تیار فرمائی تھی، مثلاً الطحطاوی علی المراقی الفلاح، الجوہرۃ النیرۃ، شامی اور بہت سی کتبِ حدیث وفقہ وفتاویٰ وغیرہ کی فہرست تیار فرمائی تھی، اور حضرت والا قدس سرہ نے ان جزئیات کی فہرست میں نشاندہی فرمائی تھی، جن سے خود صاحب کتاب نے تعرض نہیں کیا تھا، اس لئے حضرت والا قدس سرہٗ کو اصول وکلیات کے ساتھ جزئیات بھی مستحضر تھیں اس لئے جواب میں عموماً خاص جزئیہ ہی نقل فرماتے۔

- ......حضرت والا قدس سرہٗ کی اپنے اکابر کی کتب پر نظر کے ساتھ مخالفین اور فرق باطلہ کے ہمنواؤں کی کتب پر بھی خاص نظر تھی، اس لئے سائل اگر ایک صاحب کی عبارت دوسرے کی طرف منسوب کر کے فتویٰ حاصل کرنا چاہتا، حضرت والا قدس سرہٗ اس کو فوراً سمجھ جاتے اور پھر اس کے مطابق جواب عنایت فرماتے۔
- ......حضرت والا قدس سرہٗ کو حضرات متقدمین کی کتب فقہ وفتاویٰ کے ساتھ متأخرین کی کتب فتاویٰ پر بھی گہری نظر تھی اس لئے حضرت والا قدس سرہٗ کا جواب انتہائی تحقیقی اور مدلل ہوتا تھا۔
- ......حضرت والا قدس سرہٗ صرف مفتی ہی نہ تھے، کتب فقہ وفتاویٰ ہی پر آپ کی خاص گہری نظر نہ تھی بلکہ درس نظامی کی از اول تا آخر تمام کتب کا آپ نے درس دیا تھا۔ اسی طرح کتب حدیث صحاح ستہ کا بار بار درس دیا تھا، اس طرح تفسیر وحدیث کا تمام تر ذخیرہ حضرت والا قدس سرہٗ کے پیش نظر تھا۔ ایسی حالت میں حضرت والا قدس سرہٗ کے فتاویٰ کس شان تحقیق کے حامل ہوں گے، وہ ظاہر ہے۔
- ......تمام علوم وفنون میں حضرت والا کو وہ کامل دسترس اور مہارت تامہ حاصل تھی کہ

حضرت والا سے جس فن کے بارے میں دریافت کیا جاتا حضرت والا اس کے بارے میں وہ تحقیقی نکات بیان فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ حضرت والاقدس سرہٗ کا یہی خاص فن ہے،اور حضرت والا نے تمام زندگی اسی کی تحصیل میں صرف کی ہے۔

- ......اس خداداد صلاحیت وقابلیت کے ساتھ حضرت والا کوحق تعالیٰ شانہ نے تحقیق وتدقیق کا وہ ذوق وشوق عطا فرمایا تھا کہ جب تک کسی چیز کی تہہ تک نہ پہونچ جائیں حضرت والاقدس سرہٗ کواس وقت تک چین نہ آتا تھااس کے لئے خواہ کتنی ہی مشقت اٹھانا پڑے اور خواہ کتنی ہی راتوں کو جاگنا پڑے، ایسی حالت میں حضرت والا کی تحقیق میں نرالی شان ہونا ظاہر ہے۔
- ......قارئین کرام حضرت والا کے فتاویٰ میں بعض میں سیکڑوں کتابوں کے حوالے پائیں گے، گویا وہ سب کتب حضرت والا کے سامنے کھلی رکھی ہیں اور بے تکلف ان کے حوالے نقل فرماتے جارہے ہیں۔
- ......کتب احادیث کی مختلف اقسام ہیں اورانمیں سب سے اونچی قسم جامع ہے۔اور

جامع: اس کو کہتے ہیں جوعلم حدیث کے ابواب ثمانیہ کو جامع ہو۔یعنی عقائد، احکام،تفسیر،تاریخ،آداب،رقاق،مناقب،فتن۔

سنن: وہ کتب کہلاتی ہیں جوابواب فقہی کی ترتیب پر ہوں۔

اسی طرح اور دیگر اقسام ہیں اوران سب میں اعلیٰ جامع ہے، بخاری وترمذی جامع ہے،صحیح مسلم بھی راجح قول پر جامع ہے،اسی طرح فتاویٰ میں فتاویٰ محمودیہ کی شان جامع کی نظر آتی ہے کہ ابواب فقہی کے علاوہ ابواب ثمانیہ:’’عقائد، احکام،تفسیر،تاریخ،آداب،رقاق،مناقب،فتن‘‘میں سے ہر ہر باب سے متعلق کافی ذخیرہ موجود ہے، اور اس کے علاوہ فرق باطلہ قادیانیت، شیعیت، رضاخانیت، غیر مقلدیت، مودودیت، اور ان کے علاوہ دیگر متعدد ونومولود

فرقے ہر ایک فرقہ کے رد سے متعلق اتنا مواد اور ذخیرہ جمع کردیا گیا ہے جو بجاطور پر ایک جامع کتاب کی حیثیت رکھتا ہے اور دلائل کا ایسا انبار ہے جو اس فرقہ کو کما حقہ سمجھنے اور اس کی تردید کے لئے کافی ووافی ہے۔

اسی طرح تبلیغی جماعت سے متعلق دعوت وتبلیغ کی اہمیت اس کے اصول وضوابط اور اس کے آداب اور اس میں پیش آمدہ جزئیات اور اس پر ہونے والے اعتراضات اوران کے مدلل جوابات اتنا بڑا ذخیرہ جمع کردیا گیا جو مستقل جامع کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح سلوک واحسان کے متعلق اس کی ضرورت واہمیت، اس پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات اور جاہل پیروں کا تعاقب اور ان کی خرافات وبدعات کا ابطال انتہائی تفصیل کے ساتھ فرمایا ہے کہ وہ بجائے خود ایک جامع کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسی طرح احکام مسجد، احکام اوقاف، احکام مدارس، مایتعلق بالمدارس کا عنوان قائم فرماکر مدارس میں پیش آنے والی جزئیات اوران کے احکام اتنی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں کہ احکام مساجد، احکام اوقاف، احکام مدارس، یہ سب الگ الگ ایک مستقل جامع کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غرض ہر نوع سے متعلق اتنا بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا ہے، جسکی وجہ سے ''فتاویٰ محمودیہ'' کی حیثیت مستقل ایک کتب خانہ کی حیثیت ہے کہ جہاں ''فتاویٰ محمودیہ'' موجود ہے گویا پورا کتب خانہ موجود ہے۔اور جہاں ''فتاویٰ محمودیہ'' موجود ہے گویا وہاں ایک مستند مفتی موجود ہے جو عوام وخواص سب کے سوالات کے جوابات کے لئے ہر وقت مستعد ہے۔

اس لئے بجاطور پر اس عظیم کارنامہ کو فقہ حنفی کا تجدیدی کارنامہ اوراس صدی کا

انتہائی عظیم اور اہم اور بے مثال کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ جس سے انشـــاء اللہ العـزیز صدیوں تک رہنمائی حاصل کی جاتی رہے گی، اور عوام وخواص استفادہ کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ العزیز

وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

واللہ ذوالفضل العظیم

فالحمد للہ علی

ذٰلک

ولـــه الـــشـــكـــر والـــمـــنـــة اولاً وآخـــــراً

ترتیب جدید

ابتدائی چار جلدیں توفقہی ترتیب کے مطابق ہی شائع ہوئیں ،لیکن بعد میں جتنا جتنا مسودہ تیار ہوتا گیا ،اسکوشائع کیا جاتا رہا، اورفقہی ترتیب محفوظ نہیں رہ سکی ،اس طرح مختلف جلدوں میں مختلف ابواب سے متعلق مسائل آ گئے ،ایک باب سے متعلق کے مسائل مختلف جلدوں میں آ نا ناگزیرتھا چونکہ فتاویٰ کا تمام مسودہ یکجا طور پر موجود نہیں تھا، کہ ترتیب آسان ہوتی بلکہ جیسا کہ پہلے گزر چکا مختلف رجسٹروں سے ان کونقل کیا جاتا تھا،اس لئے اسکے لئے یہی شکل آسان تھی کہ جتنا جتنا نقل ہوجائے ،اسی کوشائع کر دیا جائے ،سوالحمد للہ فہرست کی جلدسمیت ۲۴ رجلدوں میں اس کی تکمیل ہوئی ۔

مگر ایک ہی باب سے متعلق مسائل واحکام مختلف جلدوں میں آنے کیوجہ سے سائل کوتلاش کرنے میں کافی دشواری کا سامنا ہوتا تھا، کہ ایک مسئلہ کی تلاش کرنے کیلئے تمام جلدوں کی ورق گردانی ضروری تھی ،اس دشواری کو آسان اورسہل کرنے کیلئے محترم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب کاٹھیاواڑی زیدمجدہم مسترشد وتلمیذ خاص محبّ مکرم حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب زیدمجدہم مفتی جامعہ اسلامیہ مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات نے ہمت فرمائی ،اورشبانہ روز کی محنت وسعی فرما کر ۱۷رجلدوں کی فہرست تیارفرما دی چونکہ اس وقت سترہ ہی جلدیں شائع ہوئی تھیں ،موصوف نے یہ کام بہت عمدگی سے انجام دیا، چونکہ موصوف کو ماشاءاللہ اس کا تجربہ پہلے سے تھا کہ اس سے قبل فتاویٰ رحیمیہ کی فہرست بھی تیارفرما چکے تھے ،اللہ تعالیٰ موصوف کو جزائے خیر عطافرمائے اور بہت بہت ترقیات سے نوازے آمین ،کہ ان کی اس محنت وکاوش سے مسائل کی تلاش میں بہت سہولت ہوگئی ۔

موصوف نے فتاویٰ کی فہرست کی طرح حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کی دیگر تصانیف کی بھی فقہی مسائل کی فہرست مرتب فرمادی، جس سے حضرت والا قدس سرہٗ کی تمام کتابوں اور رسالوں سے فقہی مسائل کا تلاش کرنا آسان ہوگیا۔

مگر اس سب کے باوجود اصل ضرورت اس کی تھی کہ تمام فتاویٰ کی ازسرے نو ترتیب ہوتا کہ ایک باب سے متعلق تمام مسائل ایک جگہ جمع ہوجائیں، تاکہ مسئلہ تلاش کرنا بھی آسان ہوجائے، اور تمام مسائل پر بیک وقت نظر ڈالنا بھی آسان ہوجائے، کہیں کسی مسئلہ میں تکرار ہوتو وہ حذف ہوجائے۔

جن مسائل کے دلائل میں عربی عبارات نہیں ہیں وہاں حاشیہ میں عربی عبارات کا اضافہ کردیا جائے ،اس کے لئے محبّ محترم حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب زیدمجدہم نے مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب زیدمجدہم کو متعین فرمایا کہ وہ ان مسائل کے لئے جن کے حوالجات نہیں ہیں، عربی عبارات تلاش کرکے ان کو جمع کریں، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطافرمائے ، کہ اس کے لئے بھی انہوں نے دوسال برابر محنت کی اور بہت سی جلدوں کے حوالجات جمع فرماکر کاپی میں نقل فرمالئے ، اللہ پاک حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری زیدمجدہم کو بھی بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے ان کو آمادہ فرمایا، اور پوری نگرانی فرمائی ، اور محبّ مکرم ومحترم مولانا محمد گارڈی افریقی زیدمجدہم تلمیذ رشید حضرت فقیہ الامتؒ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کو بھی بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے کہ موصوف نے مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب زیدمجدہم کے دوسال کے مشاہرہ کا انتظام فرمایا۔

دوسال محنت وجانفشانی کے بعد موصوف کا جامعہ اسلامیہ مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں مفتی کے عہدہ پر تقرر کرلیا گیا، اور فتویٰ نویسی کی ذمہ داری موصوف کے اوپر آ پڑی اور اسکی مشغولی کی وجہ سے یہ کام التواء میں پڑ گیا پھر بنام خدا توکلاعلی اللہ ترتیب جدید کا کام

بھی ’’جامعہ محمودیہ‘‘ ہی میں شروع کر دیا گیا اس کی شکل یہ اختیار کی گئی، کہ اولاً تمام جلدوں میں سے تمام مسائل کو ایک ایک مسئلہ کی شکل میں الگ الگ کرلیا گیا، اس طرح تمام جلدوں میں پھیلے ہوئے مسائل ہر باب سے متعلق یکجا ہوگئے، اولاً ہر ہر مسئلہ کو بغور دیکھا اور وہ مسئلہ جس باب سے متعلق تھا اس پر نشان لگادیا، اور متعلقہ باب لکھدیا، پھر اس مسئلہ سوال وجواب کو الگ کرلیا، اور ہر مسئلہ کے ساتھ ایک کاغذ چسپاں کردیا گیا، تاکہ اس سے متعلق حاشیہ میں عربی عبارات کی اگر ضرورت ہو تو اس کا اضافہ کیا جاسکے۔

اس کام میں محترم مولانا محمد ازہر القمر بدایونی سلمہٗ نے کافی تعاون کیا کہ انکو اسی کام کیلئے متعین کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور ترقیات سے نوازے آمین، حواشی میں حوالجات اور دلائل نقل کرنے کیلئے اس سلسلہ میں چونکہ مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب کاٹھیاواڑی زیدمجدہم کام کرچکے تھے، ان سے درخواست کی گئی کہ کچھ وقت کیلئے رخصت لے کر میرٹھ تشریف لے آئیں، مگر انہوں نے وہاں کے مشاغل کیوجہ سے معذرت کی البتہ وہ کاپیاں جن میں عربی عبارات تحریر فرمائی تھیں، ارسال فرمادیں۔

اسلئے حوالجات اور عربی عبارات کی تلاش اور نقل کیلئے مستعد مفتیان کرام کی ایک جماعت کو مقرر کیا گیا جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

﴿۱﴾......مولانا مفتی مستفیض الرحمٰن صاحب فاضل جامعہ ہذا

﴿۲﴾......مولانا مفتی وسیم احمد صاحب پورنوی ؍؍ ؍؍

﴿۳﴾......مولانا مفتی عبداللہ صاحب مظفرنگری؍؍ ؍؍

﴿۴﴾......مولانا مفتی مصیب الرحمٰن مہاراشٹری؍؍ ؍؍

﴿۵﴾......مولانا مفتی نوید صاحب مہاراشٹری ؍؍ ؍؍

﴿۶﴾......مولانا مفتی محمد مسعود صاحب ایم پی؍؍ ؍؍

﴿۷﴾......مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب ادروی فاضل مدرسہ شاہی مرادآباد

﴿۸﴾......مولانا مفتی توحید عالم صاحب سمریا، چترا، جھارکھنڈ　　〃　　〃

محترم مولانا مفتی کوکب عالم صاحب زیدمجدہم استاذ حدیث جامعہ ہٰذا کی خدمات حاصل کیں، موصوف نے بہت جانفشانی کیساتھ اس سلسلہ میں بہت تعاون فرمایا اور دیگر کام کرنے والوں کی نگرانی بھی فرمائی۔

فتاویٰ کی نظر ثانی اور کتابت شدہ حصہ کی تصحیح اور تلاش حوالجات وغیرہ کے سلسلہ میں گاہے گاہے مولانا مفتی معراج الدین صاحب زیدمجدہم استاذ حدیث جامعہ ہذا، مولانا مفتی معروف صاحب زیدمجدہم سابق استاذ جامعہ ہٰذا حال مدرس دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی رضوان احمد موانوی سلمہٗ استاذ مظاہرعلوم سہارنپور نے بھی تعاون فرمایا حق تعالیٰ شانہ تمام حضرات کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور اعلیٰ ترقیات سے نوازے۔

تمام کام پر نظر ثانی اور کام کے دوران پوری نگرانی احقر نے کی **فالحمد للہ علی ذلک.**

❁❁❁

ترتیب جدید میں

مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

(۱)......☆ ایک کتاب یا ایک باب سے متعلق تمام مسائل یکجا کر دئے گئے۔

(۲)......☆ ایک کتاب یا ایک باب میں کیف ما اتفق جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس میں بھی فقہی ترتیب کا لحاظ کیا گیا، اور فقہی ترتیب کے مطابق ہی ابواب وفصول میں انکو رکھا گیا۔ مثلاً کتاب الطہارت سے متعلق مسائل وضو، غسل کو الگ الگ کیا گیا، پھر وضو میں بھی وضو کے فرائض، سنن ومستحبات، نواقض وضو سب کو الگ الگ کیا گیا۔ اسی طرح غسل میں اس کے فرائض وسنن کو الگ الگ کیا گیا۔ اور واجبات غسل، جنابت، حیض ونفاس وغیرہ کی الگ الگ فصلیں قائم کی گئیں۔

(۳)...... ☆ ایک استفتاء میں متعدد سوالات ہوتے ہیں بعض دفعہ پندرہ بیس سوالات ہوتے ہیں اوران کے ساتھ ہی سب کے جوابات نقل کئے جاتے ہیں اور وہ سب الگ الگ ابواب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں ہر سوال کو مع جواب الگ الگ نقل کیا گیا اور پھر ان کے متعلقہ ابواب میں ان کو ملحق کیا گیا۔ ایسا نہیں کیا گیا کہ ان میں بعض کی مناسبت سے سب کو اس کے تابع کر کے ایک جگہ میں نقل کر دیا جائے مگر بہت کم کسی جگہ بمجبوری۔

(۴) ......☆ ترتیب سابق میں ایک مسئلہ کسی باب میں مذکور تھا مگر اس کو زیادہ مناسبت کسی دوسرے باب سے تھی تو اس کو اس دوسرے باب میں ذکر کر دیا گیا ہے، جس سے زیادہ مناسبت تھی۔

(۵) ......☆ جن مسائل کے لئے عربی عبارات کے حوالے نہیں تھے وہاں حتی الامکان عربی عبارات کے حوالے حاشیہ میں ذکر کر دئے گئے ہیں۔

(۶) ......☆ بعض مسائل میں حوالہ میں صرف کتاب کا نام ذکر کیا گیا تھا مثلاً کذا فی الدریا کذا فی البخاری وغیرہ وہاں کتاب کی اصل عبارت نقل کر دی گئی۔

(۷) ......☆ جن مسائل میں ان کتابوں کی عبارتیں موجود تھیں کہ اب وہ کتب اس مطبع کی موجود نہیں دوسرے مطبع کی مطبوعہ دستیاب ہیں تو موجودہ مطبوعہ کے مطابق ان کو کر دیا گیا۔

(۸) ......☆ ہر کتاب کے حوالہ میں صرف صفحہ اور کتاب ذکر کرنے پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے باب، فصل، اور مطلب وغیرہ نیز مطبع وغیرہ ذکر کرنے کا بھی اہتمام کیا گیا۔

(۹) ...... ☆ اصل جواب میں ضمناً جن امور کا ذکر آیا ان سب کے حوالے بھی نقل کر دئے گئے۔

(۱۰) ......☆ جہاں تک ممکن ہوا اصل جزئیہ نقل کیا گیا اصل جزئیہ نہ ملنے کی شکل میں قریب ترین عبارت نقل کی گئی ہے۔

(۱۱)......☆ طویل عبارت نقل کرنے سے حتی الامکان گریز کیا گیا۔

(۱۲)......☆ ہر مسئلہ کی دلیل کیلئے تین کتب کے حوالجات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا الا نادراً۔

(۱۳)......☆ قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ جن کا ترجمہ نہیں کیا گیا تھا حاشیہ میں ان کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

(۱۴)......☆ جو سوال وجواب فارسی، یا عربی میں تھے حاشیہ میں ان کا ترجمہ بھی کر دیا گیا۔

(۱۵)......☆ کسی مسئلہ کی وضاحت کی ضرورت تھی تو اس کی وضاحت کر دی گئی ہے، مگر اس طرح کہ وہ وضاحت اصل سے ممتاز رہے۔

(۱۶)......☆ کہیں اگر تکرار نظر آیا اس کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اور یہ اس وقت میں کیا گیا ہے جب کہ تکرار محض ہو لیکن اگر نوعیت بدلی ہوئی تھی یا تفصیل واختصار کا فرق تھا یا کوئی اور افادیت تھی تو اس کو برقرار رکھا گیا۔

(۱۷)......☆ بعض سوال طویل تھے ان کا ضرورت سے زائد حصہ ختم کر کے اس کو مختصر کر دیا گیا ہے، مگر اس طرح کہ سائل کا منشاء سوال فوت نہ ہو۔

(۱۸)......☆ بعض عنوان طویل تھے ان کو مختصر کر دیا گیا بعض کی تسہیل کی گئی بعض کو ضرورۃ بدلا بھی گیا مگر ایسا بہت کم ہوا۔

(۱۹)......☆ ہر سوال پر نمبر ڈالدیا گیا ہے۔

(۲۰)......☆ سائل کے نام کو حذف کردیا گیا ہے، کہ اسکی ضرورت نہ تھی الا ماشاء اللہ۔

(۲۱)......☆ جوحواشی اورعربی عبارات دوسرے حضرات سے نقل کرائی ہیں، ان سب کو احقر نے خود بغور دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ اصل مسئلہ کے مطابق ہیں یانہیں۔ تاہم کسی جگہ کا نظر سے رہجانا مستبعد نہیں اس لئے قارئین کرام سے درخواست ہے کہ کسی جگہ کوئی سقم وغیرہ محسوس فرمائیں تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کو درست کردیا جائے۔

اسطرح اب یہ فتاویٰ محمودیہ ماشاء اللہ الحمدللہ اردو فتاویٰ میں انتہائی معتمد ومستند اور مفید ترین ہوگئے ہیں۔ انشاء اللہ صدیوں ان سے استفادہ کیا جاتا رہیگا۔ "**ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللّٰہ ذوالفضل العظیم**" اللہ پاک کالاکھ لاکھ بلکہ کروڑ ہا کروڑ شکرواحسان ہے کہ اس نے اس عظیم خدمت کی سعادت نصیب فرمائی۔ ؎

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
میرے مولیٰ تیری مہربانی

جو ہوا ہوا کرم سے تیرے، جو ہوگا تیرے کرم سے ہوگا۔

دعا واظہار تشکر

بندہ اپنے ان تمام اکابر اور احباب کا شکر گذار اور احسان مند ہے جن حضرات نے کسی درجہ میں بھی اس عظیم کام میں معاونت فرمائی۔

بالخصوص:

۱)......محبّ مکرم حضرت مولانا محمد ابراہیم پانڈور صاحب زید مجدہم جن کی توجہات وعنایات برابر شامل حال رہیں۔

۲)......حضرت اقدس مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب زید مجدہم جنہوں نے اس ترتیب کی فکر فرمائی اور مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب زید مجدہم کو اس کام کے لئے آمادہ فرمایا اور ان کی برابر سرپرستی فرمائی۔

۳)......مولانا مفتی عبدالقیوم کاٹھیاواڑی زید مجدہم جنہوں نے دو سال برابر شبانہ روز محنت وجانفشانی سے فہرست تیار کی نیز حوالجات جمع فرمائے۔

۴)......مولانا محمد گارڈی صاحب زید مجدہم جنہوں نے بڑی معاونت فرمائی۔

۵)......حضرت اقدس مولانا مفتی احمد میاں صاحب زید مجدہم اور انکے برادر محترم حضرت مولانا محمد ابراہیم میاں صاحب زید مجدہم جن کی معاونت برابر شامل حال رہی۔

۶)...... بندہ کے وہ احباب ومعاونین جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے کہ مفتیان کرام کی ایک جماعت نے جامعہ ہذا میں کئی سال رہکر شبانہ روز محنت وجانفشانی کے ساتھ ترتیب فتاویٰ میں تعاون فرمایا اور تمام مسائل کے دلائل وحوالجات کو جمع فرمایا اور تکمیل تک برابر شریک کار رہے۔

۷)......وہ مفتیان کرام جو وقتاً فوقتاً مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

۸)......وہ حضرات مشائخ اور احباب مخلصین جو اس کام کی تکمیل کے لئے اپنی دعاؤں سے

معاونت فرماتے رہے۔

۹)......(۱)......مولانا محمد سلیم القاسمی غازی آبادی
(۲) ......مولانا شکیل احمد بارہ بنکوی
(۳)......مولانا محمد ارشاد قاسمی سیتامڑھی
(۴)......مولانا محمد منصر دیوبندی
(۵)......مولانا شاہد اختر قاسمی پلاموی
(۶)......مولانا محمد افضال قاسمی پلاموی
(۷)......مولانا محمد اختر میرٹھی
(۸)......مولانا مجیب الرحمٰن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ھٰذا
جنھوں نے کتابت وکمپوزنگ کا کام انتہائی مستعدی سے انجام دیا۔

۱۰)......الحاج بھائی ناصر صاحب مالک مکتبہ فرید بکڈ پو دہلی، جنھوں نے خاص اہتمام کے ساتھ بہت عمدہ اور خوبصورت طریقہ پر اس کے شایان شان طباعت کی کوشش فرمائی۔

۱۱)......محبّ مکرم الحاج بھائی شاہد اخلاق صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ جن کو حق تعالیٰ شانہ نے بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے موصوف نے انتہائی خوشدلی اور اپنی سعادتمندی سمجھ کر طباعت کے مصارف برداشت فرمائے، جس کی وجہ سے یہ عظیم الشان کام تکمیل کو پہونچا۔

حق تعالیٰ شانہ موصوف کو اور تمام حضرات معاونین کو اپنی شایان شان اسکا صلہ عطا فرمائے اور اپنی رضا وخوشنودی اور اپنی محبت ومعرفت کی دولت کے ساتھ ساتھ زندگی کے

آخرلمحہ تک اپنے دین کی خدمات کی توفیقات سے نوازے۔اورہم سب کوآخرت کی سب منزلیں آسان فرمائے اوراپنے دین کے خادموں میں حشر فرمائے۔آمین یارب العالمین

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم

وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْم

بِحُرْمَةِ حَبِیْبِکَ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْن

صَلّی اللّٰہ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَعَلیٰ

آلہٖ واصحابہ اَجْمَعِیْنْ

اِلیٰ یَوْم الدِّیْن

محمد فاروق غفرلہٗ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)

بروز دوشنبہ ۱۵/۱۰/۱۴۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ کے مراجع

فتاویٰ محمودیہ کے اس مقدمہ کی ترتیب میں مندرجہ ذیل کتابوں سے بطور خاص مدد لی گئی ہے۔

۱	فتاویٰ محمودیہ	فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ
۲	ملفوظات فقیہ الامت	// // // // // //
۳	مقدمہ فتاویٰ امداد الاحکام	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہم
۴	مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم	مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب زید مجدہم
۵	آثار الحدیث	مولانا ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب زید مجدہم
۶	تذکرۃ النعمان ترجمہ عقود الجمان	مولانا محمد عبداللہ صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ
۷	مقدمہ انوار الباری شرح بخاری	مولانا سید احمد رضا صاحب قدس سرہٗ
۸	مناقب النعمان	از احقر محمد فاروق غفرلہٗ
۹	مشکوٰۃ شریف	شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمریؒ
۰	بیان القرآن	حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
۱۱	معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ

تم الجزء

الاول بحمد اللہ واحسانہ

وتوفیقہ تعالیٰ وبمنہ وکرمہ ویلیہ

الجزء الثانی اولہ کتاب الایمان والکفر

انشاء اللہ تعالیٰ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

وتب علینا انک انت التواب الرحیم بحرمۃ حبیبک

سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیہ

وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

الی یوم الدین

محمد فاروق غفرلہ